فاش گویم بتو حرفے کہ ندانند ہمہ کس

اقبال اور علامہ شیخ زنجانی

مع

(وحی والہام اور برہان امامت)

تحقیق

ترتیب ومقدمہ

اکبر حیدری کشمیری

فاش گویم بتو حرفے کہ نداند ہمہ کس

اقبالؔ اور علامہ شیخ زنجانی

مع

(وحی والہام اور برہان امامت)

تحقیق

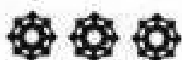
ترتیب و مقدمہ

اکبر حیدری کشمیری

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ مرتب	۷
۲	اقبالؔ اور سرکار علامہ شیخ عبدالعلی ہروی	۶۳
۳	اقبالؔ اور سرکار علامہ میرزا عبدالکریم زنجانی	۸۷
۴	ذاتِ او دروازۂ شہرِ علوم زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم اقبالؔ	۱۰۸
۵	اے بہ زِ خطِ وجوب و امکاں تفسیرِ تو سورہائے قرآں اقبالؔ	۱۱۹

۶	اقبال اور عشق اہلِ بیتِ رسالتؐ	۱۵۱
۷	علیؑ کی شجاعت اور غزوات	۱۶۵
۸	سپاس جناب امیرؑ اور برترؑ اسمائے علیؑ	۱۸۲
۹	محافظ اسلام ـــــ حسینؑ ابن علیؑ	۱۹۸
۱۰	وحی والہام میں قرآنی آیات کے حوالے	۲۰۹
۱۱	فرہنگِ الفاظ وتشریحات	۲۲۴
۱۲	کتابیات	۲۳۵
۱۳	’’وحی والہام اور برہانِ امامت‘‘ (عکس)	۲۳۹



سلام

افتخار عارف

ذکر مظلومؑ کو انعام میں رکھا گیا ہے
ظلم کو زمرۂ دُشنام میں رکھا گیا ہے
از ازل تا بہ ابد سارے یزیدوں کا حساب
ایک ہی دفترِ بدنام میں رکھا گیا ہے
تا قیامت کسی ظالم کی نہ ہو جرأت ظلم
صبر کو منزلِ اقدام میں رکھا گیا ہے
کربلا ہو کہ نجف ہو کہ مدینہ سب کو
نور کے سلسلۂ عام میں رکھا گیا ہے
میں نے تقویم شہادت پہ نظر کی تو کھلا
خاک کو شیشۂ ایام میں رکھا گیا ہے
صبر مخدومہء کونین کی وارث زینبؑ
ایک نشانی کہ جسے شام میں رکھا گیا ہے
مفتخر ہوں تو یہ فیضانِ کرم ہے اُن کا
اُن کی نسبت کو مرے نام میں رکھا گیا ہے

فون دفتر : ۹۲۵۷۴۳۳
گھر : ۲۲۹۷۴۸۸
فیکس : ۹۲۵۷۱۵۹
ای میل ایڈریس: اکادمی@اپالو۔نیٹ۔پی کے

صدر نشین

افتخار عارف

(ستارۂ امتیاز)

بیسویں صدی کے عظیم مفکر، شاعر، مدبر، حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کے افکار و سوانح کی مختلف جہات پر نہ صرف یہ کہ برصغیر جنوبی ایشیا میں بلکہ ساری دنیا میں بہت لکھا گیا ہے اور مسلسل لکھا جا رہا ہے۔ نئے نئے زاویے نئی تفصیلات کے ساتھ سامنے آ رہے ہیں۔ پھر بھی جیسا کہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کئی ابعاد شخصیتوں کے حوالے سے بعض گوشے اس طرح اُجاگر نہیں ہو پاتے جیسے کہ ہونے چاہیے تھے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ زندگی کے بعض ابواب حادثات زمانہ کی اُفتادگی گرد میں گم ہو جاتے ہیں یا اتنے واضح اور روشن نہیں رہ پاتے جتنا اُن کا حق تھا۔ ایک نسل اس سے واقف ہوتی ہے مگر بعد میں آنے والے اس سے کما حقہ فیض یاب نہیں ہو پاتے۔ برصغیر کے ممتاز محقق ڈاکٹر اکبر حیدری کی پیش نظر کتاب عالم اسلام کے جید عالم دین حضرت عبدالکریم نجفی زنجانی" کی لاہور آمد کے موقع پر ان کے اور حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے درمیان ہونے والی ایک گفتگو پر مبنی ہے، جسے سید گرامی مرتبت حسن جعفری مرحوم و مغفور نے محفوظ کر لیا تھا۔ "وحی و الہام اور برہان امامت" پر حضرت میرزا عبدالکریم زنجانی" اور حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کے مابین محاضرۂ علمی کے مطبوعہ مگر نایاب متن کے ساتھ ڈاکٹر اکبر حیدری کا مقدمہ خاص طور پر محفوظ کیے جانے کے قابل ہے۔ نبی کریم، رسولِ رحمت، ختمی مرتبتؐ، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ اور اُن کے خانوادۂ طیب و طاہر کے حضور علامہ اقبالؒ نے عقیدتوں کے جو نذرانے پیش کیے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ مسلم دنیا میں بولی جانے والی زبانوں کے شاید ہی کسی اور شاعر نے فکر کی رفعت و جامعیت اور جذبے کی شدت و وفور کے امتزاج کے ساتھ اعلیٰ ترین جمالیاتی ہنروری کے قرینوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا مثالی نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہو جیسا کہ اقبالؒ نے کیا ہے۔ ایسے دور میں کہ جب ملت اسلامیہ فروعی مسلکی اختلافات میں قدم قدم پر اُلجھی نظر آ رہی ہے، اس کتاب کی اشاعت دلوں کو جوڑنے اور تعلقات کو مستحکم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گی، مجھے اس کا پورا یقین ہے۔

(افتخار عارف)
اکتوبر ۲۰۰۳ء

اکادمی ادبیات پاکستان • ایچ ۸/۱، پطرس بخاری روڈ • اسلام آباد ۴۴۰۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"لَایُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتیٰ اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَفْسِہٖ وَتَکُوْنَ عِتْرَتِی اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ عِتْرَتِہٖ وَتَکُوْنَ اَھْلی اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَھْلِہٖ" (اَلْحَدِیث)

ترجمہ: نہیں مومن ہو سکتا کوئی بندہ جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور میری عترت کو اپنی عترت سے زیادہ محبوب نہ رکھتا ہو۔

("لا فتیٰ اِلّا علی و لا سیف الّا ذوالفقار"

[مناقب امیر المومنین]

مؤلفہ

حافظ ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن محمد البلخی الشافعی)

مقدّمہ مرتّب

ڈاکٹر اقبال حنفی تھے اور آخر عمر تک اسی مسلک پر قائم رہے۔ اس کے باوجود وہ ابتدائی عمر سے محمدؐ و آل محمدؐ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ شیخ اعجاز احمد علامہ اقبال کے بھتیجے اور مرزا غلام احمد قادیانی کے مقلد تھے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اقبال کے ایک سیالکوٹی دوست ڈاکٹر میر حیدر جنہیں اقبال کے خاندان سے گھریلو تعلقات تھے شیعہ عقاید رکھتے اور محرم کے دنوں میں تعزیہ اور ذوالجناح کے جلوس کے ساتھ ماتم کرتے تھے۔ وہ اقبال کو تفضیلی کہتے تھے۔ اس لئے کہ اقبال حضرت علی کے معتقد تھے۔ اقبال کے بچپنے کے استاد (شمس العلماء) سید میر حسن رضوی آٹھویں امام حضرت علی رضاؑ کی اولادوں میں تھے۔ وہ ممتاز عالم دین بھی تھے۔ اُن کی مذہبی تعلیم کے زیر اثر اقبال کی نظر میں وسعت اور خیالات میں ایک نیا عنصر وجود میں آیا۔ اقبال نہایت احترام و عظمت سے میر حسن کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

وہ شمع بارگہ خاندانِ مرتضوی   رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو

ایک اور جگہ کہتے ہیں ؎

مجھے اقبالؔ اس سید کے گھر سے فیض پہنچا ہے   پلے جو اس کے دامن میں وہی کچھ بن کے نکلے ہیں

شیخ اعجاز (مظلوم اقبال صفحہ ۱۳۲۔۱۳۳) میں لکھتے ہیں:

''اقبال کو عشق رسول کی بنا پر حضرت علیؑ سے محبت و عقیدت تھی۔ اس پر حضرت علیؑ کی ذاتی خوبیوں نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اس کے علاوہ مولانا میر حسن کے خاندان سے گہرے تعلقات اور دن رات ان کے ہاں اٹھنے بیٹھنے نے بھی حضرت علی کے ساتھ محبت کے تعلق کو اور زیادہ استوار

کیا۔ ان کے خاندان میں شیعیت کا اثر بھی تھا اور ان کے بیٹے سید محمد ذکی کی اہلیہ غالی شیعہ تھیں۔ محرم میں ان کے ہاں مجلسیں ہوتیں۔ ذوالجناح کا جلوس بھی نکلتا اور ذوالجناح ان کے ہاں لایا جاتا۔ مکان کی ڈیوڑھی میں خود دودھ میں بھگویا ہوا دانہ ذوالجناح کو کھلاتیں گلاب کے عرق سے اس کے سُم دھوئے جاتے تھے اور زور و شور سے ماتم کیا جاتا۔ ایک حساس نوجوان (اقبال) کے تحت الشعور میں (واقعات کربلا اور آلِ محمدؐ کے ظلم کی داستانیں سنتے سنتے مظلوم خاندان سے گہری عقیدت ہو جانا تعجب انگیز نہیں"۔

ہمارے پاس ٹھوس شہادتیں موجود ہیں کہ اقبالؔ، علامہ ہروی کی مجلسوں میں شرکت کرنے کے بعد ان سے قرآنی نکات اور امامت کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ علامہ ہروی کے بعد علامہ شیخ زنجانی سے بھی استفادہ کیا۔ غرضیکہ ان دونوں علمائے تبحر نے ان کے افکار کو جلا بخشی اور انہیں مودتِ آلِ رسولؐ کی طرف مائل کر دیا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ اقبالؔ لاہور کی مجلسوں میں ناظم لکھنوی (م: ۱۹۱۷ء) آغا شاعر قزلباش اور جلیل لکھنوی کی مرثیہ گوئی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

جب علامہ اقبالؔ کا انتقال ۱۹ صفر ۱۳۵۷ھ (۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء) کو ہوا تو اُردو کے مشہور ادیب، صحافی اور عالم دین خواجہ حسن نظامی نے اپنے ہفتہ وار اخبار "منادی" دہلی مورخہ ۲۹ر اپریل کے شمارہ میں ذیل کی خبر شائع کی تھی:

> میرے دوست اور فلسفیانہ شاعری کے آفتاب ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبالؔ نے جمعرات کے دن ۱۹ر صفر ۱۳۵۷ھ صبح صادق کے وقت اس دنیا سے کوچ فرمایا۔ وہ چونکہ محبِ اہل بیتؑ تھے اور تفضیلی عقاید رکھتے تھے، اس لئے قدرت نے ان کو چہلم سید الشہداء علیہ السلام سے ایک دن پہلے کی تاریخ عطا فرمائی"۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اقبالؔ شیعہ تھے اور اپنے کو سنی کہنے میں تقیہ کئے ہوئے تھے۔ راقم کو مشہور محقق اور نامور ادیب مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل صدر الافاضل مرحوم ("مطلع انوار صفحہ ۳۹۲) کے اس بیان سے بھی اتفاق نہیں ہے کہ" علامہ اقبال کی نماز جنازہ پنجاب کے عظیم المرتبت عالم و مجتہد شمس العلماء مولانا سید علی حائری (۱۸۷۶ء۔۱۹۴۱ء) نے پڑھائی

تھی"۔ ہوسکتا ہے کہ اقبال کی غائبانہ نماز جنازہ علامہ حائری نے بھی شیعہ برادری میں پڑھائی ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ علامہ اقبال اور ان کے جگری دوست سر نواب ذوالفقار علی خان اور سر شیخ عبدالقادر مولانا حائری کے ارادت مند تھے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ وہ آل محمدؐ کی عقیدت شدت سے رکھتے تھے اور محبت علیؑ میں زبردست تفضیلی تھے۔ ڈاکٹر اقبال کو لوگ تفضیلی اس لئے کہتے تھے کہ وہ بعد رسولؐ قرآن اور احادیث کی روشنی میں جناب علی مرتضیٰؑ کو تمام مخلوق میں افضل واکمل سمجھتے تھے۔

اقبال نے انتقال سے قبل ۱۹۳۷ء میں ایک وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔ ماہر اقبالیات پروفیسر رحیم بخش شاہین مرحوم (اوراق گم گشتہ صفحہ ۳۶۸) کے مطابق اقبال نے اس کے آخری جملے میں اپنے بیٹے جاوید اقبال پر زور دیا تھا کہ:

"انہیں آل رسولؐ اور ائمہ اہلبیتؑ سے تمسک رکھنا چاہئے"

میرے پاس مخزن لاہور، جلد ۳ نمبر ۲ بابت مئی ۱۹۰۲ء کا نادر الوجود شمارہ ہے۔ اس کے صفحہ ۴۸ تا ۵۰ میں اقبال کی ایک مسلسل نظم "خط منظوم" (پیغام بیعت کے جواب میں) ۴۰ شعر میں موجود ہے۔ نظم کی شان نزول یہ ہے کہ کسی نے اقبال کو مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت کرنے کی دعوت دی تھی۔ اقبال نے قادیانی بیعت ٹھکرا کر نظم کے آخری شعر میں واشگاف الفاظ میں اپنے عقیدے کا والہانہ اظہار کر کے لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ یہ شعر نظم کا ماحصل ہے۔

فیض اقبال ہے اسی در کا بندۂ شاہ لافتیؑ ہوں میں

ذیل کے اشعار بھی اسی زمانے کے یادگار ہیں۔

سنا ہے صورت سینا نجف میں بھی اے دل
کوئی مقام ہے غش کھا کے گرنے والوں کا

ہمیشہ ورد زباں ہے علیؑ کا نام اقبال
کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینہ سے

ہوں مرید خاندان خفتۂ خاک نجف
موج دریا آپ لے جائیگی ساحل پر مجھے

یہ شعر بھی قابل ذکر ہے۔

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال
یہ گناہ گار بوترابی ہے

اقبال حضرت علیؑ کو انسان کامل، نائب حق، یعنی خلیفۃ الٰہی من اللہ تسلیم کرتے تھے اور کھلم کھلا حضرت علیؑ سے زبردست عقیدت کا اظہار کرنے لگے۔ اقبال کے اس غیر معمولی والہانہ اقدام سے بعض منافقین اور تنگ نظر لوگوں میں اضطراب پھیل گیا۔ اور وہ یک زبان ہو کر اقبال کی

مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے۔ اقبال نے مارچ ۱۹۰۳ء میں انجمن حمایت اسلام کے اٹھارہویں اجلاس میں ایک حیرت انگیز اور طویل نظم بہت بڑے مجمع میں سنائی جس میں علی الاعلان متعصبین کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ جب مخالفین کا سیلاب سر سے گزرنے لگا اور صیہونی اور خارجی طاقتیں چاروں طرف امنڈ آئیں تو اقبال سے خاموش نہیں رہا گیا۔ یہ دیکھ کر ان کو صفین، جمل اور نہروان کی یاد آ گئی۔ ان لڑائیوں میں علی کو برا بھلا کہا گیا تھا۔

آخر کار قید خاموشی کی کڑیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور دل کے درد نے برملا کہنے پر مجبور کیا۔

دل میں جو کچھ ہے نہ لب پر اُسے لاؤں کیوں کر
جو چھپانے کی نہ ہو بات چھپاؤں کیوں کر

واعظوں میں یہ تکبر کہ الٰہی توبہ — اپنی ہر بات کو آواز خدا کہتے ہیں
لاکھ اقوام کو دنیا میں اجاڑا اس نے — یہ تعصب کو مگر گھر کا دیا کہتے ہیں
یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علی شیعوں کا — ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

دیکھئے کس لطیف اشارہ سے اقبال نے علی کے خلاف لڑنے والوں اور سب و شتم کہنے والوں کی ذہنیتوں کو طشت ازبام کیا جو حدیث لحمک لحمی کہنے والے کے حضور میں گستاخی کے مرتکب ہو گئے تھے۔

مقصد لحمک لحمی پہ کھلی ان کی زبان
یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی برا کہتے ہیں

اقبال کے ذیل کے شعر بھی قابل غور ہیں۔

تیرے پیاروں کا جو حال ہو اے شافع محشرؐ — میرے جیسے کو تو کیا، جا ہے کیا کہتے ہیں
بغض للہ کے پردے میں عداوت ذاتی
دین کی آڑ میں کیا کرتے ہیں کیا کہتے ہیں

اسی زمانے میں ایک نظم "آفتاب" کے عنوان سے 'مخزن' میں شائع ہوئی تھی۔ اس کی اشاعت سے مولویوں نے اقبال کو حکم کفر سے نوازا تھا۔ شاید اسی لئے اوپر کی طویل نظم "فریاد امت" آٹھ نو سال تک کہیں شائع نہ ہو سکی۔ نظم بانگ درا سے بھی خارج کر دی گئی۔ میرے پاس نظم کا پہلا ایڈیشن ہے جو غالباً ۱۹۱۳ میں چھپا تھا۔

۱۹۰۳ء میں ہی اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد (متوفی: ۱۹۴۰ء) جو اقبال کے کفیل تھے اور ایبٹ آباد ہزارہ میں سب ڈویژنل آفیسر ملٹری تھے کسی فوجداری مقدمہ میں ملوث ہو گئے

تھے۔ اقبال ان کی رہائی کے لئے بہت پریشان تھے۔ انہوں نے ایک نظم "برگ گل" کے عنوان سے لکھی جو 'مخزن' بابت ستمبر ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ نظم خواجہ حسن نظامی کے توسل سے خواجہ نظام الدین کی درگاہ دہلی میں نذر کے طور پر اویزاں کرائی گئی تھی۔ اس میں اقبال آیہ شفاعت کے تحت آل رسول کا واسطہ دیتے ہیں ؎

واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہراؑ کا میں　　　　غم میں کیونکر چھوڑ دیںگے شافع محشرؐ مجھے

رونے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں، میں

کیا دُر مقصد نہ دیں گے ساقی کوثرؑ مجھے

جب لوگوں نے اقبال کا قافیہ تنگ کرنا شروع کیا اور معترض ہوئے کہ وہ صرف علیؑ کے فضائل بیان کرنے میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں تو اس کے جواب میں اقبال نے اپنی صفائی یوں پیش کی ؎

بغض اصحاب ثلاثہ سے نہیں اقبال کو

دق مگر اک خارجی سے آ کے مولائی ہوا

مصرعہ ثانی میں خارجی اور مولائی کی نزاکت ملاحظہ ہو۔ اس سے صفین اور نہروان کی جنگیں یاد آتی ہیں۔ دریں اثنا لوگوں نے یہ بے پر کی اڑائی کہ اقبال شیعہ ہو گئے ہیں۔ خود اس کا ذکر اقبال نے بھی کیا ہے۔ ان کی ایک نظم "زہد و رندی" کے عنوان سے 'مخزن' لاہور میں ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ بانگ درا میں بھی موجود ہے۔ ذیل کا شعر قابل غور ہے ؎

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا

تفضیل علیؑ ہم نے سنی اس کی زبانی

اقبال حدیث رسولؐ کی روشنی میں ذکر علیؑ کرنا اپنے لئے عبادت سمجھتے تھے۔ ذکر علیؑ سے ان کی فکر ونظر میں جلا پیدا ہوتی تھی اور وہ روحانی مسرتوں سے ہمکنار ہوتے تھے۔ اقبال کا دستور تھا کہ وہ ہر روز عنفوان شباب میں نماز فجر کے بعد مراقبہ میں ایک مناجات بطور وظیفہ اللہ کی خوشنودی کے لئے پڑھا کرتے تھے جس میں امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں نہایت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ مدح سرائی ہوتی تھی۔ خدا مغفرت کرے شیخ عبدالقادر صاحب ایڈیٹر 'مخزن' کو۔ اگر وہ یہ مناجات بعنوان "سپاس جناب امیرؑ" 'مخزن' بابت جنوری ۱۹۰۵ (صفحہ ۴۷۔۴۸) میں شائع نہ کرتے تو اقبال کا یہ ادبی شاہکار نگاہ سے اوجھل ہو جاتا۔ 'مخزن' کا یہ شمارہ عنقا ہو گیا ہے۔ لیکن میرے پاس موجود ہے۔ نظم سے پہلے ایڈیٹر صاحب کا یہ تمہیدی نوٹ قابل ذکر ہے:۔

"سپاس جناب امیر"

"ذیل کی نظم درج کر کے آج ہم ان احباب کے تقاضوں سے سبکدوش
ہوتے ہیں جو پروفیسر اقبال صاحب کے فارسی کلام کے لئے اکثر دفعہ
بے حد اشتیاق ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فارسی نظمیں عموماً 'مخزن' میں درج
نہیں ہوتیں۔ تاہم احباب کے اصرار سے ہم اسے ہدیہ ناظرین کرتے
ہیں۔ یہی نظم باظہار عقیدت شیخ صاحب صبح کے وقت پڑھا کرتے ہیں"

اقبال کا عقیدہ تھا کہ انہوں نے علیؑ کی معرفت سے ہی خدا اور رسولؐ کو پہچانا تھا۔ ان کے نزدیک پورا قرآن مجید علیؑ کی سیرت اور عمل صالح کی تفسیر ہے۔ یعنی قرآن صامت اور علیؑ قرآن ناطق ہیں۔ پوری نظم کتاب میں شامل کی گئی ہے۔ چند شعر نمونے کے لئے درج کئے جاتے ہیں ۔

اے باب مدینۂ محبت — اے نوح سفینۂ محبت
اے ماحی نقش باطل من — اے فاتح خیبر دل من
اے سرِّ خط وجوب و امکاں — تفسیر تو سورہائے قرآں
اے سرِّ نبوت محمدؐ — اے وصف تو مدحت محمدؐ

اقبال علیؑ کی محبت میں نصیری کی طرح مست اور سرشار تھے۔ کہتے ہیں ۔

ہشیارم و مست بادۂ تو — چوں سایہ ز پا فتادۂ تو
از ہوش شدم مگر بہوشم — گوئی کہ نصیریٔ خموشم
از جلوۂ علم بے نیازم
سوزم گریم تپم گدازم

انہی دنوں پنجاب اور اس کے گردونواح میں علامہ شیخ عبدالعلی ہروی کی جادو بیانی سے لوگ مستفید ہو رہے تھے۔ ان کی مجلسیں فارسی میں ہوتی تھیں۔ ابتداء میں مشہور و معروف وکیل اور دانشور خواجہ غلام الثقلین (متوفی ۱۹۱۵ء) منبر کے پاس کھڑے ہو کر علامہ کی مجلسوں کا ترجمہ اُردو میں کرتے تھے۔ بعد میں یہ کام پروفیسر محمد سبطین ایڈیٹر 'البرہان' انجام دینے لگے۔ اقبال سر فتح علی خان قزلباش کے ساتھ علامہ ہروی کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ ہمارے پاس اس بات کی شہادتیں موجود ہیں کہ اقبال علامہ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآنی نکات پر تبادلۂ خیال کرتے تھے اور علامہ موصوف بھی اقبال کے پاس جاتے تھے۔ علامہ ہروی تقریباً ۲۰ سال تک لاہور میں مقیم رہے۔ اس مدت دراز میں ہر سال ایام محرم میں آیۂ امامت "یَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ اُنَاسٍ

بِاَلَمَا بِہِمْ" کے موضوع پر بصیرت افروز بیانات فرماتے تھے۔ایک مرتبہ اقبال نے علامہ سے درخواست کی کہ وہ نصِ قرآن سے مسئلہ امامت انہیں سمجھا دیں۔اس زمانے میں اقبال اپنی مشہور تصنیف "اسرار خودی (مطبوعہ ۱۹۱۵ء) ترتیب دے رہے تھے۔سرکار علامہ نے اقبال سے چار آیتیں بیان کیں اور وہ مطمئن ہو گئے اور ان کی تشنگی دور ہو گئی۔اقبال نے اس بارے میں جو خط ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ وزیر اعظم دکن کو لکھا تھا اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

علامہ ہروی عالم متبحر ہیں۔مذہباً شیعہ ہیں۔جو کچھ فرماتے ہیں وہ قرآن سے ثابت کرتے ہیں۔ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔

اس زمانے میں یہ خبر ہندوستان کے طول وعرض میں گشت کر رہی تھی کہ اقبال شیعہ ہو گئے ہیں۔چنانچہ خود اقبال نے بھی اس واقعہ سے اکبر الہ آبادی کو مطلع کیا تھا۔اس کا ذکر اکبر نے بھی خواجہ حسن نظامی صاحب کے نام اپنے خط مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۱۶ کو درج ذیل الفاظ میں کیا تھا:

> "اقبال صاحب نے مجھ کو خط میں لکھا ہے کہ مسئلہ امامت کو انہوں نے قبول کیا۔لیکن یہ اقرار نہیں کیا کہ میں شیعہ ہو گیا"

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اقبال، علامہ گرامی اور اکبر الہ آبادی کو بہت مانتے تھے اور یہ دونوں حضرات امامت کے قائل تھے۔اس کے وافر ثبوت ہمارے پاس موجود ہیں۔جب اقبال کے شیعہ ہونے کی خبر اڑ گئی تھی تو اکبر الہ آبادی نے خواجہ حسن نظامی کے نام ایک خط مورخہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۶ کو یہ بھی لکھا تھا کہ:

> كَمَا صَلَّيْتَ عَلىٰ اِبْرٰهِيمَ وَعَلىٰ آلِ اِبراهيم ......الخ۔اسی سے امامت بارہ اماموں کی ثابت ہے اور میں تو لکھنو جاتا ہوں تو شیعہ مجتہدوں کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔کیونکہ عادت پڑی ہے۔اس میں کچھ ہرج بھی نہیں......خلفائے ثلاثہ کو دنیوی بادشاہی حاصل تھی۔روحانی سلطنت بارہ اماموں کو تھی [۲]

غرضیکہ اقبال نے علامہ ہروی کے بارے میں وزیر اعظم دکن شادؔ حیدر آبادی کے علاوہ اکبر الہ آبادی، خواجہ حسن نظامی اور سر علی امام کو بھی لکھا تھا۔ہمیں اس بات پر افسوس ہو رہا ہے کہ اقبال نے قبول امامت کے مسئلے پر جو خطوط اور لوگوں کے لکھے تھے۔وہ اب نہیں مل رہے ہیں۔خواجہ حسن نظامی صاحب نے اکبر کے کچھ خطوط ایک کتابی صورت میں "خطوط اکبر بنام حسن

نظامی" کے نام سے دہلی میں ۱۹۲۲ میں شائع کیے تھے۔ کتاب میں اقبالؒ کی امامت کے بارے میں اکبر کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔ خواجہ صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں اعتراف کیا ہے کہ ان کے پاس اسرار خودی کی اشاعت کے بعد اقبال کے جو خطوط موجود تھے وہ تلف کر دیئے گئے ہیں۔ اگر وہ خطوط موجود ہوتے تو اقبالیات میں اہم اضافہ ہو جاتا۔ بہر حال، علامہ ہروی نے اقبال کے افکار میں ایسی تبدیلی پیدا کی جس کا انکشاف اکبر کو بھی کرنا پڑا۔ افسوس خواجہ صاحب کی یہ کتاب بھی ناپید ہو گئی ہے۔

علامہ ہروی کے زیر اثر اقبال نے دل کی گہرائیوں سے آل محمدؐ۔ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کی بارگاہ اقدس میں گلہائے عقیدت پیش کر کے حق گوئی و بے باکی کا اظہار کیا۔ انہی کے طفیل سے کلام اقبال دنیا میں گونجتا رہے گا۔ ہم نے اس طرح کے بھی اشعار کتاب میں شامل کیے ہیں۔ یہاں بھی کچھ شعر درج کرتے ہیں ؎

نائب حق ہمچو جان عالم است   ہستی او ظل اسم اعظم است
از رموز جزو کل آگہ بود   در جہاں قائم بامر اللہ بود
پختہ سازد فطرت ہر خام را   از حرم بیروں کند اصنام را
مسلم اول شہ مرداں علی   عشق را سرمایۂ ایماں علی
از رخ او فال پیغمبرؐ گرفت   ملت حق از شکوہش فر گرفت

ہر کہ در آفاق گردد بوترابؑ
باز گرداند ز مغرب آفتاب

جناب فاطمۃ الزہراؑ اور حسینؑ علیہم السلام کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز   از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
نور چشم رحمۃ للعالمین   آں امام اولین و آخرین
بانوئے آں تاجدار ہل اتیٰ   مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
مادر آن مرکز پرکار عشق   مادر آں کارواں سالار عشق
آں یکے شمع شبستان حرم   حافظ جمعیت خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار و کیں   پشت پا زد بر سر تاج و نگیں

اشک او برچید جبریلؑ از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں

آن امام عاشقاں پور بتولؑ   سرو آزادے ز بستان رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر   معنی ذبح عظیم آمد پسر
بہر آں شہزادۂ خیر الملل   دوش ختم المرسلین نعم الجمل

رمز قرآن از حسینؑ آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

علامہ اقبال دنیائے اسلام میں وہ اولین دانشور اور عظیم فلسفی شاعر ہیں جنہوں نے اہلبیت رسالت کی تعلیمات اور عمل صالح کو چار دانگ عالم میں پھیلا کر مسلمانوں کو حریت آزادی کے جذبے سے سرشار کیا۔ پروفیسر مرتضیٰ مطہری نے اقبال کی شاعری کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کر کے انہیں ممتاز اسلامی شعراء کمیت اسدی، حسان بن ثابت انصاری اور دعبل بن علی خزاعی کی صف میں شامل کیا۔ علامہ مطہری لکھتے ہیں:

> ''علامہ اقبال گرچہ رسمی طور پر سنی المذہب تھے لیکن وہ اہلبیتؑ سے خاص محبت رکھتے تھے۔ وہ اشعار جو انہوں نے فارسی میں اہلبیتؑ کی شان میں لکھے ہیں، گمان نہیں کرتا ہوں کہ کسی شیعہ شاعر نے ایسے اشعار اہلبیتؑ کی مدح میں لکھے ہوں''

علامہ ہروی صاحب قبلہ (۱۹۲۲ء) کے انتقال کے بعد ڈاکٹر اقبال نے آیت اللہ میرزا عبدالکریم زنجانی سے بھی استفادہ کیا تھا۔ موصوف غالباً ۱۹۲۷ء کے بعد لاہور آئے اور یہاں نواب فتح علی خان قزلباش مرحوم کے صاحبزادے نواب نثار علی خان کے پاس قیام پذیر ہوئے۔ اور یہیں ڈاکٹر اقبال سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ اگر اقبال میں علامہ ہروی کے بعد کوئی تشنگی باقی رہ گئی تھی تو وہ علامہ زنجانی سے دور ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے چند دوستوں نے شیخ زنجانی سے ایک مجلس میں سوال کیا کہ وحی اور الہام میں جو فرق ہے اُسے قرآن سے ثابت کریں۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ بارہویں امام مہدیؑ آخر الزمان کے ظہور کا کوئی وقت معین ہے کہ نہیں؟ علامہ نے فی البدیہہ دونوں سوالوں کے جواب مسلسل تین گھنٹے تک دیئے۔ لاہور کے ایک دانش ور اور اقبال کے دوست سید حسن جعفری علامہ زنجانی کی تقریر قلمبند کرنے کے لئے مامور کیے گئے تھے۔ انہی دنوں دسمبر ۱۹۲۸ء میں اقبال نے جو لیکچر مدراس میں دیئے تھے وہ علامہ زنجانی کی اسی مجلس سے استفادہ کر کے مرتب کیے گئے تھے۔ ان لیکچروں کے بارے میں منشی دیا نرائن نگم اپنے مشہور و معروف رسالہ ''زمانہ'' کانپور جلد ۵۲ نمبر ۲ بابت فروری ۱۹۲۹ (صفحہ ۱۲۷) میں لکھتے ہیں:

ڈاکٹر سر اقبال نے مدراس میں مندرجہ ذیل عنوانات پر خطبے دیئے تھے۔

(۱) علم اور وحی والہام (۲) وحی اور الہام کی تصدیقات کا فلسفیانہ معیار (۳) ذات خدا کا اسلامی تصور اور دعا کا مفہوم۔

علامہ زنجانی کے یہ دونوں گرانقدر مضامین سید حسن جعفری کے ترجمہ کے ساتھ لاہور میں ۱۹۳۵ء میں "وحی والہام اور برہان امامت" کے نام سے کتابی صورت میں چھپے تھے۔ کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ شبلی نعمانی ؒ لکھنؤ میں موجود ہے۔ اسی نسخے کا عکس اب مقدمہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ علامہ زنجانی کی کتاب کے سرورق کے بعد سوال کرنے والے "ڈاکٹر سر محمد اقبال" کا نام نمایاں طور پر درج ہے۔

غرضیکہ اقبال بارہ اماموں کے قائل ہو چکے تھے اور وہ انہی کو اولی الامر منکم قرار دیتے تھے۔ بارہویں امام کے بارے میں ان کا قول تھا۔

مجھ کو انکار نہیں آمد مہدی سے مگر غیر ممکن ہے کوئی مثل ہو پیدا تیرا
دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار

یہ بات اقبالیات کے لئے ایک المیہ سے کچھ کم نہیں کہ اقبال کے سوانح نگاروں اور شارحوں نے حقیقت پسندی اور رواداری کے اصولوں کو نظر انداز کیا ہے۔ انہوں نے ان دونوں جلیل القدر علماء اور مفسرین قرآن یعنی علامہ ہروی اور علامہ زنجانی کا کہیں نام تک نہیں لیا جنہوں نے اپنی ضیا پاشیوں سے فکر اقبال کو توانائی اور روشنی بخشی تھی۔ راقم حروف نے مشہور ماہر اقبالیات محمد عبداللہ قریشی کو اس فراموشی کے لئے متوجہ کیا تھا۔ انہوں نے میرے ساتھ اتفاق کیا اور وعدہ فرمایا کہ وہ اپنی زیر نظر کتاب "اقبال بنام شاد" میں ہروی صاحب کا ذکر ضرور کریں گے۔ جب ان کی کتاب شائع ہوئی اور اس کا ایک نسخہ مجھے اپنے دستخط خاص سے بھیجا تو علامہ موصوف کا ذکر حسب وعدہ فرمایا تھا۔

اسی طرح شارحین اقبال نے بھی کلام اقبال کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اقبال کے اکثر و بیشتر اشعار جن میں آل رسولؐ کی مدحت و توصیف کی گئی تھی ان کی وضاحت کرنے سے گریز کیا۔ بخوف طوالت ذیل میں معدودے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

ہر کہ تسخیر مہ و پرویں کند خویش را زنجیری آئین کند
باد را زندان گل خوشبو کند قید بُو را نافۂ آہو کند

شکوہ سنج تخت آئین مشو | از حدود مصطفیٰ بیروں مرو
تا عصائے لا الہ داری بدست | ہر طلسم خوف را خواہی شکست
صد جہاں مشل جہان جزو کل | روید از کشتِ خیال او چو گل
پختہ سازد فطرت ہر خام را | از حرم بیروں کند اصنام را
آدمی را احترام آدمی | باخبر شو از مقام آدمی
قوتِ ایماں حیات افزایدت | وردِ لا خوف علیہم بایدت

چوں کلیمے سوئے فرعونے رود
قلب او از لاتخف محکم شود

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہے اسمٰعیلؑ

یہ ایسے اشعار ہیں جن میں سے ہر شعر پر تاریخ امتِ مرحومہ کا ایک ایک دفتر لکھا جاسکتا ہے۔

اقبال کا مطالعہ لامحدود تھا۔ انہوں نے اوائل عمر سے ہی اسلامی لٹریچر کا بغائر نظر مطالعہ کیا تھا۔ اسلامی تعلیمات میں جن لوگوں سے انہوں نے استفادہ کیا تھا، ان میں سے کچھ نام یہ ہیں:

(۱) خواجہ نظام الدین اولیا، (۲) خواجہ چشتی (۳) مولانا روی (۴) سید علی ہمدانی (۶) داتا گنج بخش (۷) حکیم سنائی (۸) شاہ بو علی قلندر (۹) امیر خسرو (۱۰) خواجہ فرید الدین عطار (۱۱) شمس تبریزی (۱۲) شیخ سعدی (۱۳) حافظ شیرازی (۱۴) مولانا جامی (۱۵) شاہ نعمت اللہ ولی (۱۶) مرزا صائب (۱۷) غالبؔ (۱۸) خواجہ مستان کابلی (۱۹) مولانا گرامی (۲۰) جوش ملیح آبادی۔ جوش کو چھوڑ کر یہ حضرات علمائے تبحر اور صاحبانِ تصانیف ہیں۔ انہیں بزرگانِ دین ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ ان کا حقفہ علیہ فیصلہ ہے کہ علم تصوف میں علی ابن ابی طالب کو وہ مقام حاصل ہے جس کی دنیائے اسلام میں کوئی مثال نہیں ملتی اور اس میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ تمام صوفیا انہیں ابو الائمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات علی کو جانشین رسولؐ، وصی، ولی، امام، امیر المومنین، قرآن ناطق اور اول و آخر کے القاب سے یاد کر کے انہیں بعدِ رسول تمام مخلوق میں افضل تسلیم کرتے ہیں۔

(۱) **نظام الدین اولیاء**: حضرت نظام الدین اولیا (م۔ ۷۲۵ھ) ہندوستان کے برگزیدہ صوفیوں میں ہیں۔ ان کے سالانہ عرس کے موقعہ پر ہزاروں عقیدت مند ان کے مزار پر آکر حاضری دیتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال بھی کئی مرتبہ ان کے آستانِ عالیہ کی زیارت سے فیضیاب

ہوئے تھے۔ میرے سامنے نظام الدین اولیاء کی ایک نظم ہے جس میں چہاردہ معصومینؑ کی مدح و منقبت کی گئی ہے۔ امام مہدیؑ کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

مراد مرکز عالم محمدؐ حجت القائم
بامر حق شود ظاہر کہ ختم اولیا باشد

اس کے بعد لکھتے ہیں ؎

نظام الدین حیا دارد کہ گویم بندۂ شاہم
ولیکن قنبر اورا کمینہ یک گدا باشد

حضرت نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ معراج کی رات رسولؐ کو دربار الٰہی سے خرقۂ فقر عطا کیا گیا۔ اور ہدایت کی گئی کہ جو اس کا اہل ہو اسی کو دیا جائے۔ رسول اللہؐ جب واپس تشریف لائے تو ایک ایک کر کے چاروں برگزیدہ صحابیوں سے پوچھا کہ اگر یہ خرقہ آپ کو عطا کیا جائے تو آپ اس کی حق ادائی کے طور پر کیا کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ" میں سچائی پر چلونگا، جہاد اور عبادت کرونگا"۔ حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ" اگر یہ خرقہ مجھ کو ملے، تو میں عدل و انصاف قائم کروں گا"۔ حضرت عثمانؓ سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ" میں انفاق، سخاوت اور جہاد کروں گا"۔ حضرت علیؑ سے پوچھا تو انہوں نے کہا" اگر یہ خرقہ مجھ کو عنایت ہو، تو میں پردہ پوشی کروں گا اور خدا تعالیٰ کے بندوں کے عیبوں پر پردہ ڈالوں گا" رسول اللہؐ نے یہ جواب سن کر حضرت علیؑ کو خرقہ عطا کیا اور فرمایا!۔

" مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا تھا کہ جو بھی یہ جواب دے گا خرقہ اسی کو عطا کرنا"۔

(۲) **حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ**: داراشکوہ اپنی کتاب "سفینۃ الاولیاء" (ص ۹۳) میں لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب بجستان میں ۵۳۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ خراسان میں پروان چڑھے۔ ان کے والد گرامی خواجہ غیاث الدین حسن سادات حسینیؑ سے نسبت رکھتے تھے۔ سمرقند اور بخارا آ کر حفظ قرآن اور کسب علوم سے بہرہ مند ہوئے۔ پھر لاہور گئے اور وہاں شیخ ہجویری کے مزار کی زیارت کر کے دہلی آئے۔ آخر کار ۶۳۳ ھ میں سو سال سے زائد عمر پا کر انتقال کیا۔ بادشاہ شاہ جہاں خواجہ صاحب کے عقیدت مندوں میں تھے۔ داراشکوہ اجمیر میں ہی ۱۰۲۴ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب کے مزار کے باہری دروازے کی دیوار پر ذیل کی رباعی موجود ہے۔ ہمارے دوست علی محمد نقی نے یہ اپریل ۱۹۹۷ء میں دیکھی تھی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب کی قبر پر جو سبز مخمل کی چادر چڑھائی گئی تھی اس پر محمدؐ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ اور

حسینؑ کے نام لکھے گئے تھے۔

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ	دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سرداد، نہ داد دست دردست یزید	حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

خواجہ صاحب کی آلِ محمدؐ کی تعریف میں کئی منقبتیں یادگار ہیں۔ذیل میں چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

مدح علیؑ نہ گنجد در شرح شب و روز	صد چوں کمال گوید صد سال از کمالش
خاک نجف کہ خواہد خلد بریں بدیدہ	آفاق شد معطر از نکہت شمالش
آں راکہ دیدہ روشن از مہر ہشت و چاراست	یک ذرہ غم نہ باشد از طعن بد سگالش
در دہر ہیچ کحلے چوں خاک کربلا نیست	اے دل بہ بوس آنکہ در چشم من بمالش
من قبلۂ ندارم جز کعبۂ خراساں	من کعبۂ ندارم جز قبلۂ جمالش

شاہ غریب و تنگیں یعنی معین مسکیں
کم تر سگ در شت افگن نظر بہ حالش

(۳) **مولانا رومیؒ** (۶۰۴ھ۔۶۷۲ھ)۔ایران کے سب سے بڑے صوفی شاعر ہیں۔ان کی مثنوی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "ہست قرآں در زبانِ پہلوی"۔ مولانا آلِ رسولؐ کے مخلص مداحوں میں تھے۔انہوں نے مولائے کائنات کے بارے میں ایسے اہم واقعات مثنوی میں بیان کئے ہیں جو تاریخ اسلام سے غائب ہیں۔احمد افلاکی (م۔۷۶۰ھ) نے علیؑ کے حسن اخلاق اور عمل صالح کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو ڈاکٹر محمد ریاض کی کتاب "سید علی ہمدانی" (۲۶۰) میں درج ہے۔ذیل میں اس کا اُردو مفہوم درج کیا جاتا ہے!۔

> "ایک روز اسد اللہ الغالب علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ مسجد نبوی میں نماز فجر پڑھنے جا رہے تھے۔ان کے آگے آگے ایک پیر مرد یہودی جا رہا تھا۔علیؑ نے اس ضعیف سے آگے بڑھنا مناسب نہیں سمجھا۔جب قدرے تاخیر سے مسجد میں پہنچے تو رسولؐ برحق رکعت اول کے رکوع میں تھے۔اسی حالت میں اللہ کی طرف جبرئیل امین حکم لے کر نازل ہوئے اور رکوع میں توقف کرنے کے لئے رسولؐ کی پشت پر ہاتھ رکھا تا کہ علیؑ رکعت اول کے ثواب سے محروم نہ رہیں"

ذیل میں مولانا رومی کی ایک نظم درج کی جاتی ہے جو بارہ اماموں کی تعریف میں ہے۔

دلم کز جاں غلام میر دیں است — خدا وندے کہ رب العالمیں است

محمدؐ بہترین ہردو عالم — حبیبؐ اولین و آخرین است

علی مرتضیٰ شاہ سر افراز — امام برحق و سالار دین است

حسنؑ سر نبوت پاک معصوم — حسینؑ اندر ولایت چوں نگیں است

علی زین العبادؑ است پاک طینت — مرا صدر امامان گزین است

شناسم باقرؑ و جعفرؑ بہ تحقیق — پس آنگہ موسیٰ کاظمؑ یقین است

علی موسیٰ رضا ہشتم امام است — محمدؐ کو تقی رابس معین است

علی را با تقیؑ دانم بہر حال — حسنؑ راعسکریؑ خوانم یقین است

امام مہدیؑ آید ہم بہ دوراں — کمینہ چاکرش روح الامین است

کشد دجال را با" دابۃ الارض" — دراں دم فتح کارے مومنین است

ہزاراں لعنت دارد اورا — بر آن کس کو خلاف راہ دین است

سخن ہائے ز مدح شاہ بشنو — کہ آں بہتر ز دریائے ثمین است

نماند باطلاں رائج فرے — ضیاء بر اہلبیتؑ طاہرین است

ہر آں کس را کہ مہر اہل بیت است — ورا نور ولایت بر جبین است

غلام حیدرؑ است ملائے رومیؔ

ہمیں است و ہمیں است و ہمین است

(۴) **حلاج**: حسین بن منصور حلاج (۸۵۷۔۹۲۲ عیسوی)۔ اپنے وقت کے عالم متبحر اور عظیم موحد تھے۔ بعض علماء نے صوفی کامل اور بعض نے ساحر اور جادوگر قرار دیا۔ مشہور بزرگ صوفی شیخ مخدوم علامہ ہجویری (م ۴۶۵ھ) حلاج کے زبردست طرفداروں اور حامیوں میں تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں حلاج کو ایک عالم جید اور کثیر التصانیف مُصنف لکھا ہے۔ موصوف کی نظر سے حلاج کی پچاس تصانیف گزری تھیں۔ ہجویری نے ان کا تذکرہ اپنی کتاب میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"حلاج راتصانیف بسیار است و رموز کلام مہذب اندر اصول وفروع۔ ومن کہ علی بن عثمان الجلابی پنجاہ پارۂ تصانیف وے دیدم۔ اندر بغداد و نواحی آں۔ و بعضے نجوزستان و فارس و خراسان جملہ سخنانی یافتم۔ و حسین (حلاج) تا بود، اندر اصلاح بود۔ از نماز ہائے نیکو و ذکر

ومناجاتہائے بسیار۔ وروزہائے پیوستہ وتحمید ہائے مہذب واندر توحید
نکتہائے لطیف۔ اگر افعال از سحر بوذے، این جملہ از وے محال بودے۔
پس درست شد کہ کرامات بود وکرامات بجز ولی محقق را نبوذ"

حلاج کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے "انا لحق" (میں خدا ہوں) کا نعرہ بلند کیا تھا، جس کے پاداش میں حامد بن عباس وزیر المقتدر خلیفۂ عباسی نے ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے گئے۔ لاش نذر آتش کر دی گئی اور راکھ دریا میں ڈالی گئی۔ کسی نے نماز جنازہ تک نہیں پڑھی تھی۔

ہجویری کہتے ہیں کہ انہوں نے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں ملحدوں کی ایک ایسی جماعت دیکھی جو حلاج کی پیروی کا اس طرح غلو کرتی تھی جیسے کہ رافضی حضرت علی کی ولایت کا کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ حلاج اور ان کے پیروکار علی ابن ابی طالب کی محبت میں سرشار تھے۔ ہجویری کے الفاظ یہ ہیں:

"من گروہے را دیدم از ملاحدہ بہ بغداد و نواحی آں کہ دعوے اقتداء
بدو داشتند۔ وکلام وے را حجت زندقۂ خود گردانید بودند۔ واسم حلاجی
برخود نہادہ واندر امر وے غلوی کردند چوں روافضہ اندر تولی حضرت علی
کرم اللہ وجہہ"

دراصل حلاج امام مہدی آخر الزمان علیہ اسلام کے ظہور کی تبلیغ بغداد اور اس کے اطراف واکناف میں شد و مد سے کر رہے تھے۔ وہ آل رسول کی محبت میں دیوانہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے متعدد قرآنی آیات کا ذکر اپنے دیوان میں کیا جو علیؑ کی شان میں نازل ہوئی تھیں۔ وہ علیؑ کو نفس رسولؐ سمجھتے تھے۔ انہیں احادیث رسولؐ کے آئینے میں علیؑ کی ذات میں آدمؑ کی خلافت، ابراہیمؑ کی خلت، نوحؑ کا تقویٰ، موسیٰؑ کا دبدبہ اور عیسیٰؑ کی پرہیزگاری نظر آتی تھی۔ دیوان منصور حلاج (مرتبہ آقائے ولی اللہ یوسفیہ صفحہ ۲۲) میں لکھا ہے کہ چونکہ حلاج لوگوں میں یہ وعظ و تبلیغ کر رہے تھے کہ امام مہدیؑ عنقریب ظہور فرمائیں گے اس لئے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مرتب دیوان کے الفاظ یہ ہیں:

"در کتاب سمعانی ؒ وکتاب معتبر سنجری کہ در زمان شمس المعالی تالیف یافتہ
نوشتہ شدہ است کہ حسین منصور حلاج مردم را با امام مہدیؑ دعوت می کرد و بہ
مردم می گفت کہ عنقریب از طالقان دیلم بیرون خواہد آمد، بنا بر ایں اورا

گرفتہ بہ بغداد بردند و مواخذہ نمودند۔ ازایں بیان معلوم می شود کہ گناہ حسین منصور انتساب بہ مذہب امامیہ و اعتقاد بوجود مہدی علیہ السلام و دعوت مردم بنصرت آں حضرت وشورانیدن مردم بر خلفائے عباسی بود، کفر وزندقہ را بہانہ ساختند"

بغداد کے تنگ نظر اور متعصب علماء نے حسین بن منصور کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ انہوں نے لالچی اور جھوٹے گواہوں کی مدد سے حلاج کے خلاف قتل کا محضر نامہ تیار کیا۔ خود حلاج کے قول کے مطابق ان کے خلاف وہی حربہ استعمال کیا گیا۔ جو روز عاشورا میدان کربلا میں حسین ابن علی کے ساتھ کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں ۔

من حسینِ وقت و نا اہلان یزید و شمرِ من روزگارم جملہ عاشورا و منزل کربلا

دیوان منصور حلاج میں مولائے کائنات علی ابن ابی طالب اور اہلبیت رسالت کی محبت و ولایت میں متعدد اشعار موجود ہیں۔ ذیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

گر آرزوئے شاہی ملک رضا کنی پیوستہ باش بندۂ درگاہ مرتضیٰ
داماد مصطفائے معلّی علی کہ ہست خاک درش زروئے شرف کعبۂ علا
آدم خلافت ست و براہیم خلت است چوں نوح حق است ہم از قول مصطفا
گرز انکہ نص نَفْسَکَ نَفْسِی شنیدۂ آنجا کہ گفت اَنْفُسَنا حضرت خدا
اورا ولایتے است بہ تخصیص از خدا کانرا بیاں ہمی کند از دہ بِاَنَّمَا
بر تارک جلال تو تاج العمرک است بر قد کبریائے تو دیباج لافتیٰ

گرچہ یگانہ و ترانیست ثانی
ثانی تست حضرت عزت بہ ہل اتیٰ

اُردو کے تین بڑے شاعر اقبال، غالب اور میر منصور کی تعلیمات سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ اقبال نے اپنی ایک تصنیف " تاریخ تصوف " میں حلاج کا ایک باب شامل کیا جس میں ان کے حالات اور ایک تصنیف " کتاب الطواسین " پر روشنی ڈالی ہے۔ موصوف حلاج کے کردار اور عمل صالح سے اس قدر متاثر تھے کہ کم و بیش اپنی ہر کتاب میں ان کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے۔ مثال میں " جاوید نامہ " کا شاہکار پیش کیا جا سکتا ہے۔ اقبال نے غالباً سب سے پہلے منصور کا تذکرہ ایک فارسی نظم " سپاس جناب امیرؑ " (مطبوعہ جنوری ۱۹۰۵ء) میں حضرت علی کی عقیدت میں اس طرح کیا ہے۔

ہر ذرہ درگہت چو منصور
در جوش ترانہ انا الطور

ایک اور جگہ لکھتے ہیں ۔

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آش
حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مرد قلندر نے کیا راز خودی فاش

ذیل کا شعر بھی قابل ذکر ہے ۔

رقابت علم و عرفان کی غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

غالب کہتے ہیں ۔

ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست
خود را بخاک رہ گزر حیدرؓ فگنم
منصور فرقۂ علی اللہیاں منم
آوازہ انا اسداللہ در افگنم

یعنی زمانے میں مجھ سے زیادہ قیمتی سرمایہ کوئی نہیں ہے تو میں اپنے تئیں راہ حیدر کرار میں گرائے دیتا ہوں ۔ میں علی الہیوں "نصیروں" کا منصور ہوں ۔ جب ہی تو "انا الحق" کی بجائے "اسداللہ" کا نعرہ بلند کرتا ہوں ۔

میر کا بھی یہ شعر قابل توجہ ہے

یہ منصور کا خون ناحق کہ حق تھا
قیامت کو بکس بکس کا خوں دار ہوگا

(۵) سید علی ہمدانی ،شاہ ہمدان (متوفی ۷۸۶ھ)

سید علی ہمدانی کا شمار جلیل القدر بزرگان دین میں ہوتا ہے ۔ وہ صوفی کامل ، مستند عالم اور کثیر التعداد کتابوں کے مصنف تھے ۔ ان میں دو کتابیں "**المودۃ فی القربیٰ و اھل العبا**" اور "**السبعین فی فضائل امیر المؤمنین**" قابل ذکر ہیں ۔ پہلی کتاب میں چہاردہ معصومینؑ اور دوسری میں امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل (احادیث رسولؐ) درج کئے گئے ہیں ۔ دونوں کتابیں شیخ سلیمان قندوزی حنفی نقشبندی (۱۲۲۰۔۱۲۹۴ھ) نے "**ینابیع المودۃ**" کے نام سے اپنے مقدمہ کے ساتھ عربی متن میں مرتب کیں اور پھر یہ کتاب استنبول ، بیروت ، نجف ، بمبئی ، مشہد اور تہران وغیرہ وغیرہ میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر بہت مقبول ہوتی رہی ہے ۔ ینابیع کا فارسی ترجمہ ایران میں "**مفاتیح المحبۃ**" کے نام سے ۱۳۱۲ میں اشاعت پذیر ہوا ۔ تفصیلات کے لئے "میر سید علی ہمدانی" مرتبہ ڈاکٹر محمد ریاض دیکھی جا سکتی ہے ۔

مولانا جامی نے سید علی ہمدانی کے علمی تبحر کا تفصیلی ذکر "نفحات الانس" میں کیا ہے۔ شہزادہ دارا شکوہ لکھتے ہیں:

"امیر سید علی ہمدانی سہ نوبت ربع مسکون را سیر کردہ اند و صحبت ہزار و چہار صد ولی را دریافتہ و چہار صد ولی در یک مجلس دیدہ اند و ابتدائے اسلام در کشمیر بہ برکت مقدم شریف ایشان است و امروز خانقاہ ایشان در کشمیر موجود است"

علامہ اقبال، شاہ ہمدان کے علوم و فنون سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔ ان کی ایک طویل نظم "جاوید نامہ" میں بعنوان "زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی" موجود ہے۔ اس کے چند شعر ملاحظہ فرمائیے:-

سید السادات، سالار عجم — دست او معمار تقدیر اُمم
تا غزالی درس اللہ ہو گرفت — ذکر و فکر از دودمان او گرفت
مرشد آں کشور مینو نظیر — میر و درویش و سلاطین را مشیر
آفرید آں مرد ایران صغیر — باہنر ہائے غریب و دلپذیر

یک نگاہ او کشاید صد گرہ
خیز و تیرش را بدل راہے بدہ

ہمارے بزرگ دوست مرحوم مولانا سید محمد ہمدانی کشمیری نے "مودۃ القربیٰ" کا عربی متن مع اُردو ترجمہ "عروۃ الوثقیٰ" کے نام سے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا۔ کتاب ۲۵۴ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ کے حوالے سے کئی حدیثیں درج ہیں۔ ذیل میں صفحہ ۹۳ سے ایک روایت تبرکاً نقل کی جاتی ہے:

"حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسولُ اللہ نے کہ اگر تمام دریا سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام جن حساب کرنے والے ہو جائیں، تب بھی اے ابوالحسنؑ (علیؑ) آپ کے فضائل بیان کرنے سے قاصر رہیں گے"

دوسری کتاب میں ستر نادر و نایاب احادیث عربی متن درج ہیں۔ اس کا ایک نسخہ (قلمی) کتب خانہ گنج بخش لاہور میں موجود ہے۔ پورا رسالہ حضرت علیؑ کے فضائل پر مشتمل ہے۔

سید علی ہمدانی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور علائیؔ تخلص کرتے تھے۔ ذیل میں مولا علی کی

مدح میں یہ رباعیاں درج کی جاتی ہیں ۔

گر مہر علی و آل بتولؑ نہ بود
امید شفاعت ز رسولؐ نہ بود
گر طاعت حق جملہ بر آوردی تو
بے مہر علی ہیچ قبولیت نہ بود

پرسید عزیزے کہ علی اہل کجائی
گفتم بولایت علی ، کز ہمدانم
نے زاں ہمدانم کہ نہ دانند علی را
من زاں ہمدانم کہ علی راہمہ دانم

غمناکم و از در تو باغم نہ روم
جز شاد و امید وار و خرم نہ روم
از در گہہ چو تو کریمے ہرگز
نومید کسے نہ رفت من ہم نہ روم

گر بدر منیری و سما منزل تو
و زکوثر اگر سرشتہ باشد گل تو
گر مہر علی نہ باشد اندر دل تو
مسکین تو و سعی ہائے بے حاصل تو

شاہا زکرم برمن درویش نگر
برحال من خستہ دلریش نگر
ہر چند نیم لایق بخشایش تو
برمن منگر برکرم خویش نگر

(٦) **داتا گنج بخش** : شیخ مخدوم ابوالحسن علی ہجویری غزنی میں ۱۰۰۹ عیسوی میں پیدا ہوئے ۔ تیس سال کی عمر میں ۱۰۳۹ء میں لاہور آئے اور یہیں وفات پا گئے ۔ ان کے مزار پر ہر جمعرات کو لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے ۔ سالانہ عرس کی تقریبات دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں ۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے لاہور میں داتا گنج بخش کے مزار پر چلہ کشی کی اور بعد فراغت ذیل کا شعر ارشاد فرمایا تھا ۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

اس شعر نے شیخ مخدوم کو داتا بخش مشہور کیا ۔ "کشف المحجوب" غالباً ان کی واحد کتاب موجود ہے جو پانچویں صدی کے وسط میں تالیف ہوئی ۔ یہ پہلی کتاب ہے جو مشائخ صوفیہ کے حالات ، عقائد اور مقالات پر نہایت فصیح فارسی میں لکھی گئی ہے ۔

علامہ اقبال کو شیخ مخدوم سے بڑی عقیدت تھی ۔ انہوں نے "اسرار خودی" میں شیخ مخدوم

کی تعریف میں ایک نظم شامل کی۔ بقول علامہ سرزمین لاہور پر پہلا سجدہ ہجویری نے ہی کیا تھا۔ علامہ لکھتے ہیں ۔

سید ہجویر مخدوم امم مرقد او پیر سنجرؒ را حرم
بند ہائے کوہسار آسان گسیخت در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

شیخ مخدوم نے "کشف المحجوب" میں حضرت علی کے بارے میں قرآن مجید کی بعض آیتوں کو نقل کیا ہے، جو حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ مثال میں صفحہ ۲۴۰ میں یہ آیت دیکھی جا سکتی ہے۔ البقرہ آیت ۲۰۷۔ علاوہ ازیں کتاب میں فضائل اہلبیت رسالت کا ایک باب " فی ذکر ائمتہم من اہلبیت " شامل کیا گیا ہے۔ اس میں نعم الجمل کی حدیث اس طرح بیان کی گئی ہے۔

"عمر بن الخطابؓ روایت کرد کہ روزے بہ نزدیک پیغامبرؐ اندر آمدم۔ وے را دیدم کہ حسینؑ بر پشت مبارک خود نشاندہ بود و رشتہ اندر دہان خود گرفتہ و یک سر رشتہ بدست حسنؑ دادہ تا حسینؑ می راند۔ و وے از عقب حسینؑ می رفت بزانوہا۔ چوں آں بدیدم، گفتم نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكَ يَا اَبَا عَبْدَ الله "پیغمبرگفت" نِعْمَ الْكَرَاكِبُ هُوَيَا عُمَرْ " کتاب میں فرزدق کا وہ عربی قصیدہ بھی درج کیا گیا ہے جو حج کے موقعہ پر امام زین العابدینؑ کی تعریف میں کہا گیا تھا۔

(۷) **حکیم سنائی** (متوفی ۵۴۵ھ) مشہور صوفی اور فارسی شاعر تھے۔ اوائل زندگی میں غزنوی دربار سے وابستہ رہے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہونے کے بعد خراسان کے اکثر مقامات کی سیاحت کی اور درویشوں کے حلقوں میں گھومے۔ بڑے بڑے صوفیوں سے ملاقات کی اور اُن سے فیوضات حاصل کیے۔ اس تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ آخر کار بادشاہوں کے دربار اور ان کی مدح گوئی سے کنارہ کش ہو کر گوشہ گیری اختیار کر لی۔ اس کے بعد ہی ان کی پر مغز صوفیانہ شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔ مولانا رومی کا مشہور شعر ہے ۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او
ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

علامہ اقبال حکیم سنائی کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ جب ۱۹۳۳ء میں افغانستان گئے تھے تو سنائی کے مزار پر گلہائے عقیدت پیش کیے تھے۔ کہتے ہیں ۔

خفتہ در خاکش حکیم غزنوی   از نوائے او دل مرداں قوی

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

سنائی حضرت علیؑ کو دل و جان سے رسولؐ کے جانشین اور وصی قرار دیتے تھے۔ وہ بعد رسولؐ اہل بیت اطہر کو تمام مخلوق میں افضل تسلیم کرتے تھے۔ کہتے ہیں۔

اے سنائی بقوت ایماں   مدح حیدرؑ بگو از دل و جاں
آں زفضل آفت سرائے فضول   آں علم دار و علم دار رسولؐ
ہم نبیؐ را وصی وہم داماد   چشم پیغمبرؐ از جمالش شاد
مرتضائے کہ کرد یزدانش   ہم رہ جان مصطفیٰ جانش
ہر دو یک قبلۂ خروشاں دو   ہر دو یک روح وکالبد شاں دو
دو روندہ چو اختر و گردوں   دو برادر جو موسیٰؑ و ہاروں
نائب مصطفیٰ بروز غدیر   کرد برشرع خود مراورا امیرؑ

اے خوارج اگر درتیت شکے است
کفر و دیں نزد تو زجہل یکے است

یہ اشعار بھی قابل توجہ ہیں۔

سراسر جملہ عالم پُر زشیرست   ولے شیرے چو حیدرؑ یاسگا کو؟
سراسر جملہ عالم پُر زنانند   زنے چوں فاطمۂ خیر النساء کو؟
سراسر جملہ عالم پُر شہیداست   شہیدے چوں حسینؑ کربلا کو؟

حکیم سنائی نے جنگ صفین [۱۲] کا تفصیلی ذکر اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حدیقۂ سنائی" میں کیا ہے۔ نظم کا عنوان "حرب صفین وقتل عمار بن یاسرؓ" ہے۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں

کہ شنیدیم ما ز قول رسولؐ   کہ گفت ایں سخن بشوئے بتولؑ
گفت عمار بس ہمایون ست   قاتل او بدانکہ ملعون ست
ایں زماں کشتہ شد چہ چارہ کنیم   دل دریں درد و رنج پارہ کنیم
ہمہ تیغ و سپر بیفگندند   خود و مغفر ز سر بیفگندند
عمر و عاص ایں حدیث بشنید   بجز از مکرو ہیچ چارہ ندید

گفت ظن شما خطاست چنیں | ایں ہمہ گفتگو چراست چنیں
آں کہ صد سالہ را بجرب آرد | پیش کے زود و کشتہ انکارد
پس علی ہست قاتل عمار | نیست جائے ملامت و گفتار

جملہ راضی شدند بشنیدند
رونق کار خود در آں دیدند

(حدیقہ سنائی ص ۲۷۱)

۸۔ شاہ بوعلی قلندر: شاہ صاحب کی تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ ان کا انتقال ۷۲۳ھ (۱۳۲۳ء) میں ہوا تھا۔ وہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں تھے۔ علامہ اقبال بوعلی کی تعلیمات سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ خود شاہ صاحب آل محمدؐ سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

حیدریم قلندرم مستم | بندۂ مرتضیٰ علی ہستم
پادشاہ تمام رندانم | سگ دربار شیر یزدانم

گر علی را تو غیر حق دانی
کافری و مجوس و نصرانی

بہر دیں دل کند از دنیا علی | آں علی شد والہ ملک نبیؐ
آں وصی مصطفیٰ شیر خدا | آں علی زوج بتولِ پارسا
زال دنیا راچناں زد پشت پا | تا نیاید در نکاح اولیا
بہر دنیا آں یزید ناخلف | دین خود کردہ برائے او تلف
زال دنیا چوں در آمد در نکاح | کرد برخود خون آں سید مباح
اے خدائے من بحق مصطفیٰ | از طفیل حرمت آل عبا

روز محشر دار با آل رسولؐ
از طفیل مقبلاں گردد قبول

(۹) امیرؒ خسرو: عظیم فارسی شاعر اور جلیل القدر عالم اور صوفی کامل تھے۔ پٹیالی میں ۶۵۱ھ (۱۱۹۳ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کی اقامت گاہ دہلی تھی۔ سلاطین وقت خسرو کا بے حد احترام کرتے تھے۔ مشہور بزرگ صوفی حضرت نظام الدین اولیاء کے عقیدت مندوں میں سرفہرست ہیں۔ انہی سے سلوک، طریقت، ریاضت اور درویشی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ عمر بھر شادی

نہیں کی اوران کے زیادہ تر اوقات عبادت میں گزرتے تھے۔ ۷۲۵ھ (۱۳۰۳ء) میں انتقال کیا اور اپنے مرشد کے پہلو میں بمقام دہلی دفن ہوئے۔ خسرو کے کئی دیوان اور مکمل خمسے مخطوطات کی صورت میں باتصویر راجہ صاحب محمودآباد کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض نسخے بہت پرانے اور بیش بہا ہیں۔ خسرو کے مستند حالات ڈاکٹر وحید مرزا سابق صدر شعبۂ عربی لکھنو یونیورسٹی کی کتاب ''امیر خسرو'' میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ خسرو حضرت علیؑ کے زبردست پرستاروں اور عقیدت مندوں میں تھے۔ علیؑ کی منقبت میں ایک نظم درج کی جاتی ہے ۔

امیر المومنین را می پرستم — امام المتقیں را می پرستم
نبیؐ بنی، فتیٰ گفت است جبریلؑ — امام ایں چنیں را می پرستم
وصی و ابن عم و یار احمدؐ — امام السابقین را می پرستم
علی والی شمشیر دوپیکر — امام الناصریں را می پرستم
دلا! در عشق آں شہ رو مگرداں — امام العاشقیں را می پرستم
کدام است؟ چوں علی برکند خیبر — امام الاجمعیں را می پرستم
علی را منقبت ہا گفت یزداں — امام الراشدین را می پرستم
مرا عشق است بر اولاد حیدرؑ — امام العارفین را می پرستم

تو خسرو مذہب و ایمان خود را
امام راستیں را می پرستم

(۱۰) خواجہ فرید الدین عطار: عطار جو صوفی شاعروں میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ وہ چھٹی صدی ہجری کے وسط یعنی خراساں کے سلجوقیوں کے آخری دور میں پیدا ہو چکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سو سال سے زاید عمر پائی تھی۔

عطار کا کلیات ۱۸۷۲ء میں مطبع نولکشور لکھنو سے شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک اچھا اور مکمل نسخہ کتب خانہ شبلی نعمانی (ندوہ) لکھنو میں موجود ہے۔ اس میں متعدد مثنویاں ہیں۔ سب سے طویل مثنوی ''جواہر الذات'' ہے۔ اس میں مولائے کائنات کے فضایل قرآن اور احادیث کی روشنی میں درج ہیں۔ علاوہ ازیں مثنوی مظہر العجائب، اسرار نامہ، الٰہی نامہ، مصیبت نامہ، منطق الطیر اور تذکرۃ اولیاء عطار کی مشہور تصانیف ہیں۔ عطار مولائے کائنات حضرت علیؑ کے انتہائی عقیدتمندوں میں تھے۔ انہوں نے علیؑ کے فضایل میں ایک مثنوی مظہر العجائب کے نام سے لکھی۔ اس کے جرم

میں وہ پیرانہ سالی میں قتل کیے گئے۔ ڈاکٹر رضازادہ شفق اپنی کتاب "تاریخ ادبیات ایران" میں لکھتے ہیں:

از سوانح حیات شیخ عطار آنکہ ظاہرا در اواخر عمر بجرم تالیف مثنوی "مظہر العجائب" کہ دراں حضرت علیؑ و ائمہ رامدح کردہ بود افتاد۔ یکے از فقہا اورا رافضی شمردہ و تکفیر کردہ مردم عوام و متعصب رابشورانید۔ چنانکہ جانش بخطر افتاد"

عطار کے قتل کا واقعہ ۶۲۷ ہجری میں رونما ہوا۔

ذیل میں "مظہر العجائب" سے چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

"در نعت شاہ اولیاء علی علیہ السلام"

دیں اگر خواہی سخن را راستگو — باش تابع بر امام راستگو

شہسوار لوکشف شیر خدا — از خدا دانی جہاں را رہنما

آں امامے کو بحق اسرار گفت — گفت با منصور وہم با دار گفت

مصطفیٰ سر خدا با او بگفت — از حقائق ذرۂ کے او نہفت

مصطفیٰ اسرار حق ازوے شنفت — ہم از و بشنید وہم با او بگفت

سرّ اسرار خدائی او بود — نور انوار عطائے او بود

سرّ اسرار محمدؐ داں کہ اوست — خود بدانستے کہ آخر ہم خود اوست

حق نہ خواہی دید الا باعلیؑ — رہبر کُل جہانست آں ولی

باز گویم سرّ اسرارت تمام — گر تو ہستی واقف سرّ کلام

نے خدا گفت است با او ھل اتی؟ — نے خدا گفتہ است با او انّما

نہ خدا گفتہ است بلّغ در کلام؟ — گر بدانی علم تو گردد تمام

گفت با آدم خدا کہ بر مگیر — گندم و در عالم جاں تو میر

حیدرؑ کرّار گندم رانخورد — زاں سبب در ملک معنی او نہ مرد

ایں سخن را بے زباں عطار گفت — و ایں چنیں درّ یقیں عطار سفت

مصطفیٰؐ ختم رسلؐ شد در جہاں — مرتضیٰؑ ختم ولایت در عیاں

جملہ فرزندان حیدرؑ ز اولیا — جملہ یک نورند حق کرد ایں ندا

پاک و معصوم و مطہرؑ چوں نبیؐ

اس سخن رامی نہ داند ہر صبی

"در امامت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ"

امام ست او یقین بعد محمدؐ
بیاب ایں راز و بے شک شو مؤید

امام ست اویقین در ہر دو عالم
کزو پیداست اسرار دمادم

امام ست او بے شک او امام ست
کہ او را جبریلؑ از جان غلام ست

امام ست وحقیقت حوض کوثر
بدستِ او ست می داں اے برادر

امام ست او ز قول مصطفا ایں
بداں تا باشدت پاکیزہ بر دیں

امام ست او ز احمدؐ باز داں تو
زمین ویدِ حیدرؑ رازداں تو

امام ست او و من دانم اماش
کہ بشنیدم زجان و دل بیاش

امام ست او و در عین حقیقت
بپردہ راہ کلی در حقیقت

عیاں حق حقیقت مرتضائی است
کہ در دیدار نفس مصطفائی است

ز مشرق تا بہ مغرب گر امام است
علیؑ و آل او مارا تمام است

ذیل میں چند شعر عطارؔ کی مثنوی "الٰہی نامہ" سے درج کیے جاتے ہیں ۔

"مناقب امیر المومنین علیؑ"

زمشرق تابہ مغرب گرامام است
امیر المومنین حیدرؑ تمام است

گرفتہ ایں جہاں زخم سنانش
گذشتہ جاں جہاں وصف سہ نانش

چو در سر عطا اخلاص اوراست
سہ ناں رامفدہ آیت خاص اوراست

سہ قرصش چوں دو قرص ماہ و خورشید
دو عالم رانجواں بنشاند جاوید

ترا گر تیرباراں بر دوام است
علیؑ "حُبہ جنہ" تمام است

پیمبرؐ گفتش اے نور دو دیدہ
زیک نوریم ہر دو آفریدہ

علیؑ چوں بابیؐ باشد زیک نور
یکے باشد ہردو از دوئی دور

چناں در شہر دانش باب آمد
کہ جنت راحق نواب آمد

اگر خاکش شوی حسن المآب است
کہ اوہم بوالحسن ہم بوترابؑ است

کہ لوکشف الغطا وادست دستم
خدا را تانہ بینم کے پرستم

اگر علمش شدے بحرے مصور
در او یک قطرہ بودے بحر اخضر

ایک جگہ دعویٰ کرتے ہیں ۔

ہر کہ در عشق علی نبود درست
رافضی دانم مر اورا از نخست

(۱۱) **شمس تبریزی** : ان کا نام شمس الدین بن علی بن ملک داد تھا۔ وہ اپنے زمانے کے مایہ ناز صوفی، درویش اور مجذوب پیر تھے۔ ان کا یہ شرف کیا کم ہے کہ وہ مولانا رومی کے روحانی پیشوا اور مرشد تھے۔ رومی نے اپنا کلام ان ہی کے نام منسوب کیا تھا۔ مشہور ہے کہ شمس تبریزی نے بعض ایسی دل کی باتیں بیان کی تھیں کہ جن سے لوگ خفا ہو گئے اور عوام نے شورش کر کے انہیں ۶۳۵ ہجری میں قتل کر ڈالا۔ معلوم نہیں کہ وہ کون سا "رازِ دروں" بجز ولائے علی ہو سکتا تھا جو ان کے قتل کا باعث ہو سکتا تھا۔

راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں ایک بہت پرانا اور غیر مطبوعہ مخطوطہ موجود ہے۔ اس کا نام "کتاب المناقب" ہے۔ اس میں مشہور و معروف صوفی شعراء کا وہ کلام محفوظ ہے جو آلِ محمد کی شان میں ہے۔ ایک طویل نظم بعنوان "از گفتار شمس تبریزی در منقبت" (صفحہ ۴۶ وبعد) ۲۵ بند میں درج ہے۔ ابتداء کے بندوں میں پیغمبر آدمؑ، نوحؑ، یونسؑ، ابراہیمؑ، سلیمانؑ، یوسفؑ، یعقوبؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی ان مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے جو علی کا نام لینے سے دور ہو گئی تھیں۔ بخوف طوالت ان بندوں سے قطع نظر کر کے ذیل میں چند بند نقل کئے جاتے ہیں ؎

نہاں بارسولان حق بود یار — بہ دورِ نبی شد علی آشکار
علی را نبیؐ داند و کردگار — بگویم بگو تا شوی رستگار
علی علی علی علی
علی علی علی علی

بحرب اُحد کافران لعین — شکستہ دندان احمدؐ بہ کین
کشادند بر لشکرِ دین کمین — محمدؐ دراں لحظہ می گفت ایں
علی علی علی علی
علی علی علی علی

یکے شب بہ معراج شد مصطفیٰؐ — بسے رازہا گفت با او خدا
نبیؐ گفت آں لحظہ با کبریا — خدایا توئی یا شہہ اولیا
علی علی علی علی
علی علی علی علی

چوں آمد نبیؐ با حرم شاد کام — زیزداں شنودہ درود و سلام
براں سرّ کہ بودے زخاص و زعام — میانِ خدا و رسولؐ امام
ہمہ راز ہائے رسول و پیام — کہ گفتہ یکایک بہ احمدؐ تمام

علی علی علی علی
علی علی علی علی

توائے خسِ مسکیں بچئے بے زوال — کہ از جاں محبّ رسول و آل
ازیں قول دینت گرفتہ کمال — چہ امروز ہی گو چہ وقتِ زوال

علی علی علی علی
علی علی علی علی

(۱۴) **شیخ سعدی**: ایران کے نہایت ہردلعزیز شاعر ہیں۔ انھوں نے نہ صرف ایران بلکہ دنیا میں اپنی مقبولیت کا سکّہ بٹھا دیا ہے۔ وہ غالباً ۶۰۶ھ (۱۲۰۹ء) میں شیراز میں پیدا ہوئے اور ۶۹۱ھ تا ۶۹۴ھ میں انتقال کیا۔ کلیات کے علاوہ ان کی نظم و نثر میں دو اہم کتابیں گلستان اور بوستان ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں کلیات سعدیؒ کے کئی قلمی نسخے میری نظر سے گذرے ہیں۔ ان میں ایک نسخہ ۹۱۲ھ (۱۵۰۶ء) موجود ہے۔ قصیدہ ''کتاب المناقب'' میں بھی موجود ہے۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں ۔

منم کز جاں شدم مولائے حیدرؑ — امیر المومنینؑ آں شاہِ صفدر
علیؑ کو راہِ خدا بے شک ولی خواند — بہ امر حق وصی کردش پیمبرؐ
چو بودش علم و حلم و جاہ و تعظیم — بدش اقبال وجود و نصرت فر
پسر عم مصطفیؐ زوجہ چو زہراؑ — مے چوں حمزہؑ و جعفرؑ برادر
بہ خانش آمدہ زہرہ زگردوں — برائے خدمت زہرائے ازہر
گہے جبریل اندر رزم مداح — گہے میکال از گردوں ثناگر
بداں روزے کہ وحی آمد نبیؐ را — کہ از پالان اشتر ساخت منبر
بحق ذات بیچونِ الٰہی — کزاں جائیست دیگر جائے برتر
کہ بعد از مصطفیؐ در کلِ عالم — بُد فاضل تر و بہتر ز حیدرؑ
مسلّم شد سلونی گفتن او را — کہ علم مصطفیؐ را بود او در
اگر دانی بگو تا جز علیؑ کیست — کہ باز آمد زبہرش خور ز خاور

ایا سعدیؔ تو نیکو اعتقادے ز صدق اعتقاد خویش بر خور
اگر چہ مدح گویانند بسیار بطبع دوستاں مدح تو خوشتر
ازاں گفتم کہ تا خلقاں بدانند کہ سعدیؔ زیں سعادت زیست بے بر

بہ مہر اہلبیتؑ پاک داور
عروس خاطرم پیوستہ زیور

(۱۳) **حافظ شیرازی**: ایران کے محبوب ترین غزل گو شاعر ہیں۔ ان کا نام شمس الدین محمد حافظ ہے۔ وہ "لسان الغیب" کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ چونکہ قرآن مجید ازبر کیا تھا، اس لئے حافظ تخلص کرتے تھے۔ حافظ ۷۲۶ھ (۱۳۲۹ء) میں پیدا ہوئے اور ۷۹۲ھ (۱۳۸۹ء) میں انتقال کیا۔ اپنی تفریح گاہ "مصلیٰ" میں دفن ہیں۔ "خاک مصلیٰ" سے تاریخ نکلتی ہے۔ راجہ صاحب مذکور کے کتب خانہ میں "دیوان حافظ" کے متعدد قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ اُن پر گل اندام کے دیباچے شامل ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی شعر العجم جلد دوم (تذکرہ حافظ) میں لکھتے ہیں:

> "لوگ حافظ کے بے تکے اشعار اور لغو گوئی کا جگہ جگہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک دن حد سے زیادہ رنجیدہ ہوئے اور باباکوہی کے مزار پر جاکر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جا اب تجھ پر تمام علوم کے دروازے کھل گئے۔ نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔ صبح کو اٹھے تو اپنی وہ شہرۂ آفاق غزل لکھی جس کا مطلع ہے ؎
>
> دوش از وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
> وندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند
>
> پھر کیا تھا، آپ کی موزونی طبع اور لطافت سخن کے چرچے پھیل گئے۔"

دیوان حافظ اتنا پاک و پاکیزہ ہے کہ اہل نظر اس سے فال بھی دیکھتے ہیں۔ ان میں سلاطین بھی شامل ہیں۔ کتب خانہ شبلی نعمانی لکھنؤ میں دیوان حافظ کا ایک مطبوعہ نسخہ زیر نمبر ۲۳۱۶ مطبع مجیدی کانپور ۱۲۷۰ھ موجود ہے۔ اس کے صفحہ ۲۲۱ تا ۲۲۳ میں حضرت علیؑ کی منقبت میں ۴۳ شعر کا ایک قصیدہ ہے۔ یہ مخطوطہ "کتاب المناقب" اور "روضۂ رضواں" میں بھی موجود ہے۔ ذیل میں چند شعر درج کئے جاتے ہیں

علیؑ امام و علیؑ امین و علیؑ ایماں علیؑ امین و علیؑ سرور و علیؑ سردار
علیؑ علیم و علیؑ حکیم و علیؑ اعلم علیؑ عالم و علیؑ حاکم و علیؑ گفتار

علی نصیر و علی ناصر و علی منصور　　علی مظفر و غالب علی سرو سردار
علی عزیز و علی عزت و علی افضل　　علی لطیف و علی انور و علی انوار
علی ست فتح فتوح وعلی ست راحت وروح　　علی ست فاضل و افضل علی سرو سردار
علی سلیم و علی سالم و علی مسلم　　علی قسیم قصور و علی قاسم نار
علی نعیم و علی ناعم و علی منعم
علی بود اسد اللہ قاتل کفار

دیوان حافظ سے ایک رباعی بھی درج کی جاتی ہے ؎

مردے زکنندۂ در خیبر پرس　　اسرار کرم زخواجۂ قنبر پرس
گرتشنۂ فیض رحمتے اے حافظ　　سرچشمۂ آں زساقی کوثر پرس

(۱۴) **مولانا عبدالرحمن جامی** (م ۔۸۹۸ھ) جامی کے حالات آسانی سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ وہ نویں صدی ہجری کے سب سے بڑے ادیب، شاعر اور ایران کے آخری بڑے صوفی شاعر ہیں جن کا نام انوری، سعدی، مولانا روم، حافظ، خیام اور فردوسی کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ جامی کثیر التعداد کتابوں کے مصنف ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں میری نظر سے جامی کی بہت پرانی نادر و نایاب قلمی کتابیں با تصویر گزری ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جامی کے بعد ندرت اور جدت رکھنے والے بڑے شاعر سرزمین ایران میں پیدا نہیں ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف شاعری کی ہے بلکہ وہ دینی علوم اور ادب و تاریخ میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔

جامی نے دیگر صوفیا شاعروں کی طرح اپنی تصانیف میں حضرت علیؑ کے بارے میں اہم واقعات اور احادیث نقل کی ہیں۔ علیؑ کی ایک حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''میں ہوں آدمِ اول میں ہوں نوحِ اول، میں ہوں ابراہیم خلیل جو کہ آگ میں ڈالا گیا میں ہوں مومنوں کا مونس اور غم گسار''

حدیث یہ ہے: '' **اَنَا آدمُ الاوّلُ۔ اَنَا نُوحُ الاَوّلُ، اَنَا اِبْراھِیمُ الْخَلِیلُ**...... مراۃ الطالبین میں حدیث کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:۔

> ''حق سبحانہ تعالیٰ نے بہشت اور دوزخ کے بعد چھ لاکھ سال کے عرصے میں آدم صفی کی پیدائش سے پہلے دس ہزار آدم پیدا کئے اور ہر ایک آدم کو دس ہزار سال عمر عنایت ہوئی اور پھر اس کو موت دی۔ اور ان کے بعد پھر ان کی طرح دس ہزار آدم پیدا کئے اور ہر ایک آدم کو بدستور سابق دس ہزار

سال کی عمر عطا فرمائی۔ اور پہلے اول و دوم آدموں کے بعد آدم صفی کو خلق
فرمایا۔ اس بنا پر ہر آدم کے زمانے میں ایک نوح ہوا۔ پس نوح اول اس
معنی میں صادق آیا۔ ملا جامی فرماتے ہیں۔

عالم لطفی و عین جود از روئے یقیں — ذات تو مقصود ایجاد دو عالم آمدہ
بود بر آدم مقدم معنت اندر ازل — نام سبقت کردہ بر حوا و آدم آمدہ
آدم اول توئی گر راست می پرسی زمن — گرچہ آدم ازرہ صورت مقدم آمدہ

صدق دعویٰ را دریں معنی خطاب بوترابؑ
شاہد است آواز ہر اعیاں مبہم آمدہ

ملا جامی نے "تحفۃ الاحرار" میں حضرت علیؑ کی نماز کا ایک واقعہ پیش کیا جس میں ان کے پیر سے تیر نکالا گیا اور ان کو خبر تک نہ ہوئی تھی۔ یعنی جنگ احد میں علیؑ کے پائے مبارک میں تیر پیوست ہو گیا تھا۔ اس کی پیکان اس طرح گڑ گئی کہ نکالنا سخت مشکل ہو گیا تھا۔ آخر کار جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جب علیؑ ابن ابی طالب نماز میں کھڑے ہوں تو تیر زنبور سے پکڑ کر نکال لیں۔ الغرض جب نماز کی حالت میں تیر نکالا گیا تو تمام مصلیٰ خون سے بھر گیا، اور علیؑ کو ذرا بھی خبر نہ ہوئی۔

جامی لکھتے ہیں۔

شیر خدا ، شاہ ولایت علی — صیقلی شرک خفی و جلی
روز احد چوں صفِ ہیجا گرفت — تیر مخالف بہ تنش جا گرفت
غنچۂ پیکاں بگلِ او نہفت — صد گلِ راحت زگلِ او شگفت
روئے عبادت سوئے محراب کرد — پشت بدرد سرِ اصحاب کرد
خنجر الماس چو بنداختند — چاک تنش چوں گلش انداختند
غرقہ بخوں غنچۂ زنگار گوں — آمد ازاں گلبن احساں بروں
گل گل خونش بہ مصلا چکید — گفت چو فارغ ز نماز آں بدید
کیں ہمہ گل چیست تہ پائے من — ساختہ گلزار مصلائے من
صورت حالش چو نمودند باز — گفت کہ سوگند بہ دانائے راز
کز الم زخم نہ دارم خبر — گرچہ زمن نیست خبر دار تر
طائر من صدر نشیں شد چہ باک — گر شودم تن چو قفس چاک چاک

جامی از آلائش تن پاک شو
در قدم پاک دواں خاک شو

دیوان جامی کے ایک قلمی نسخے میں حضرت علیؑ کی منقبت میں کئی قصیدے ہیں۔ مخلوطہ کتاب المناقب میں بھی متعدد مناقب ہیں۔ ایک منقبت کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔ ان میں قرآنی تلمیحات بھی ہیں ۔

علیؑ شاہ و حیدرؑ اماماً کبیرا	زبعدِ نبیؐ شد بشیراً نذیرا
زمین، آسماں، عرش و کرسی بہ حکمت	علیؑ داں علیؑ کلِ شیئٍ قدیرا
زتوہست روشن مہ و مہروکوکب	توئی در دو عالم سراجاً منیرا
علیؑ اولیا را دلیل حق آمد	علیؑ انبیاء را ولیا نصیرا
علیؑ ابن عم محمدؐ رسول است	چو موسیٰؑ اخی گفت ہاروں وزیرا
بہ بدخواہ اولاد حیدرؑ خدا گفت	کہ یدعو ثبوراً ویصلیٰ سعیرا

ز تو نیست پوشیدہ احوال جامی
کہ ہستی بہ معنی سمیعاً بصیرا

(۱۵) شاہ نعمت اللّٰہ: شاہ نعمت اللہ ولی ہرات کے قصبہ کہسان میں پیدا ہوئے۔ سال پیدائش ۷۳۱ ہجری ہے۔ ان کا شمار اعلیٰ ترین صوفیوں میں ہوتا ہے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ ان کی پیشگوئیاں مشہور تھیں۔ ان کا انتقال ۸۳۲ھ میں کرمان میں ہوا۔ "عارف اسرار وجود" مادہ تاریخ ہے۔

شاہ نعمت اللہ حضرت علیؑ کی بیسویں پشت سے اپنے کو قرار دیتے تھے۔ دیوان شاہ نعمت اللہ ولی (مرتبہ اسماعیل شاہرودی چاپ ایران) کے صفحہ ۵۷۳ میں ۱۲۳ اشعار کی ایک نظم ہے جس میں شاہ صاحب نے اپنا شجرہ نظم کیا ہے۔ چند شعر یہ ہیں ۔

نعمت اللّٰہم و ز آل رسولؐ	محرم عاقانِ ربانی
پدر او علیؑ و ابن حسینؑ	آں کہ زین العبادؑ می خوانی
باز امام بحق حسین شہید	نور چشم علیؑ عمرانی
آں وصی رسولؐ بار خدائے	والیِ مملکتِ سلیمانی
آں کہ باشد در مدینۂ علم	کوری خارجی و مروانی
تو زدہم جدمن رسولؐ خداست	آشکار است نیست پنہانی

ہر کسے را شکے بود نجدا
سیدم بے شکے ست نادانی

شاہ صاحب فخر سے کہتے تھے۔

یادگار محمدؐ است و علیؑ
نعمت اللہ کہ میر مستان است

شاہ نعمت اللہ کے حالات بہت کم دستیاب ہیں۔ مرتب دیوان اسماعیل شاہرودی صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں کہ:

''شاہ نعمت اللہ سیدی بود از اہل حلب۔ اما چوں در او اخرِ عمر در ماہان کرمان می زیست۔ شہرت کرمانی یافت۔ در جوانی بیشتر در عراق می زیست۔ در سن بیست و چہار سالگی بزیارت مکہ رفت۔ در آنجا ہفت سالی بسر برد۔ و از خاص مرید ان شیخ عبداللہ یافعی گشت۔ یک چند ہم در سمرقند، بلخ، ہرات، مرو و یزد بزیست و بیست و پنج سال پایان عمر را در کرمان و حوالی آں بسر آورد۔ در قسمتی از عمر خود با امیر تیمور و پسرش شاہرخ معاصر بود۔ مرزا شاہرخ و ہمچنیں سلاطین بہمنی دکن را در حق وے اعتقادی تمام بود۔

شاہ نعمت اللہ علاوہ بر کسب علوم رسمی بریاضت و مجاہدت ہم توجہ تمام داشت۔ مکرر خلوت نشست و چلہ ہا بسر آورد''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب شیعہ تھے۔ اس بارے میں، میں ان سے متفق نہیں ہوں۔ ان کے دیوان سے ثابت ہے کہ وہ شافعی اور حنفی مسلک سے وابستہ تھے۔ چند شعر ملاحظہ ہو۔

پرسند زمن چہ کیش داری اے بے خبراں! چہ کیش دارم
از شافعی و ابو حنیفہ آئینۂ خویش پیش دارم
ایشان ہمہ بر طریق جدمد من مذہب جد خویش دارم

در علم نبوت و ولایت
از جملہ کمال بیش دارم

شاہ صاحب ''نعمت اللہ'' اور ''سید'' کے تخلص سے لکھتے تھے۔ ان کے دیوان میں حضرت علیؑ اور اہلبیت کی شان میں بے شمار اشعار ملتے ہیں۔ ان میں مناقب، ترجیع بند اور متعدد شعر ہیں

جن سے آلِ رسولؐ کی محبت لبریز ہے۔ ذیل میں ''ترجیعات'' سے تبرکاً دو بند درج کئے جاتے ہیں

نور چشم عالمش خوانم علی مرتضیٰ ‏ ‏ محرم راز رسولؐ و ابن عم مصطفیٰ

گوہر دریائے عرفاں بحر علم و کان جود ‏ ‏ رہنمون رہروان و پیشوائے اتقیا

ہادی کز نسل اور مہدیؑ ہویدا می شود ‏ ‏ شاید ار گویند اورا اہل حق نور ہدیٰ

از ولائے او ولایت یافتہ ہر کو ولی ست ‏ ‏ روسوالی شوکہ این است اعتقاد اولیا

نیست مومن ہر کہ دارد با علی یک مو خلاف ‏ ‏ یار مومن شو چو ما و تابع آل عباؑ

دوستدار خانداں باش و محبّ اہلبیت ‏ ‏ تابع دین محمدؐ باش۔ از بہر خدا

از محبت آفتابے بر دل ما تافتہ ‏ ‏ می نماید نور او آئینۂ گیتی نما

نفسِ خیر المرسلینؐ است آں ولی کردگار

لافتیٰ الا علی لاسیف اِلّا ذوالفقار

مسند ملک ولایت در حقیقت آن اوست ‏ ‏ در حریم عصمتش روح القدس دربانِ اوست

حق تعالیٰ وصف او فرمود در قرآن تمام ‏ ‏ ہفت ہیکل ہر کہ خواند آیتے در شان اوست

حاکست او در ولایت اولیا اور امرید ‏ ‏ شاہ عالم خوانمش ہر کو علی سلطانِ اوست

یافتہ حکم ولایت از خدا و مصطفیٰ ‏ ‏ ہر چہ ہست از جز وکل پیوستہ در فرمان اوست

روح اعظم جانِ عالم عقل کل از جان و دل ‏ ‏ در امانت ایں امام انس و جاں جانانِ اوست

گرچہ عالم از عطائے نعمت اللہ منعمند ‏ ‏ نعمت اللہ حقیقی شائستہ از احسان اوست

نفسِ خیر المرسلینؐ است آں ولی کردگار

لافتیٰ اِلّا علی لاسیف الاذوالفقار

ڈاکٹر اقبال کے ایک خط[۳۷] سے معلوم ہوا کہ انہیں شاہ نعمت اللہ کی ایک معرکہ آرا نظم ''حالات روزگار'' بہت پسند تھی۔ وہ نظم زیر نظر دیوان (صفحہ ۲۹۹ تا ۳۰۱) میں موجود ہے۔ اس میں یہ پیشن گوئی کی گئی ہے کہ ظہور امام مہدیؑ سے پہلے خراسان، مصر، شام، ترک، تتار و ہند وغیرہ میں کشت و خار تگری کا بازار گرم ہوگا۔ اس کے بعد نائب امام مہدی آشکار ہو جائے گا۔ پھر امام مہدی آخرالزماں کا ظہور ہوگا۔ ظہور کے بعد امن و امان اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پئیں گے۔ چند شعر یہ ہیں۔

قدرت کردگار می بینم ‏ ‏ حالت روزگار می بینم

در خراسان و مصر و شام و عراق ‏ ‏ فتنہ و کارزار می بینم

ظلمت ظلم ظالمان دیار بے حد و بے شمار می بینم
غارت و قتل و لشکر بسیار در میان و کنار می بینم
ترک و تاجیک را بہم دیگر خصمی و گیرودار می بینم
مکر و تزویر و حیلہ در ہر جا از صغار و کبار می بینم
حال ہندو خراب می یابم جور ترک و تتار می بینم

نائب مہدی آشکار شود
بلکہ من آشکار می بینم

بعد او خود امام خواہد بود کہ جہاں را مدار می بینم
میم و حامیم و دال می خوانم نام او نامدار می بینم
صورت و سیرتش چو پیغمبر علم و حلمش شعار می بینم
دین و دنیا از او شود معمور خلق از او بختیار می بینم
ید و بیضا کہ باد پائندہ باز با ذوالفقار می بینم
مہدی وقت و عیسٰی دوراں ہردو را شہسوار می بینم
عاصیاں از امام معصوم خجل و شرمسار می بینم
زینت شرع و رونق اسلام ہر یکے را دوبار می بینم
گرگ بامیش و شیر با آہو در چرا سرفراز می بینم

نعمت اللہ نشستہ در کنجے
از ہمہ برکنار می بینم

شاہ نعمت اللہ ولی بھی دیگر علمائے متصوفین کی طرح حضرت علیؑ کو بعد رسولؐ تمام لوگوں سے بہترین انسان سمجھتے تھے۔ وہ علیؑ کو اپنے مطالعہ کی ذمہ داری پر بحر علوم کے شناور، عالم قرآن، جانشین رسولؐ، ناصر دین اسلام، شاہ لافتیٰ، فاتح خیبر و دیگر غزوات، نفس رسولؐ، حامل علم اللدنی، اولین و آخرین اور آفتاب کو نقطۂ عصر پر لوٹانے والے قرار دیتے ہیں۔ ذیل کے اشعار قابل ذکر ہیں

امیر المومنین علیہ السلام

آں امیر المومنین یعنی علی و آں امام المتقیں یعنی علی
آفتاب آسمان لافتیٰ نور رب العالمیں یعنی علی
شاہ مرداں بادشاہ ملک و دیں سرور خلد بریں یعنی علی

نام او روح الامیں از بہر نام — می نویسد برجبیں یعنی علی
گر اِمامے بایدت معصوم پاک — می طلب شاہی چنیں یعنی علی
گر محمدؐ بود ختم انبیاء — ہست برخاتم نگیں یعنی علی
استعانت خواہد از درگاہ او — خدمت روح الامیں یعنی علی
ساقی کوثر امام انس و جاں — مصطفیٰ راجانشیں یعنی علی
فتح و نصرت داشت در روزغزا — بریسار و بر یمیں یعنی علی
عین اول دیدہ ام در عین او — نورچشم خردہ بیں یعنی علی
پیشوائی گر گزینی اے عزیز — ایں چنیں شاہے گزیں یعنی علی
مخزن اسرار اسماء اللہ — نفس خیرالمرسلینؐ یعنی علی
بود باسر نبوت روز و شب — راز دار و ہم قریں یعنی علی
دین و دنیا رونقے دارد کہ ہست — کارساز آن و ایں یعنی علی
ایں نصیحت بشنو از من یاد دار — دائما می گو ہمیں یعنی علی
ناز دارم بر شفیع اولیاء — ز آں ولی نازنیں یعنی علی
سورتش درطاوہای خواں کہ ہست — معنیش دریاوسیں یعنی علی
دست بردہ از ید بیضا بروز — معجزہ در آستیں یعنی علی
معنی علم لدنی بے خلاف — عالم علم مبیں یعنی علی
نعمت اللہ خوشہ چیں خرمنش — دلنواز خوشہ چیں یعنی علی

در ولایت اوّلین اولیا
اوّلین و آخریں یعنی علی

سرور اولیاء علی ولی

جام گیتی نما علی ولی — معنی انبیاء علی ولی
در ولایت ولی والاقدر — سرور اولیاء علی ولی
ابن عم رسولؐ و دامادش — ہست سرخدا علی ولی
بستان و سہ نان گرفتہ ہمہ — ملک دوسرا علی ولی
مخزن گنج ملک کزا اوست — محرم کبریا علی ولی
حضرت مصطفیٰ رسولؐ خداست — خدمت مرتضیٰ علی ولی

ہر کہ در عشق او شود کشتہ — دیدش خوں بہا علی ولی
کے گدا از درش شود محروم — چوں بود پادشا علی ولی
ہر کسے را امام و راہبریست — رہبر جان ما علی ولی
گر نہی سر بپائے فرزندش — دستگیرد ترا علی ولی
نور چشم محققان جہاں — دیدہ بے عطا علی ولی
غم نہ باشد ز خویش و بیگانہ — گر بود آشنا علی ولی
مس قلب ار بری بحضرت او — بکندش کیمیا علی ولی

نعمت اللہ فقیر حضرت اوست
شاہ ملک غنا علی ولی

(۱۶) **مرزا صائب**: (م ۱۰۸۰ ہجری)۔ ان کا شمار ممتاز بزرگان علم وادب میں ہوتا ہے۔ اگر چہ ان کا زاد بوم تبریز تھا۔ لیکن اصفہان میں پروان چڑھے۔ قیام کابل کے زمانے میں ظفر علی خان صائب پر مہربان تھے۔ اور اُنہی کی توجہ سے شاہجہاں بادشاہ دہلی کے دربار میں رسائی حاصل کر کے ملک الشعراء کے عہدے پر فائز رہے۔ بعد ازاں شاہ عباس ایران کے دربار کے ملک الشعراء ہوئے تھے۔ صائب بدیہہ گوئی میں صاحب کمال تھے۔ راجہ صاحب محمود آباد لکھنو کے کتب خانے میں صائب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ضخیم دیوان موجود ہے۔ اس کا وزن گیارہ پونڈ ہے۔ اس کی ابتداء میں ڈاکٹر نفیسی نے تصدیق کی ہے کہ پورا دیوان صائب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

علامہ اقبال صائب کے اشعار کی تضمین لکھتے تھے اور ان کی استادی کے معترف تھے۔ بانگ درا میں ایک نظم بعنوان "تضمین بر شعر صائب" موجود ہے۔ اس کا آخری شعر یہ ہے۔

ہماں بہتر کہ لیلی در بیاباں جلوہ گر باشد — ندارد تنگنائے شہر تاب حسن صحرائی
کہاں اقبال، آتو نے بنایا آشیاں اپنا — نوا اس باغ میں بلبل کو ہے سامان رسوائی

ذیل میں صائب کے چند شعر درج کیے جاتے ہیں جو انہوں نے آل رسولؐ کی شان میں کہے ہیں۔

بہترین خلق بعد از بہترین انبیاء — ابن عم مصطفیٰ داماد خیر المرسلین
چوں لباس کعبہ بر اندام بت زیبندہ نیست — جز تو بر شخص دگر نام امیر المومنین

ذیل کا شعر امام مہدی آخر الزماں کی شان میں ملاحظہ ہو۔

باد در زیر نگیں اُو را جہاں چوں آفتاب
تا شود نور ظہور صاحب الامرؑ آشکار

(۱۷) **غالب**: اُردو شعراء میں ڈاکٹر اقبال مرزا غالب کو سب سے افضل و برتر شاعر تسلیم کرتے تھے۔ انہوں نے غالب پر ایک معرکہ آرا نظم لکھی جو مخزن لاہور بابت ستمبر ۱۹۰۱ء میں حلیۂ طبع سے آراستہ ہوئی تھی۔ پرچہ اس وقت میرے پاس موجود ہے۔ یہاں ایک بند پیش کیا جاتا ہے۔

فکرِ انسان پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا　　ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا روح تو، بزمِ سخن پیکر تیرا　　زیبِ محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا

دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں مستور ہے

شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن "بانگِ درا" کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خان غالب کو اُردو اور فارسی شاعری سے جو عشق تھا۔ اس نے ان کی روح کو عدم میں جا کر بھی چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسدِ خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں۔ دوبارہ جنم لیا اور محمد اقبال نام پایا۔"

غالب حضرت علیؑ کے زبردست شیدائی تھے۔ وہ فخر سے کہتے تھے ۔

غالب نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللّٰہم و ہم اسد اللّٰہیم

اُردو میں کہتے ہیں ۔

غالبؔ ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست　　مشغولِ حق ہوں بندگئ بوتراب میں

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقئ کوثر کے باب میں

غالب حضرت علیؑ کے دیوانے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو میر انیسؔ نے اس موقعہ پر ذیل کی رباعی کہی جو میرے پاس بخطِ انیسؔ موجود ہے ۔

گلزارِ جہاں سے باغِ جنت میں گئے　　مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مداحِ علیؑ کا مرتبہ اعلا ہے　　غالب اسد اللہ کی خدمت میں گئے

ذیل میں چند شعر غالبؔ کے "علیؑ کی شانِ ولایت" کے سلسلے میں ترجمہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

۱ کنم از نبیؐ رو در بوترابؑ — بہ مہ بنگرم جلوۂ آفتاب

ترجمہ: نبیؐ کی طرف منہ کر کے میں علیؑ کو دیکھتا ہوں اور اس چاند میں سورج کا نور دیکھتا ہوں

۲ زیزداں نشاطم بہ حیدرؑ بود — ز قلزم بجو آب خوشتر بود

خدا کی طرف سے جو نشاطِ روح میسر آتا ہے وہ مجھے حیدرؑ (علیؑ سے ملتا ہے) جس طرح سمندر کے پانی سے نہر کا پانی زیادہ خوشگوار ہوتا ہے۔

۳ نبیؐ را پذیرم بہ پیمانِ او — خدا را پرستم بہ ایمانِ او

علیؑ کا عہد نبیؐ سے ہے اور میرا عہد علیؑ سے ہے، اس لئے نبیؐ سے میرا عہد ہوا تو میں خدا کو بھی یوں مانتا ہوں کہ علیؑ اُسے مانتے ہیں۔

۴ خدائیش روا نیست ہر چند گفت — علیؑ را توانم خداوند گفت

اگر چہ علیؑ کو خدا کہنا جائز نہیں۔ تاہم انہیں خداوند (مالک) کہہ سکتا ہوں اور کہتا ہوں۔

۵ دو فرخندہ یار گرانمایہ بیں — دو قالب زیک نور و یک سایہ بیں

یہ دونوں مبارک اور صاحب مرتبہ دوست تھے۔ ایک ہی نور ان دونوں کے جسموں میں تھا تو ایک جسم کا سایہ پڑا۔

۶ بداں اتحادی کہ صافی بُوَد — دو تن را یکے سایہ کافی بُوَد

جو اتحاد اس قدر لطیف ہو وہاں دو جسموں کے لئے ایک ہی سایہ کافی ہے۔

۷ ازاں سایہ یک جا گرائش کند — کہ احمدؐ زحیدرؑ نمائش کند

دونوں کا سایہ اس لئے ایک جگہ پڑتا ہے کہ علیؑ کی ذات سے احمدؐ ظاہر ہوں۔

۸ بہر سایہ کافتد زبالائے او — بود از نبیؐ سایۂ ہمسائے او

اس لئے علیؑ کے قد سے جہاں بھی سایہ پڑتا ہے نبیؐ کا سایہ اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

۹ زہے قبلۂ اہلِ ایماں علیؑ — بہ تن گشتہ ہم سایۂ جانِ علیؑ

اہلِ ایمان کے قبلہ و کعبہ علیؑ کا کیا کہنا کہ اپنے جسم سے جانِ نبیؐ کے ہمسایہ ہو گئے ہیں۔ دونوں کا سایہ ایک ساتھ ظہور کرتا ہے۔

۱۰ علی راست بعد از نبیؐ جائے او — ہماں حکمِ کل دارد اجزائے او

نبیؐ کے بعد علیؑ کو ان کی مسند یعنی جانشینی پہنچی ہے۔ اور ان کے ٹکڑے بھی "کل" کی حیثیت

رکھتے تھے

۱۱ ہمانا پس از خاتم المرسلینؐ بُود تا بہ مہدیؑ علیؑ جانشین

چنانچہ آخری رسول کے بعد (بارہویں امام) مہدیؑ تک علیؑ کی ہی جانشینی (خلافت) چلتی رہتی ہے۔

۱۲ نژادِ علیؑ با محمدؐ یکیست محمدؐ ہماں تا محمدؐ یکیست

علیؑ کی نسل محمدؐ کی نسل ہے اور اس طرح محمدؐ رسول اللہ سے لے کر (بارہویں امام) محمدؐ تک ایک ہی ہیں۔ یعنی اوّلنا محمد اوسطنا محمدٌ و آخرنا محمد

۱۳ در احمدؐ الف نام ایزدبُود زمیم آشکارا محمدؐ بود

احمدؐ کے نام میں الف ایزد (خدا) کا ہے اور میم کا حرف محمدؐ کے نام سے آیا ہے

۱۴ الف میم را چوں شوی خواستگار نماند ز احمدؐ بجز ہشت و چار

الف اور میم کا اگر تو طلب گار ہو (لے لے) تو احمدؐ میں سے صرف "حد" رہ جاتا ہے۔ جس کے عدد بارہ ہی ہوتے ہیں (اور امام بارہ ہیں)

۱۵ علیؑ آں ز دوشِ نبیؐ رفرفش علیؑ آں ید اللہ راکف کفش

علیؑ وہ ہیں کہ جن کے لئے دوشِ رسول مرکب بنا، علیؑ وہ ہیں کہ ان کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔

۱۶ نیازردہ گوشش ز آوازِ وحی ضمیرش سراپردہ رازِ وحی

علیؑ کے کانوں کو وحی سننے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔ وحی کا راز ان کے دل پر آپ سے آپ ظاہر ہوتا ہے۔

۱۷ بہ پیوند او ربط ہر سلسلہ خود اورا رہے خضرؑ ہر مرحلہ

ان کے تعلق سے صوفیا کا ہر سلسلہ قائم ہے۔ خضرؑ جو (بھٹکنے والوں کو راہ بتاتے ہیں) ہر مرحلے کے رہنما ہیں۔ ان کے بندے ہیں (یعنی پیروی کرتے ہیں)

۱۸ نبیؐ را جگر تشنہ روئے او خدا را بخواہش نظر سوئے او

نبیؐ کا دل ان کے دیدار کا منتظر رہتا ہے اور خدا کا جی چاہتا ہے کہ ان کی طرف دیکھا کرے

۱۹ بہ رَدّ و قبولِ کسانم چہ کار علیؑ بایدم باجہانم چہ کار

مجھے لوگوں کی پسند اور ناپسند سے کیا مطلب؟ دنیا سے کوئی غرض نہیں مجھے غرض تو علیؑ سے ہے

۲۰ بہ ہند و عراق و بنگوار و دشت بسوئے علیؑ باشدم بازگشت

ہندوستان ہو، عراق ہو، باغ ہو، جنگل ہو۔ جہاں میری زندگی تمام ہو، علی ہی کی طرف بازگشت ہوگی۔

۴۱ کہ جاں بردر بوتراب دہد
درآں خاک فرماں بخواہم دہد

وہ ابوتراب (علیؑ) کے آستانے پر مجھے جان بخشے اور وہاں پہنچا کر مجھے حکم ہو کہ آخری نیند سو جاؤں"

(۱۸) خواجہ مستان شاہ کابلی: خواجہ صاحب کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ وہ ۱۲۸۴ھ میں کابل سے پشاور آئے اور بعد میں کشمیر چلے گئے۔ کشمیر میں انہوں نے خانقاہ معلی سید علی ہمدانی کی زیارت کی۔ اور ان کی غزلوں پر ۴۱ مخمس لکھے۔ بعد ازاں ان کو چہل اسرار کے نام سے اپنے دیوان میں شامل کیا۔ دیوان کا نام "آتشکدۂ وحدت" ہے۔ اس کو محرم علی چشتی لاہوری نے اپنے دیباچے کے ساتھ مطبع مفید عام پریس لاہور سے ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں شائع کرایا۔ بقول دیباچہ نگار:۔

> "شاہ صاحب کو تعلیم و تربیت علوم، علوم ظاہری و باطنی میں سر اولیاء کبار، حیدرؑ کرار، شاہ ولایت، مظہر العجائب، اسد اللہ الغالب، حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے ہوئی۔ جس کی شان عالی میں بارگاہِ رسالت سے یہ ارشاد صادر ہوا تھا کہ **انا مدینۃ العلم و علی بابھا**۔ حضور شاہ ولایت نے خواجہ صاحب کو عالم طفلی سے ہی اپنے آغوش عاطفت و شفقت میں لیا اور اپنے کنار ولایت میں عالم روحی میں شیر معرفت سے پرورده فرمایا۔ ایک اور جگہ دیوان میں شاہ ولایت کے دست مبارک سے ساغر توحید نوش کرنے کا تذکرہ عجب راز و نیاز اور مستی و بیخودی کے ساتھ کئی غزلوں میں کیا ہے۔ ایک غزل میں کہتے ہیں

دوش چوں بادۂ توحید بکام کردند — آفتاب ازل از مشرق شام کردند
رشتۂ ہیکل ایام بدستم دادند — طائر گلشن فردوس بدام کردند
ذوالفقار علی فقر میانم بستند — توسن تند فلک رابہہ رام کردند
از فروغ رخ جانانہ دراں مجلس خاص — واقف پردۂ اسرار عوام کردند

اندراں محفل ساقی ازل مستان شاہ
شاہ مستانِ جہاں توقیع نام کردند"

محرم علی چشتی مزید لکھتے ہیں کہ:

"تمام دیوان میں حضرت شاہ ولایت کے فیض وفیوض نا متناہی اور تعلیم باطنی کے اشارے جا بجا موجود ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس کلام کا مخزن فیضِ مرتضوی ہو اور جس دریا کا منبع چشمہ بوترابی ہو، ضرور ہے کہ وہ آورد سے مبرا اور سراپا آمد ہو۔

مستی بداده در همه ایجاد همچو مے
مستانہ شہ کہ مست زساقی کوثر است

دیوان میں خواجہ صاحب نے "منقبت حضرت مولا مشکل کشا اسد اللہ الغالب علی مرتضیٰ ابن ابی طالبؑ" کا طولانی قصیدہ بھی شامل کیا ہے۔ ذیل میں چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

اے بادشاہ انس و جاں مستاں سلامت می کند
وے مایۂ ایمان جاں مستان سلامت می کند

اے شاہِ برج لافتیٰ وے ماہ برج انما
شمس الہدیٰ بدر الدجیٰ مستان سلامت می کند

اے نورِ ذاتِ کبریا وے، روئے پاک مصطفیٰ
اے لحمکَ لحمی ترا مستاں سلامت می کند

خوانده وقیت کردگار، نادِ علی شد آشکار
مظہر عجائب شہسوار مستان سلامت می کند

محبوب رب العالمین ولہٗ و یٰسینؔ راجبیں
سلطان و شاہ تارکیں، مستاں سلامت می کند

شاہ ولایت شد خطاب، حیدرؑ وصفدرؑ بوترابؑ
شیر خدا مالک رکاب مستاں سلامت می کند

شہباز اوج لامکاں سدرہ نشیں عرش آشیاں
اے شاہ مردانِ جہاں مستاں سلامت می کند

اے ابن عم مصطفیٰ، اے غم خوارِ اہل آل عباؑ
سالار جملہ اتقیا مستاں سلامت می کند

یا مصطفیٰ یا مرتضیٰ یا فاطمہ یا مجتبیٰ
یا شاہ دشت کربلا، مستاں سلامت می کند

اے بوالبشیر را تو خلف، کعبہ گرفت از تو شرف
سلطان دیں شاہ نجف مستاں سلامت می کند

ہستی بشیر و ہم نذیر، اے صاحب خم غدیر
بر جملہ شاہانے امیر مستاں سلامت می کند

باب مدینہ علم را گشتی مرا تو رہنما
اندر حضور مصطفیٰ مستاں سلامت می کند

مستانہ شاہ را یک نظر سازش تو اے رشک قمر
مستی از جملہ بشر مستاں سلامت می کند

(۱۹) **مولانا گرامی**: شیخ غلام قادر تخلص گرامی۔ فارسی کے مسلم الثبوت شاعر

تھے۔ عرصے تک نظام حیدرآباد دکن کی سرکار سے وابستہ تھے۔ موصوف نواب فتح علی خان قزلباش لاہور کے افراد خاندان کے اتالیق تھے اور برسوں ان کے یہاں قیام کیا تھا۔ اور محافل مقاصدہ میں قصیدے بھی پڑھتے تھے۔ گرامی علامہ اقبالؔ کے مخلص ترین دوستوں میں تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اقبال فارسی میں ان کے شاگرد تھے۔ ان میں حفیظ جالندھری پیش پیش تھے۔ لیکن اقبال کو اس سے انکار تھا۔ جس زمانے میں اقبال رموز بیخودی میں جناب سیدۃ العالمینؑ اور حسنینؑ کے متعلق اشعار ترتیب دے رہے تھے، تو موصوف گرامی سے بھی مشورہ کرتے تھے۔ ان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"حضرت فاطمہ کے متعلق جو اشعار میں نے لکھے تھے۔ ان کے بعد کے اشعار میں حضرت حسنؑ و حسینؑ دونوں کا ذکر کر دیا ہے۔ مضمون یہ ہے کہ "ایسے بیٹوں سے جن کے یہ اوصاف ہیں، ماں کی تربیت کا اندازہ کرنا چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ ماں کی آغوش میں کیا تاثیر تھی۔ جس میں ایسے بچوں کی تربیت ہوئی"

ایک اور خط میں اقبال، گرامی کے نام لکھتے ہیں:

"آجکل فاطمہ زہراؑ کا مضمون زیر نظر ہے۔ جھوٹے صوفیاء پر بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ مقصود ان اشعار کا یہ ہے کہ ان لوگوں نے عرس کو حج تصور کر لیا ہے اور اس طرح حرمین کے حقوق کو تلف کر کے چھوٹی چھوٹی جماعتیں حلقۂ اسلام کے اندر بنائی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جمعیت ملتہٗ اسلامیہ اصلی صورت میں قائم نہیں رہی"

مولانا گرامی بھی اقبال کی طرح حضرت علیؑ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے علیؑ کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک منقبت کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔ اس کی تاثیر گرامی یوں بیان کرتے ہیں:

"اس منقبت میں اللہ جل شانہ نے یہ تاثیر عطا کی ہے کہ جس گھر میں ہو، وہاں طاعون کا اثر نہیں ہوتا۔ بیماری کی حالت میں لکھی گئی ہے" (گرامی)

علیؑ آں کعبہ اش مولد، علی آں مسجدش مشہد — علیؑ اللہیاں دانند کیں نکتہ کتابیستے
علیؑ را عقل اول طفل مکتب خانہ دانش — علیؑ در مہد طفلی دایہ اش ام الکتابیستے
علیؑ بیدار واحمدؐ سر بزانوئیش بخواب آمد — تعال اللہ چہ بیداری تعال اللہ چہ خوابیستے

علی و مصطفیٰ ہر دو بہ نسبت موسیٰ و ہارون　　سپردندش ولایت کاں نبوت را جوابستے
علی برجائے پیغمبر اگر بنشست جا دارد　　کہ کل راجانشیں بے فصل درمعنی گمابستے
خداخواندش نصیری من خدارابندہ می خوانم　　عجائب مظہرستے ابنۂ شی عجابستے
نمی دانم من از قدر بلندش ایں قدر دانم
کہ بردوش نبی معراج آں عالی جنابستے

برلب علی برلب دل حرف یا علی ست　　تکفیری کنند کہ گویم خدا علی ست
قرآن ناطق ہست علی لو کشف گواہ　　لذت شناس مائدہ ہل اتیٰ علی ست
نامد رموز معنی قرآں ترا بفہم　　نقش طراز کارگہہ انما علی ست
اے خارجی ترا بخلافت تامل ست　　مطلب ہمہ علی وہمہ مدعا علی ست
وسب کہ شد بروں ز سراپردۂ جلال　　اے بے خبر ہمیں زکجا تا کجا علی ست
دیدیم شب گرامی مرحوم را بخواب
رحماں بجان او کہ بہ تسبیح یا علی ست

زمیں با بوترابش آسمانش یا علی خواند　　مسیح وخضر را ایں اسم اعظم برزباں بستے
چہ درصورت چہ درمعنی وصی احمد مرسلؐ　　بانداز وفا کامل عیار امتحاں استے
شہادت با امامت خفتہ دریک پیرہن اینجا　　مسلماناں امامت را شہادت تو امانستے
علی برلب علی دردل علی درسر علی درجاں　　علی آں معنی ترکیب وصل جسم و جانستے
علی گویم علی جویم علی خوانم علی خواہم
علی درگیر و دار روز محشر قہرمانستے
از علی پرس نکتہائے "کتاب"
وحی را ترجمانؑ ہم ہست

(۲۰) **جوش ملیح آبادی** (۱۸۹۳ء-۱۹۸۲ء): جوش، اقبال کے معاصرین میں صف اول کے ممتاز ترین شاعر ہیں۔ اقبال ان کے نہایت قدر دان تھے۔ جوش کی تصانیف دلچسپی سے پڑھا کرتے اور موصوف کی خداداد قابلیت کی دل کھول کر داد دیتے تھے۔ جب جوش کی پہلی تصنیف ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی تو اقبال نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے تین سو نسخوں کا آرڈر بھجوایا۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن کی ملازمت کے لئے مہاراجہ کشن پرشاد شاد کے نام ایک زبردست سفارشی خط بھی لکھا تھا۔

اقبال کے انتقال پر جوش کو بڑا صدمہ ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے تاثرات کا اظہار ماہوار رسالہ "کلیم" دہلی بابت مئی ۹۳۸ کے اداریہ میں زوردار الفاظ میں کیا تھا۔ جوش کا یہ شعر ان کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے ۔

واپس آ، اقبال، تجھ بن دہر ننگ دنار ہے
تیرے بدلے جوش مرنے کے لئے تیار ہے

جوش بھی اقبال کی طرح آل محمدؐ کے پرستاروں میں ہیں۔ ان کے اشعار بڑے بڑے علماء بر سر منبر بیان کرتے ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مرحوم نے اپنی مشہور تصنیف "المرتضیٰ" میں تاریخ اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ "شب ہجرت" کو بیان کرنے کے لئے جوش کے شعر کا بھرپور استفادہ کیا ہے ۔

بستر احمدؐ شب ہجرت یہ دیتا تھا صدا
اے علیؑ! مردوں کو یوں ہی نیند آنا چاہئے

جوش نے بھی اقبال کی طرح اپنی تصانیف میں علیؑ کے فضائل مخصوص انداز میں پیش کئے ہیں۔ ذیل میں "یادوں کی برات" (مطبوعہ شالیمار آفسٹ پریس ۱۹۸۲ نئی دہلی) سے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں:

"ہزاروں ماہ و سال کے مسلسل تجربوں کے بعد، یہ کلیہ قائم کیا گیا ہے کہ علم اور شجاعت، یہ دو ایسے اضداد ہیں، جو کبھی ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے۔ جس ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے وہ قلم کو اپنی انگلیوں کی گرفت میں نہیں لا سکتا۔ اور جس ہاتھ میں قلم ہوتا ہے۔ وہ تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن انسانی تاریخ میں علیؑ کا ہاتھ، وہ تنہا جامع اضداد ہاتھ تھا، جو تلوار اور قلم دونوں کو مساوی روانی کے ساتھ چلا سکتا تھا۔

وہ ادیب، شاعر اور مفکر تھے اور اسی کے دوش بدوش، عدیم النظیر سپاہی بھی۔ وہ صفحۂ قرطاس پر مجسم کلک گوہر بار اور میدان کارزار میں سراپا شمشیر آب دار تھے۔

وہ اس کی پروا نہیں کرتے تھے کہ موت ان پر گرے، یا وہ موت پر۔ ان دونوں کو وہ مساوی طور پر محبوب سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی نگاہوں نے موت کی پیشانی پر حیات ابدی کا جھومر دیکھ لیا تھا۔ اس

کے علاوہ ان کو ایک ایسی جواں بختی و برکت بھی حاصل تھی، جس سے اس دور کا کوئی انسان بہرہ ور نہیں ہوا تھا، اور جس نے ان کو اپنے معاصرین پر وہ فوقیت بخش دی تھی، جو آفتاب کو ذرات پر حاصل ہے اور وہ فوقیت یہ تھی کہ انہوں نے جو چہرہ سب سے پہلے دیکھنے کی طرح دیکھا وہ محمدؐ کا چہرہ تھا، اور انہوں نے جو آواز، سب سے پہلے سننے کی طرح سنی وہ محمدؐ کی آواز تھی۔

محمدؐ نے ان کو گودوں میں پالا، اپنی شخصیت کے سانچے میں ڈھالا، اپنے سائے میں پروان چڑھایا، اور وہ ان کے وجود میں اس طرح جذب ہو گئے کہ علیؑ کو، اپنے انفاس سے، بوئے محمدؐ آنے لگی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ علیؑ، حق پر اس مضبوطی سے قائم ہو گئے کہ وہ حق کا جسم، حق کی جان، حق کا اعلان اور حق کی آواز بن گئے۔ اور یہاں تک کہ حق کو علیؑ سے اور علیؑ کو حق سے پہچانا جاتا تھا، اور چونکہ بہرآں و بہر نفس حق پر قائم رہنا ایک بہت بڑا خطرناک مرحلہ ہے، اس لئے ان کی زندگی بھی پنپ نہیں سکی۔ دنیا والے ان کی شدت حق پرستی کو برداشت نہیں کر سکے۔ اور تو اور خود ان کے حقیقی بھائی، ان کا ساتھ چھوڑ کر اس ایوان میں چلے گئے، جہاں اسلام کے سر پر شاہی تاج رکھ دینے کے منصوبے تیار کئے جا رہے تھے، اور جہاں شہد میں اس نیت سے زہر ملایا جا رہا تھا کہ ارباب حق موت کے گھاٹ اتار کر باطل کو تخت شاہی پر بٹھا دیا جائے۔

علیؑ کی حق پرستی کی تاب نہ لا کر مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر نے ان سے منہ پھیر لیا تھا اور یہاں تک کہ انہیں، آخر کار یہ کہنا پڑا تھا کہ دنیا نے مجھ کو ذلیل کر دیا، ذلیل کر دیا، ذلیل کر دیا اور اس قدر کہ میرا اور معاویہ کا تقابل کیا جانے لگا۔

علیؑ کی زندگی، اس کرۂ ارض کے تمام عظیم انسانوں کے مانند، محرومی و ناکامی کے سوا انہیں کوئی اور چیز نہیں دے سکی۔ لیکن جب انہیں قتل کر دیا گیا، تو ان کی موت نے، ان کی قبر پر وہ چراغ عظمت جلا دیا، جس سے ان کی زندگی کو محروم کر دیا گیا تھا۔

ان کے کامگار حریف، اپنے تمام کروفر کے ساتھ وقت کے سمندر میں ڈوب چکے ہیں، لیکن ان کی زندگی کی تمام ناکامیوں کے باوجود، ان کا نام، تاریخ انسانیت کی پیشانی پر آج تک دمک رہا ہے۔ اور وہی لوگ، جنہوں نے ان کی طرف سے منہ موڑ لیے تھے، ان کی موت کے بعد، جب کسی بلا میں گرفتار ہو جاتے ہیں، تو "یا علی" کے نعرے لگانے لگتے ہیں۔

اے علی! شرافت انسانی، تیرے ان دو اخلاقی معجزوں کو، قیامت تک فراموش نہیں کر سکے گی کہ جب تیرے حریف نے، تیرے منہ پر تھوک دیا تھا، تو نے اس کی جان بخشی فرمادی تھی اور موت کے وقت جب تیرے سامنے شربت کا پیالہ پیش کیا گیا تھا تو نے یہ کہا تھا کہ جب تک میرے قاتل کو شربت نہیں پلایا جائے گا، میں نہیں پیوں گا۔

اے علی! اے میدان جنگ کے سورما رجز خواں، اے منبر امن کے شیریں سخن خطیب! اے ایوان عدل کے دیدہ ور قاضی، اے کشور سیف وقلم کے خدیو کج کلاہ! اے نان جویں کی بے پناہ طاقت کے مظہر، اے زندگی کے معتوب، اے موت کے محبوب۔ اے علت العلل کے باب میں "لاغفور" "لارحمن" اور "لاتنھا" اور "الاھو" کی سی معنی خیز و خیال انگیز بات کہہ کر خاموش ہو جانے والے مفکر..... سیف وقلم کا مجرا قبول کر!

جوش ملیح آبادی مولود کعبہ کے بارے میں گلہائے عقیدت یوں پیش کرتے ہیں ـــ

گل ہو گیا زمین پہ جو اوہام کا چراغ — تشکیک سے یقین کو حاصل ہوا فراغ
جھوما نسیم عقل سے بینجوئے نوع بشر کا باغ — اترا دماغ دل میں تو دل بن گیا دماغ

اوج خرد پہ صبح کی سرخی عیاں ہوئی
یہ آئے تو حریم نظر میں اذاں ہوئی

سلجھائے روزگار کو زریں قبا ملی — انسانیت کو دولت صد ارتقا ملی
ہنستی ہوئی قدر کے گلے سے قضا ملی — آغوش میں رسول کو اپنی دعا ملی

جیسے ہی نصف نور ملا نصف نور سے
اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے
منبر پہ آفتاب تکلم عیاں ہوا　　موج سے غدیر لئے خم عیاں ہوا
دریائے مرحمت میں تلاطم عیاں ہوا　　انصاف کے لبوں پہ تبسم عیاں ہوا
ڈالی نگاہ فخر سے دنیا نے دین پر
قرآن ، آسمان سے اترا زمین پر

کتاب کے مسودہ پر نظر ثانی کی جارہی تھی کہ ایک دل آزار کتاب بعنوان ''مطالعۂ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس پر کسی ڈاکٹر غلام قادر لون کشمیری کو لکھنو یونیورسٹی لکھنو سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی تھی۔ مقالہ نگار نے کتاب کے اندر لکھنو یونیورسٹی یا اپنے نگراں کا نام کہیں نہیں لکھا ہے۔ البتہ جیکٹ کے اندرونی حصے میں صرف یہ عبارت درج کی ہے کہ ''اس نے لکھنو یونیورسٹی سے تصوف کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی''

مقالہ نگار کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کے تعاون سے تیار کیا گیا تھا۔ صفحہ ۱۱ میں درج ہے کہ:

> ''کتاب کی تیاری کے دوران ہندوستان کے ایک بڑے مورخ اور نامور اہل قلم جناب ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی ریڈر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے استفادہ کا موقعہ ملا''۔

ظلی صاحب کے علاوہ جن لوگوں نے مقالہ نگار کو اپنا تعاون دیا تھا؟ ان میں سے چند نام یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی (شعبۂ اسلامیات علی گڈھ)
(۲) مولانا سلطان احمد اصلاحی (نامور مصنف اور ادارۂ تحقیق وتصنیف کے رکن)
(۳) ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (استاد شعبۂ عربی علی گڈھ)
(۴) ڈاکٹر ثناءاللہ پرواز (استاد شعبۂ فلسفہ علی گڈھ)
(۵) پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی (شعبۂ عربی علی گڈھ)

مقالہ نگار نے ''مراجع'' (کتابیات) میں جن سینکڑوں کتابوں کی فہرست شامل کی ہے اس میں متعدد کتابیں آل رسول کی مخالفت میں لکھی گئی تھیں۔ فہرست میں کسی نامور اسلامی مورخ یا شیعہ کتاب کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ کتاب دیکھ کر رنج ہوا کہ مقالہ نگار نے معاندانہ اور متعصبانہ طرز

فکر سے رسولؐ مقبول کی معتبر اور مستند احادیث کی نفی اور تردید کرنے میں اپنا زور قلم صرف کیا ہے۔اس نے ناواقفیت اور کم علمی کی بنیاد پر ان احادیث کو موضوع (من گڑھت) بے بنیاد، کذب و افترا اور رافضیوں کی جھوٹی روایتیں کہہ کر صوفیا اور شیعوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔موصوف کے علمی کم مائگی کا حال یہ ہے کہ اس نے تمام صوفیاء (خواجہ حسن بصری سے لے کر علامہ اقبال تک) کو اس لئے شیعہ قرار دیا کہ ان حضرات نے قرآن اور احادیث کے آئینے میں اہل بیت رسولؐ کے فضائل بیان کئے ہیں۔شاید مقالہ نگار کو یہ معلوم نہیں کہ خود اللہ تعالیٰ قرآن میں آل محمدؐ کے فضائل بیان کرتا ہے۔علامہ اقبال تو پورے قرآن مجید کو علیؑ کی تفسیر بتاتے ہیں ۔

اے سرِّ خطِ وجوب و امکان　　تفسیرِ تو سورہائے قرآں
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر　　معنیِ ذبحِ عظیم آمد پسر
رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

میرے پیش نظر ''مطالعۂ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں'' کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۸ء کا ہے جو مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی نے شائع کیا۔ذیل میں چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں:۔

صفحہ ۱۹۲۔'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سرچشمۂ تصوف قرار دینے میں صوفیہ اہل تشیع سے متاثر رہے ہیں۔خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا بیان ہے کہ جس کسی کو دولتِ سلوک نصیب ہوئی۔اہل بیت ہی کے طفیل ہوئی''

صفحہ ۱۹۳۔'' تصوف میں حضرت علیؑ کی منفرد اور ممتاز حیثیت کا اندازہ مولانا روم کے ان اشعار [۱۵] سے لگایا جاسکتا ہے،جن کی صدا خانقاہوں کے در و بام سے گونج رہی ہے ۔

تا صورت پیوند جہاں بود علی بود　　تا نقش زمیں بود زماں بود علی بود
شاہے کہ وصی بود ولی بود علی بود　　سلطان سخا و کرم و جود علی بود
آں شاہ سرافراز کہ اندر شب معراج　　با احمدؐ مختار یکے بود علی بود
ایں یک دو سہ بیتے کہ بگفتم بہ حقیقت　　حقا کہ مراد من و مقصود علی بود

ان اشعار میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان پر شیعت کی گہری چھاپ ہے''

صفحہ۱۹۵۔ارشاد ہوتا ہے:

''حکیم سنائی نے حضرت علیؓ کی منقبت میں وہی غلو کیا ہے، جو اہل تشیع کا امتیاز ہے۔حکیم سنائی بھی حضرت علیؓ کو''وصی''مانتے ہیں''۔

مر نبیؐ را وصی و ہم داماد　　جان پیغمبرؐ از جمالش شاد

صفحہ۱۹۸۔مقالہ نگار لکھتا ہے:

''عطار حضرت علیؓ کے بارے میں شیعہ افکار سے متاثر ہیں۔مثلاً حضرت علیؓ کے متعلق''الٰہی نامہ''میں لکھتے ہیں۔

پیمبرؐ گفت چوں نور دو دیدہ　　زیک نوریم ہردو آفریدہ
علیؓ چوں با نبیؐ باشد زیک نور　　یکے باشند ہردو از دوئی دور

صفحہ۱۹۹۔لکھا ہے کہ:۔

''صوفیا کے ملفوظات اور کتابوں میں اس طرح کی عبارتیں بکثرت ملتی ہیں۔چنانچہ اکثر حضرت علیؓ کو''وحی''اور ظاہر و باطن''''حامل علم لدنی''اور''اول و آخر''کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔اس سلسلے میں کتب تصوف ان تمام احادیث و آثار سے بھری پڑی ہیں جو اہل تشیع میں مشہور ہیں''

صفحہ۲۰۳۔مقالہ نگار لکھتا ہے:۔

''عقاید و نظریات اور رسم و رواج میں صوفیہ اہل تشیع سے متاثر ہیں۔اہلبیتؓ کے مشاہد و مزارات(روضہ حضرت علیؓ کربلائے معلی، مشہد ایران وغیرہ) اہل تشیع کی عقیدت کے مرکز ہیں۔چنانچہ شیعہ دور دراز علاقوں سے ان مشاہد کی زیارت کے لئے سفر کرتے ہیں اور ان مقامات پر پہنچ کر عرض حاجات کرتے ہیں یہی حال صوفیا کا ہے۔وہ بھی ان مزارات کو قبلۂ حاجات تصور کرتے ہیں''

صفحہ۲۰۳۔اس میں ذیل کی عبارت درج ہے:

''شیعوں اور صوفیوں میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔شیعوں کو میدان سیاست میں شکست ملی۔صوفیوں کو زندگی کے میدان میں ہزیمت ملی اور شکست جب دو نفوس کے درمیان قدر مشترک بنتی ہے۔وہ دونوں ایک

دوسرے کے قریب آتے ہیں"
مندرجہ بالا اقتباسات لغو اور مہمل ہیں اس لئے ان کے بارے میں کچھ کہنا لاحاصل ہوگا۔ مقالہ نگار کی یہ بات بھی سمجھنے میں نہیں آتی ہے کہ "شیعوں کی سیاست اور صوفیوں کی ہزیمت" سے اس کی کیا مراد ہے اس کی وضاحت کرنی چاہئے تھی۔

صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۷۔ مقالہ نگار نے ان صفحوں میں رسول مقبول کی اُس مشہور و معروف اور متفق علیہ حدیث کو تعصب اور کم علمی کی نظر سے شیعوں کی وضع کردہ بے بنیاد، جعلی اور غلط قرار دینے کی کوشش کی ہے "انا مدینة العلم و علی بابها"۔ میں شہر کا علم ہوں اور علی اس کے دروازے ہیں۔

صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۸۔ ان صفحوں میں علی کے معجزہ رجعت شمس (یعنی آفتاب کو نماز عصر کے لئے پلٹانا) کو متروک، بے بنیاد، کذب۔ اور رافضیوں کی وضع کردہ حدیث بتایا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ "ایسا واقعہ اگر وقوع میں آیا ہوتا تو ہزاروں اور لاکھوں لوگ اس واقعہ کا مشاہدہ کرتے جبکہ یہ محیر العقول واقعہ اتنا مشہور نہیں ہے جتنا کہ اُسے ہونا چاہئے تھا اور نہ اس کے رواۃ کی تعداد اتنی کثیر ہے جو ایسے عظیم الشان واقعہ کے مطابق ہو۔ اس لئے اسے صحیح قرار دینے والوں کی رائے محل نظر ہے"

صفحہ ۲۱۰۔ "لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار" مرتب کتاب نے اس واقعہ کو بھی جعلی اور بے بنیاد کہا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے گھڑنے والے شیعہ لوگ ہیں۔

صفحہ ۲۱۰۔ اسی صفحے میں حضرت علی کے ہاتھوں در خیبر کے اکھاڑنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "اس روایت کو شیعہ اور صوفیہ میں قبول عام حاصل ہے"۔ اس کے بعد مرتب نے لکھا ہے کہ اس کے راویوں میں شیعہ لوگ ہیں اس لئے یہ حدیث بے کار (واہی) ہے۔

صفحہ ۲۱۱۔ اس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ "شیعوں نے حضرت علی کے فضائل میں تین لاکھ احادیث گھڑ لی ہیں"

صفحہ ۲۱۷۔ ۲۱۹۔ ان صفحوں میں یزید کا نام احترام سے لیا گیا ہے۔ مقالہ نگار لکھتا ہے "حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے فرزند ۳۴ سال کی عمر میں خلیفہ ہوئے"

صفحہ ۲۱۷۔ اس میں مقالہ نگار نے علی کی شان میں رکیک اور ناشائستہ الفاظ استعمال کرکے گستاخی کی ہے۔ معترض صیہونی اور خارجی معلوم ہو رہا ہے۔

اگر یہ کتاب کسی مدرسہ میں نام نہاد اور تنگ نظر مولویوں کی نگرانی میں مرتب کی گئی ہوتی تو مجھے کوئی افسوس نہ ہوتا۔ کتاب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے متعدد اساتذہ کے تعاون سے تیار کی گئی۔ علی گڈھ کا یہ ادارہ ہمیشہ شیعہ سنی اتحاد اور یک جہتی کا مرکز رہا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ دونوں فرقے ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ دونوں میں اپنے اپنے عقائد کے تحت دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ خود بانی مدرسہ سرسید احمد خان آٹھویں امام (حضرت علی رضاؑ) کی اولادوں میں رضوی سید تھے۔ اس کی شہادت کے لئے علی گڑھ میں سرسید کی قبر پر سنگ مزار دیکھا جاسکتا ہے۔ سرسید نے دہلی چھوڑ کر "کول" کے ایک چھوٹے قصبے میں اپنے جد پاک باب العلم (حضرت علی) کی مناسبت سے کول کا نام علی گڈھ میں تبدیل کیا اور اسی مقام پر مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تعمیر و ترقی کے لئے سرسید کے شانہ بشانہ شیعہ حضرات نے بھی اپنا موثر کردار ادا کیا۔ ان میں میجر سید حسن بلگرامی، سید حسین بلگرامی، سید علی بلگرامی، خواجہ غلام الثقلین، مولانا الطاف حسین حالی، جسٹس امیر علی، جسٹس کرامت حسین، سید اقبال علی فیض آبادی (یہ سرسید کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور انہوں نے ہی سرسید کے پنجاب کا سفر نامہ مرتب کیا تھا) سر علی امام، نواب فتح علی خان قزلباش اور راجہ صاحب والی محمود آباد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ نوابین حیدر آباد اور اتر پردیش خاص کر شہزادہ سلیمان قدر اور دیگر امراء) نے یونیورسٹی کے لئے لاکھوں روپے کے عطیات دئے تھے نوابین رامپور نے بھی مالی معاونت سے نوازا تھا۔ جب ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی وجود میں آئی تو اس کے پہلے چانسلر راجہ صاحب محمود آباد سر محمد علی خان مقرر کئے گئے تھے۔

غرضیکہ مرتب کتاب (مطالعہ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں) نے رسول اللہؐ کی مستند حدیثوں کو جھٹلا کر اپنی لاعلمی اور تنگ نظری کا اظہار کیا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب میں جلیل القدر علمائے اہل تسنن اور بزرگ ترین صوفیائے کرام کے حوالوں سے حضرت علی کے فضائل قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کئے ہیں۔

کتاب کی ترتیب و تدوین میں جن ہفت خوانوں سے دوچار ہونا پڑا، ان کی تفصیلات میں یہاں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ میں ہمیشہ سے محنت و مشقت کا عادی رہا ہوں۔ اور مواد کی دستیابی کے لئے جی کڑا کر کے کتب خانوں کی خاک چھانتا ہوں۔ جب اللہ کے فضل و کرم سے مسلسل لکھنے میں مصروف رہتا ہوں تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اللہ بہ طفیل آل عباؑ میرے قلم میں قوت و توانائی عطا فرماتا ہے۔

اکثر و بیشتر لوگ جو اپنے کو ماہرین اقبالیات میں شمار کرتے ہیں اقبال شناسی اور فلسفۂ

اقبال سے ناواقف ہیں۔ یہ ذرۂ بے مقدار ایک دور افتادہ فلک بوس پہاڑوں میں رہتا ہے۔ جہاں نہ کوئی کتب خانہ ہے اور نہ کوئی اہل نظر استاد ہی۔ جس سے استفادہ کیا جا سکے۔ غرضیکہ یہ کتاب انتہائی نامساعد اور پرآشوب حالات میں تیار کی گئی ہے۔ کتاب میں علامہ اقبال کے وہ منتشر اشعار بھی تلاش کر کے یکجا کئے گئے ہیں جو نادر و نایاب رسالوں میں مقید تھے۔ ان کے مطالعہ سے اقبال اور مودت آل محمدؑ کے ارتقائی مدارج پر بھی روشنی پڑ سکتی ہے۔

زیر نظر کتاب "وحی و الہام اور برہان امامت" جو بہت ہی نادر نایاب نسخہ تھا اس کا عکس مکمل طور پر کتاب کے آخر میں شامل کیا گیا۔ اصل نسخے کے آخر میں چار صفحوں کا "غلط نامہ محاضرۃ" بھی موجود تھا۔ وہ متن میں کاتب سے درست کرا کے اب خارج کر دیا گیا۔ مزید برآں متن میں قرآنی آیات کی نشاندہی مع ترجمہ اور فرہنگ الفاظ و تشریحات کے بھی اضافے کر دئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین و ناظرین راقم الحروف کی کتاب کا مطالعہ لطف نظر سے کریں گے اور اس کی خامیوں کے بارے میں اپنی بیش قیمت آراء سے آگاہ فرمائیں گے۔ کتاب کی ترتیب میں خفیف سی تکرار بھی نظر آسکتی ہے۔ اس کی موجودگی اس لئے مناسب سمجھی گئی کہ مضامین مختلف اوقات میں لکھے گئے تھے۔

میں پروفیسر سید محمد شاکر امروہوی (ناظمیہ کالج لکھنو) مولانا سید محمد اصغر زیدی (سلطان المدارس لکھنو) علامہ طالب جوہری (کراچی) سید اقبال حسین کاظمی (مرثیہ فاؤنڈیشن کراچی) پروفیسر سید نیر مسعود رضوی، چودھری سبط محمد نقوی، مولوی شیخ حسین لداخی، محمد امیر سجاد عاملی، محمد امیر عسکری قمی (محمود آباد ہاؤس لکھنو) ڈاکٹر شبیب رضوی، آغا سید محمد باقر رضوی (بڈگام) آغا سید رضا پالر (بڈگام) اور غلام حیدر خان (بڈگام) کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اپنی آراء اور قلمی تعاون سے نوازا۔

ناسپاس گزاری ہوگی کہ اگر جناب علی محمد تقی کی ممنونیت کا اظہار نہ کیا جائے۔ موصوف نے راقم الحروف کو مفید مشوروں اور پروف ریڈنگ کے بار گراں سے سبکدوش فرمایا۔

اکبر حیدری کشمیری

۳رشعبان ۱۴۲۲ھ (۲۱ راکتوبر ۲۰۰۱ء)

ہمدانیہ کالونی، بمنہ

سرینگر (کشمیر)

حواشی

۱۔ اقبال حضرت ابو حنیفہ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) کے عقیدت مند۔ ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق کے شاگرد تھے۔ (جوامع الکلم ص ۲۵۴: بندہ نواز گیسو دراز)

۲۔ لافتی جب جنگ احد میں فوج کفار نے لشکر اسلام پر حملہ کیا۔ تو رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا کہ دشمن پر حملہ کرو۔ علیؑ نے ایسا حملہ کیا کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور بہتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں نے یہ آواز غیب سے سنی۔

لَا سَیْفَ اِلَّا ذُو الْفِقَار وَلَا فَتیٰ اِلَّا عَلِیّ

ترجمہ: نہیں ہے کوئی تلوار سوائے علیؑ کے اور نہیں ہے کوئی جواں مرد سوائے علیؑ کے (تاریخ الکامل۔ جلد ۲، ص ۵۸، ۳، ۷۲، مدارج النبوت۔ شیخ محدث دہلوی جلد ۲ صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸)

۳۔ یہ نظم بانگ درا سے حذف کر دی گئی ہے۔

۴۔ اکبر الہ آبادی کی تائید میں ممتاز صوفیہ بھی علیؑ کی روحانی بادشاہت کو ظاہری خلافت پر ترجیح دیتے ہیں۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (جوامع الکلم صفحہ ۹۸۔۹۹) اور عبدالرحمن چشتی (مراۃ الاسرار (عکسی مخطوطہ کتب خانہ شبلی نعمانیہ لکھنو) لکھتے ہیں کہ:

خلافت بردو نوع است۔ خلافت کبریٰ و خلافت صغریٰ۔ خلافت کبریٰ خلافت باطنی است و خلافت صغریٰ خلافت ظاہری ست۔ خلافت کبریٰ مخصوص بہ امیر المومنینؑ بود بہ اجماع امت و خلافت صغریٰ میان امت مختلف فیہ است"

ترجمہ: (خلافت دو قسم کی ہے خلاف کبریٰ و خلافت صغریٰ۔ خلاف کبریٰ باطنی خلافت ہے اور خلافت صغریٰ ظاہری۔ خلافت کبریٰ بہ اجماع امت حضرت علیؑ کے لئے مخصوص ہے اور خلافت صغریٰ امت کے درمیاں مختلف فیہ ہے)

۵۔ کتاب شعبہ "الکلام" میں زیر نمبر ۱۲۰۷ موجود ہے۔

۶ فوائد الفواد۔ میر حسن علاء سنجری، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، بار چہارم ۱۹۰۸ص ۱۹۶، سیر الاولیاء از سید محمد بن مبارک صفحہ ۳۵۱۔۳۵۲، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ۱۹۷۸ء، مرآۃ الاسرار، عکسی مخطوطہ ندوہ لکھنؤ۔

۷ علامہ اقبال خواجہ صاحب کے عقیدت مندوں میں تھے۔ وہ انھیں پیر سنجر کہتے تھے۔ انہوں نے اسرار خودی میں خواجہ صاحب کی رباعی سے استفادہ کر کے امام حسین کے بارے میں ذیل کا شعر کہا۔ جو یادگار زمانہ ہے۔

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است

حاشیے میں علامہ نے لکھا ہے "حقا کہ بنائے لا الہٰ ہست حسینؑ" (خواجہ معین الدین چشتی)

۸ ہشت و چار ۱۲۔ یعنی بارہ امام

۹ علامہ اقبال کے روحانی پیر و مرشد تھے۔ علامہ نے اپنی جملہ تصانیف میں رومیؔ کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے۔ انہوں نے رومی کی مثنوی اور تعلیمات سے خوب استفادہ کیا ہے۔

۱۰ سمعانی (م ۵۶۲ھ) نام ابو سعید عبد الکریم بن محمد السمعانی۔ آپ چھٹی صدی ہجری کے مشہور فقیہ اور بزرگان علم و ادب میں تھے۔ مرو میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم کے لئے رے، ہمدان، عراق، حجاز، شام اور موصل کا سفر کیا۔ وہاں کے جلیل القدر علما سے علوم و فنون حاصل کئے۔ آپ علم حدیث اور اخبار میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں "کتاب الانساب" مشہور و معروف ہے۔ اس میں چار سو سے زاید بزرگان دین کے حالات ہیں۔ دیگر تصانیف میں تاریخ مرو قابل ذکر ہے۔ الانساب پہلی مرتبہ حیدر آباد میں ۱۹۶۲تا۱۹۸۲) چھپ چکی ہے

۱۱ یہ رباعی "مسجد شاہمدان کے منبر کے اوپر منقوش کی گئی ہے۔ اسے کشمیر میں علی اصغر حکمت نے بھی دیکھی تھی۔ ملاحظہ ہو "نقش پارسی بر احجار ہند" صفحہ ۶۶،

۱۲ پیر سنجر سے مراد خواجہ اجمیری ہے جو ہجویری کے مزار پر تشریف لائے تھے۔

۱۳A امیر خسرو نے مطلع الانوار میں وہ واقعہ بھی بیان کیا ہے جس میں ایک کافر پہلوان نے علی کے ساتھ انتہائی بے ادبی کی تھی۔

۱۳ جنگ صفین علی اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اس میں معاویہ کی طرف سے کئی اصحاب رسول قتل کئے گئے تھے۔ ان میں عمار بن یاسر اور جناب اویس قرنی قابل ذکر ہیں۔ رسولؐ نے پیش گوئی کی تھی کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

قتل عمار سے فوج معاویہ میں اضطراب پیدا ہوا۔ معاویہ نے کہا کہ عمار کے قاتل علی ہیں جنہوں نے عمار کو ہم میں ڈال دیا۔ اس کے جواب میں علی نے کہا کہ گویا وہ کہتا ہے کہ

حضرت حمزہؓ کے قاتل رسولؐ مقبول ہیں کیوں کہ انہوں نے ہی جناب حمزہؓ کو کفار سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ صفین کی لڑائی کے بعد ۳۸ھ میں جناب محمد بن ابی بکرؓ بھی مصر میں قتل کئے گئے۔ اور ان کی لاش جلائی گئی تھی۔ اس اندوہناک ہلاکت سے اُم المومنین حضرت عائشہؓ بہت رنجیدہ ہوئیں اور ہر نماز کے بعد معاویہ اور عمرو عاص کو بددعا اور نفرین کرتی تھیں۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۶۰ و صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۸، تاریخ خمیس (م ۹۶۶ء) جلد ۲ صفحہ ۳۰۹) معاویہ نے ہی جلیل القدر صحابی رسولؐ حضرت ابوذر غفاری کو انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں جلاوطن کیا تھا ان کے بارے میں حدیث رسولؐ ہے کہ چشم فلک نے روئے زمین پر ایسے سچے آدمی کو نہیں دیکھا ہے۔

مشہور صوفی حسن بصری (م ۔ ۱۱۰ھ) کا قول تھا کہ معاویہ نے چار باتیں ایسی کیں جن میں سے ایک بھی ہو تو وہی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ اول جاہلوں کی مدد سے بغیر امت کے مشورہ کے خلافت پر قبضہ کیا۔ حالانکہ اس وقت اصحاب رسولؐ اور صاحبان فضیلت موجود تھے۔ دوسرے اپنے بیٹے کو جو شراب خوار نشہ باز تھا اور ریشم پہنتا اور طنبورہ بجایا کرتا تھا اپنا جانشین بنایا۔ تیسرے زیاد کو اپنے باپ ابو سفیان کا بیٹا قرار دیا حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا کہ بیٹا اسی کا قرار دیا جا سکتا ہے جو اصلی شوہر ہو۔ اور زنا کار کے لئے بس پتھر ہے۔ چوتھے حجر اور اصحاب حجر کا قتل کرنا (تاریخ الکامل، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۴۵)

دوسرا قول حسن بصری کا یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے ذمہ دار دو شخص ہیں۔ ایک عمر بن العاص۔ جس نے معاویہ کو قرآن نیزوں پر بلند کرنے کی رائے دی تھی چنانچہ وہ بلند بھی کئے گئے۔ اور دوسرے مغیرہ جس نے معاویہ کو یزید کی بیعت لینے کا مشورہ دیا۔ اگر مغیرہ کی رائے نہ ہوتی تو قیامت تک انتخاب کا اصول قائم رہتا۔ معاویہ کے بعد جو تخت نشین ہوئے وہ سب کے سب معاویہ کی مثال کے مطابق اپنے بیٹوں کی بیعت کراتے رہے (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۹۶، تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۵۷) علامہ اقبال نے خوب کہا ہے ؎

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

۱۴ یہ خط اقبال نے ۷ نومبر ۱۹۲۰ء کو مولانا گرامی کے نام لکھا تھا اور اس نظم کو قابل غور اور حیرت انگیز قرار دیتے تھے۔

۱۵ اس منقبت کے بہت سے شعر ہیں۔ مقالہ نگار نے صرف سات شعر نقل کئے ہیں۔ مزید چند اشعار یہ ہیں ؎

ہم اول وہم آخر وہم ظاہر و باطن   ہم عابد وہم معبد و معبود علی بود

ہم آدم و ہم شیث و ہم ادریس ہم ایوب — ہم یوسف و ہم یونس ہم ہود علی بود
ہارون ولایت کہ پس از موسیٰ و عمراں — واللہ کہ علی بود علی بود علی بود
ایں کفر نہ باشد سخن کفر نہ ایں است — تا ہست علی باشد و تا بود علی بود
عیسیٰ بوجود آمد و فی الحال سخن گفت — آں نطق و فصاحت کہ بدو بود علی بود
موسیٰ و عصا و ید بیضا و نبوت — در مصر بفرعون کہ بنمود علی بود
جبرئیل کہ آمد ز بر خالق بیچوں — در پیش محمدؐ شد و مقصود علی بود
آں نکتہ تحی بشنو تا کہ بدانی — آں یار کہ او نفس نبیؐ بود علی بود
چنداں کہ نظر کردم و دیدم بحقیقت — از ہر دو جہاں مقصد و مقصود علی بود
آں قلعہ کشائے کہ در قلعۂ خیبر — برکند بیک حملہ و بکشود علی بود
آں مرد سرافراز کہ اندر رہ اسلام — تا کار نشد راست نیاسود علی بود
سرِ دو جہاں جملہ ز پیدا و ز پنہاں — شمس الحق تبریز کہ بنمود علی بود

۱۶۔ غلو۔ مرتب کتاب کا یہ کہنا غلو ہے کہ حکیم سنائی نے حضرت علیؑ کی منقبت میں کسی قسم کا غلو کیا ہے۔ علمائے لغت نے غلو کے یہ معنی لکھے ہیں کہ غلو مبالغہ کی ایک قسم ہے جو عقل اور عادت دونوں کے لحاظ سے ناممکن ہو۔ ظاہر ہے کہ کسی شے کو اس کی حد سے بڑھانا اور دوسری حد سے ملانا یا یہ کہنا کہ حد سے بڑھا دیا یا گھٹا دیا۔ اسی وقت درست ہوگا جبکہ ایسا کرنے یا کہنے والا ہر دو حدود کا عارف کامل ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ زید نے رسول اللہؐ کو تعریف میں خدا سے بڑھا دیا یا علیؑ کو رسولؐ سے بڑھا دیا تو اسے غلو کہتے ہیں اور یہ غلط اور عقل کے خلاف ہے۔ نصیری حضرت علیؑ کے معجزات اور محیر العقول کرامات دیکھ کر انہیں خدا سمجھ کر ان کی پرستش کرنے لگے۔ اسلام نے انہیں کافر قرار دیا۔ حکیم سنائی نے اپنے اشعار میں ہرگز غلو نہیں کیا۔ انہوں نے قرآن و احادیث کی روشنی میں حقیقت کا اظہار کیا۔ کیا رسولؐ نے غدیر خم کے موقعہ پر یہ نہیں فرمایا تھا کہ من کنت مولا فھذٰ علی مولا۔ یا علیؑ اور ہم ایک ہی نور سے ہیں" یا جس نے علیؑ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا۔ سنائی نے اسی حقیقت کا اظہار اپنی مثنوی حدیقہ میں کیا۔ تو مقالہ نگار نے ایسے اشعار کو الحاقی قرار دیا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست



شیخ الملۃ حجۃ الاسلام سرکار علامہ الشیخ عبد العلی الہروی الطہرانی اعلی اللہ مقامہ



سرکار علامہ شیخ عبدالعلی ہروی

ماہرین اقبالیات نے اپنی کتابوں میں اقبال کے اساتذہ کا ذکر تفصیلات کے ساتھ کیا ہے۔ان میں سید میر حسن سیالکوٹی کو خصوصیت و امتیاز کے ساتھ پیش کیا ہے۔اقبال نے میر صاحب سے ابتدائی تعلیم میں استفادہ کیا۔کتابوں میں اقبال کے ایک اور استاد کا ذکر ملتا ہے۔ان کا نام گرامی سرکار علامہ شیخ عبدالعلی ہروی تھا۔اکثر و بیشتر لوگ ان کے نام سے ہنوز ناواقف ہیں۔ سال ۱۹۷۷ پاکستان میں سال اقبال بڑے جوش و خروش سے منایا گیا اور اقبال کے جشن ولادت کے موقعہ پر بے شمار کتابیں وجود میں آگئیں۔اقبال کے معاصرین پر بھی متعدد کتابیں شائع ہوئیں۔ان میں محمد عبداللہ قریشی کی کتاب "معاصرین اقبال کی نظر میں" قابل ذکر ہے۔افسوس کا مقام ہے کہ کسی بھی شخص نے بھولے سے بھی اقبال اور علامہ ہروی کے تعلقات پر ذرا سی نظر ڈالنے کی زحمت نہیں کی۔ہم نے اقبال اور علامہ موصوف کا اجمالی ذکر اپنے ایک مضمون" آغا شاعر قزلباش دہلوی "مطبوعہ" باز یافت" کشمیر یونیورسٹی ۱۹۸۵ء میں کیا ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ہروی کے حالات زندگی ذیل میں درج کئے جائیں!۔

علامہ ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد حاجی شیخ احمد بن شیخ ابراہیم سے حاصل کی۔موصوف شہر ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے۔کمال ذہانت کے ساتھ طبیعت میں ظرافت اور خوش طبعی موجود تھی۔چھوٹی سی عمر میں اپنے والد کے وعظ میں شریک ہوتے اور کہیں کہیں ٹوک کر بحث بھی کرنے لگتے۔والد آپ کو جھڑک کر خاموش کرانے کی کوشش کرتے تو فرماتے کہ دھمکانے سے مسئلہ تو حل نہیں ہوا۔وہ تو اپنی جگہ قائم رہا۔حافظہ بلا کا تھا۔جو ایک دفعہ سن لیتے حفظ ہو جاتا تھا۔غالباً دس برس کے ہوں گے کہ ماہ رمضان میں ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ والد

گھر میں موجود نہ تھے۔ ان کا معمول تھا کہ سحری کے وقت ہمیشہ دعائے ابوحمزہ ثمالی پڑھا کرتے تھے اور علامہ کی والدہ کو بھی پڑھایا کرتے تھے۔ اس شب وہ دعا نہ پڑھ سکیں۔ یہ جاگ رہے تھے۔ کہنے لگے میں پڑھائے دیتا ہوں۔ دعا والد ماجد سے سنتے سنتے یاد ہوگئی ہے۔ چنانچہ حفظ دعائے ابوحمزہ ثمالی پڑھادی۔ ماں نے سجدہ شکر ادا کیا اور ازدیاد علم کی دعا دی۔

امیر عبدالرحمان خان والی افغانستان کے زمانے میں شیعوں پر رفض کے فتوے لگا کر سختی کی گئی تو شیخ اور ان کے خاندان کے لوگ جان بچا کر مشہد مقدس چلے گئے۔ وہاں بعض مدارس بالخصوص مدرسۂ جعفریہ میں داخل رہے۔ چند ہی سال گزرے تھے کہ بعض مطالب اصولیۂ علیہ پر ایسی مدلل اور زبردست تقریریں کیں کہ اساتذہ نے علامہ سے کہا کہ "آپ کو ان کتب کے درس میں شریک ہونے کی اب چنداں ضرورت نہیں اب خود ایسی تمام کتب پر نظر ڈالی جائے۔ بس کافی ہے۔"

اس کے بعد اپنے طور پر مطالعہ شروع کیا تو اول کتب فقہ بعد میں کتب احادیث، پھر کتب تفسیر جہاں تک مل سکیں دیکھیں۔ ساتھ ہی قرآن مجید میں تدبر و تامل تفقہ شروع کیا اور اس تدبر و تفکر کی بدولت اس مقام پر پہنچے جہاں دوسروں کی رسائی بہت کم ہوتی ہے۔ علوم ظاہری کے بعد قدوۃ الزاہدین محمد اکبر ترشیزی سے علوم باطنی حاصل کئے۔ نماز تہجد بلاناغہ باغسل ادا فرماتے تھے اور آخری عمر میں صاحب کرامت ہوگئے تھے۔

علامہ عبدالعلی ہروی کئی زبانوں کے ماہر تھے۔ فارسی تو ان کی مادری زبان تھی ہی۔ عربی تحریر و تقریر پر بھی قدرت حاصل تھی۔ ترکی اور فرانسیسی بھی جانتے تھے۔ روسی اور انگریزی سے بھی واقف تھے۔ پشتو، پنجابی اور سندھی ہندوستان میں آکر سیکھی۔ اُردو میں تو چھوٹی موٹی تقریر بھی کر لیتے تھے۔ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں آگرہ کے منبر پر دیر تک اُردو میں وعظ فرمایا۔

علامہ موصوف نے کئی ممالک کی سیاحت بھی کی تھی۔ مصر بھی گئے تھے۔ وہاں لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ جرمنی میں لائبریرین رہے۔ اس لئے مختلف زبانوں میں مطالعہ کرنے کا موقعہ فراہم ہوا۔ جس سے گفتگو کرتے تھے اس کا دامن دل اپنی طرف کھینچتے تھے۔

جب آپ کی عمر ۳۰ سال کی ہوئی تو بعض حکام مشہد اور بعض شاہزادگان اور اہل علم کے ذریعے آپ کے تبحر علمی کی خبر تخت ایران تک پہنچی۔ ناصر الدین قاچاریہ نے طلب کیا۔ طہران پہنچے۔ سلطنت کی طرف سے جاگیر ملی اور تھوڑے ہی عرصے میں نائب وزیر خارجہ یا دوسرے لفظوں میں افسر مہمات خارجہ کے منصب پر ممتاز ہوئے۔ جس سال ایران میں تمباکو کے متعلق

سرکار میرزا کی طرف سے ایک فتویٰ شائع کیا گیا علامہ بروی اس وقت طہران ہی میں تھے۔ وہابیوں کا طوفان بھی اسی زمانے میں اٹھا۔ ناصر الدین شاہ نے قتل عام کا حکم دیا۔ آٹھ ہزار بابی قتل ہوئے......وزیر اعظم میرزا محمد تقی خان غالباً خود بھی بابی تھا وہ شاہ اور اس کے حامیوں کا جانی دشمن ہوگیا۔

ناصر الدین شاہ مرحوم نے ادارۃ المعارف قائم کیا اور وہ شاہ کی زندگی تک حضرت علامہ ہی کے زیر نگرانی رہا۔ آپ نے مدارس کی خاص طور سے اصلاح کی اور ایک مکتب ایسا قائم کیا جس میں رہ کر طالب علم چند ہی برس میں عربی، فارسی، فرانسیسی، ترکی اور انگریزی پانچ زبانوں سے بہ یک وقت آگاہ ہو جاتا اور معمولی تحریر و تقریر کرسکتا تھا۔ مگر ناصر الدین شاہ کے قتل کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

ایران میں ایک شخص نے ایک قرآن شریف اس خاص اہتمام سے طبع کرایا کہ اس کے حاشیے پر کل احادیث و روایات جمع کردیں جو تفاسیر قرآن کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ شاہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا بہت ہی پسند کیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ اگر کوئی عالم ان تمام احادیث و روایات مختلفہ کی تصحیح و تنقید کردے تو ایسی مکمل تفسیر قرآن تیار ہو جائے کہ جس کے بعد کسی اور تفسیر کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ علامہ نے شاہ سے اس کام کے لئے بارہ علماء کا مطالبہ کیا۔ یعنی دو فلسفی، دو متکلم، دو فقیہہ، دو ادیب، دو مفسّر، دو محدّث۔ شاہ نے منظور کیا اور تمام مصارف و مخارج بھی منظور ہوگئے۔ علامہ نے یہ مبارک کام شروع کیا اور چھ ماہ میں صرف استعاذہ کی تفسیر مکمل کی۔ اور ڈیڑھ سال میں "اِهْدِنَــا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" تک پہنچے۔ اس کے صرف چار سو نسخے اس غرض سے طبع کرائے گئے کہ دیگر علماء کی خدمت میں بھیجے جائیں تاکہ وہ بھی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ سب نے پسند کیا اور سو اشرفیاں بادشاہ سے انعام میں ملیں۔ مگر یہ مفید کام بھی شاہ کے میرزا احمد بابی کے ہاتھ سے قتل ہو جانے کے بعد رک گیا اور ادارہ بھی ٹوٹ گیا۔

مظفر الدین شاہ نے سفر یورپ سے واپس آتے ہی روس سے پینگیں بڑھانی شروع کیں اور ساٹھ لاکھ منات (طلائی سکہ مثل پونڈ) قرض لیا جس سے ملک کے خیر خواہوں میں کھلبلی مچ گئی۔ علامہ نے آنے والی تباہی کا اندازہ کر کے ہندوستان کا رُخ کیا اور ماسکو، برلن، پیرس، اسکندریہ، مصر، قسطنطنیہ اور عراق ہوتے ہوئے کراچی پہنچے۔ دو سال وہاں بالکل خاموشی کے عالم میں رہے۔ پھر کراچی سے شکار پور سندھ وغیرہ میں رہے اور وہاں سے پنجاب چلے آئے۔ اکثر مالیر کوٹلہ، پٹیالہ اور لاہور میں قیام رہا۔ یہیں آپ کے جوہر کھلے۔ آپ نے ۱۹۰۳ سے وعظ کہنے

شروع کیے جن کا ترجمہ کیا جاتا تھا۔ اس بیں اکیس برس میں دین اسلام اور قرآن پاک کی وہ خدمت کی کہ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں۔ سرعلی امام، مسیح الملک حکیم اجمل خان، حکیم محمد احمد، ڈاکٹر اقبال، نواب سرذوالفقار علی خان، آنریبل خواجہ غلام الثقلین، شیخ اصغر علی کمشنر جیسے عالی دماغ، آزاد خیال، تعلیم یافتہ، پختہ مغز اور باخبر و بابصیرت حضرات نے بھی علامہ سے فیض پایا۔ استفادہ کیا اور ان کے تبحر علمی کو تسلیم کیا[1]

جناب مولانا حالی مرحوم کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ دو سو سال کے عرصے میں ہندوستان میں ایسا جید عالم نہیں آیا۔ مولانا محمد سبطین[2] صاحب خواجہ غلام الثقلین[3] کے رسالہ ''عصر جدید'' سے حالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

> ''میں نے سریندر ناتھ بینرجی، نواب محسن الملک اور سرسید کی پرزور اسپیچیں اور لیکچر سنے۔ لارڈ کرزن کی دھواں دھار تقریریں سنیں۔ لیکن سب لوگ شیخ ہروی کے مقابلے میں کوئی چیز معلوم نہیں ہوتے۔ یہ مغز اور یہ عمق کسی میں نہیں پایا گیا''۔

ایک اور موقعہ پر حکیم اجمل خان صاحب جن کے یہاں دسمبر 1915 میں مجلس پڑھی تھی: فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایسا عالم نہیں دیکھا۔ پہلا ہی وعظ دہلی میں علامہ کا سن کر انہوں نے فرمایا تھا جس کو ہم نے خود سنا تھا ''ما سمعته قط'' میں نے ایسا وعظ کبھی نہیں سنا (اور اب بھی) زمانۂ مرض میں حکیم صاحب نے فرمایا کہ میں نے عراق بھی دیکھا ہے اور شام بھی، مصر بھی اور یورپ بھی اور ہندوستان میں اکثر علماء کو دیکھا اور سنا ہے خصوصاً ان چند سال کے عرصے میں، میں نے اس پایہ کا عالم نہیں دیکھا۔ جناب مولانا سید محسن علی شاہ صاحب (مرحوم) فرمایا کرتے تھے کہ جناب مولانا سید عنایت علی صاحب اعلی اللہ مقامہ جیسے متکلم لاثانی و فاضل اجل فرماتے تھے کہ تیس تیس سال کے بعض شبہات شیخ علامہ نے ہی حل کیے ہیں۔[4]

علامہ ہروی بڑے پائے کے عالم تھے۔ کمال معلومات وسعت بیان اور ذہانت و روحانیت کا یہ حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ بیان کر دی وہ دوبارہ نہ آئی۔ خوش تقریر تھے، مگر لکھنے میں زیادہ جری نہ تھے۔ جب کچھ لکھنے کا قصد کرتے تو مضامین کا یہ عالم تھا کہ چاروں طرف سے فوج در فوج حملہ کرتے کہ علامہ ان کا انتظام نہ کر سکتے۔ اکثر یہی ہوتا کہ اہل علم انہیں چھیڑ کر جواہرات علمیہ سے جھولیاں بھر لیتے پھر بھی تفسیر قرآن کے علاوہ ایک رسالہ مسئلہ قضا و قدر پر، تجسیم اعمال پر، ایک ثبوت معاد جسمانی بدلائل فلسفہ طبعی پر علامہ نے لکھا تھا جو ایران میں شائع

ہوئے۔ یہاں علامہ کی تصانیف سے ایک مسودہ تھا جس کے اکثر مباحث ومطالب امامت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کچھ نوٹ اور اشارات تھے مگر قدرت نے ان کی ترتیب کا موقعہ نہ دیا" مواعظ حسنہ" مرتبہ مولانا محمد سبطین آپ کے چند مواعظ کا مجموعہ ہے۔ علامہ کے خاص اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مضمون ہے جو عربی میں ہے۔ اس میں آپ نے آیۂ مجیدہ " انا کل شی خلقناہ بقدر " کی تفسیر پر ایک سنی المذہب افغانی عالم کے سوال کا جواب دیا ہے۔ یہ لاہور کے ایک ماہنامہ " البرہان" میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ رسالہ بھی علامہ ہروی کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا۔

علامہ سرکار شیخ عبدالعلی ہروی نے ۹ دسمبر ۱۹۲۲ء مطابق ۷ ار ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ شب شنبہ اس عالم فنا سے عالم بقا کو رحلت فرمائی۔ اِنّا لِلّٰہِ و اِنا اِلَیہِ راجِعُون۔ علامہ کی عمر مرنے کے وقت ۶۳ سال کی تھی۔ نواب محمد علی خان قزلباش لاہور کی کوٹھی سے تابوت اٹھایا گیا اور گاے شاہ کی کربلا میں امانت رکھا گیا۔ ۶ جون ۱۹۳۶ء کو تابوت کھولا گیا۔ کفن تبدیل کیا گیا اور نجف اشرف لے جا کر قریب ضریح حضرت ہود وحضرت صالح دفن کیا گیا۔ ان کے انتقال پر بہت سے لوگوں نے تاریخیں کہیں۔ سید علمدار واسطی نے "**یاد مغفور**" کہی۔ ان کے ایک مرثیے کا ایک بند پیش کیا جاتا ہے۔

پیدا آخر ہوئے نئے ساماں — درد کا اپنے مل گیا درماں
یعنی علم نجوم و عرفاں — ہند میں آیا چھوڑ کر ایراں
ناطقے بند کر دیئے سب کے — کٹ گئی گویا معترض کی زباں
ہو گئے چپ مذاہب عالم — سن کے اس کے دلائل و برہاں
خود پکار اٹھے فلسفہ سائنس — واقعی ہے کتاب حق قرآں
فخر کرتے تھے اس پہ فقہ وحدیث — اس پہ تفسیر و ترجمہ نازاں

کون تھا وہ وحید لاثانی
شیخ عبدالعلی طہرانی

سید علمدار حسین تخلص علمدار (واسطی ہنوڑی) پیالہ مخزن لاہور کے لکھنے والوں میں تھے۔ شیخ عبدالقادر ایڈیٹر ان کے کلام کی ابتدا میں مخزن میں تمہیدی اور توصیفی نوٹ بھی لکھا کرتے تھے۔ ان کی تخلیقات اکبر الہ آبادی، ڈاکٹر اقبال، میر نیرنگ انبالوی، شاد عظیم آبادی، ناظر، سرور جہان آبادی، حسرت موہانی، حبیب کنتوری اور آغا شاعر قزلباش وغیرہ کے پہلو بہ پہلو شائع ہوتی تھیں۔ شعراء میں وہ پسندیدگی ہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ اقبال کی طرح اقبال سے پہلے

انہوں نے فلسفیانہ خیالات کا اظہار اپنی نظموں میں کیا ہے۔ مثال کے طور پر موصوف کی نظم ''جگنو کا راگ'' پیش کی جا سکتی ہے۔ اس میں ۲۲ شعر ہیں اور یہ اقبال کی جگنو (مطبوعہ دسمبر ۱۹۰۴) سے قبل مخزن بابت جون ۱۹۰۳ میں شائع ہوئی تھی۔ غرضیکہ علم دوست حضرات ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''جس زمانہ میں خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم ریاست مالیر کوٹلہ میں چیف جج تھے اور راقم کو اکثر مالیر کوٹلہ جانے اور خواجہ صاحب کو ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ایک دفعہ خواجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ آج کل یہاں ایک ایسا تبحر اور کامل عارف موجود ہے کہ عمر بھر میں اس جامعیت کا انسان دیکھنے میں نہیں آیا۔ اگر آپ ان سے کوئی دقیق سے دقیق اور باریک سے باریک مسئلہ دریافت کریں اور یہ کہہ دیں کہ میں اس کا جواب محض قرآن سے چاہتا ہوں۔ حدیث کا ذکر نہ آئے تو تاوقتیکہ قرآن ہی سے آپ کا اطمینان نہیں کر دیں گے۔ خاموش نہیں ہوں گے۔ یا مثلاً آپ کہیں کہ میں حدیث سے اس کا جواب چاہتا ہوں۔ قرآن سے استدلال نہ کیا جائے تو وہ حدیث کے احاطے سے ایک انچ بھی باہر قدم نہ رکھیں گے اور حدیث ہی سے آپ کا اطمینان فرمائیں گے۔ یا محض فلسفے سے یا سائنس سے یا عقل سے غرض جس پہلو سے بھی آپ جواب چاہیں گے وہ اسی سے اطمینان قلب فرمائیں گے اور یہ بھی کہا کہ ایک آدھ بار ایسا بھی اتفاق ہوا کہ کسی مسئلہ میں سائل نے کہا کہ میرا اطمینان نہیں ہوا تو انہوں نے فرمایا اچھا کل صبح اس کا جواب دوں گا اور صبح کو جواب دیا تو ایسا تھا کہ گویا اس سے پہلے جو کچھ فرمایا تھا کچھ بھی نہ تھا اور سائل کا بالکل اطمینان ہو گیا''۔[۴]

خواجہ صاحب مرحوم نے یہ بھی فرمایا:

> ''کہ جہاں تک میرا علم و یقین ہے اس بزرگوار کو حضرت حجتؑ کی زیارت ہوئی ہے اور ہر اہم امر میں یہ حضرت کی تائید اور ارشاد سے جواب دیتے ہیں۔ یہ ہیں سرکار علامہ شیخ عبدالعلی ہروی جن کی خدمت میں اپنا تمام خالی وقت صرف کرتا ہوں''۔[۵]

جناب علمدار صاحب مرحوم کی تائید مشہور زمانہ ماہر تعلیم، خواجہ الطاف حسین حالی کے

نواسے اور خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند جناب ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین مرحوم سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک اور کتاب جس نے مجھ پر کافی اثر کیا ہے علامہ عبدالعلی ہروی کی ''مواعظ حسنہ'' ہے۔ یہ علامہ مرحوم کی دس بارہ تقریروں کا ترجمہ ہے جسے مولوی محمد سبطین صاحب لدھیانوی نے جمع کر کے شائع کیا ہے۔ غالباً بہت سے حضرات علامہ مرحوم کے نام اور شہرت سے واقف نہ ہوں گے۔ علامہ عبدالعلی مرحوم شائد ۱۹۰۳ میں ایران کے سیاسی انقلاب کی وجہ سے ہندوستان آئے تھے۔ اس زمانے میں والد مرحوم مالیر کوٹلہ میں جج تھے اور وہیں ان کی ملاقات علامہ موصوف سے ہوئی۔ والد مرحوم کو ''پیشہ ور'' مولویوں کے بارے میں زیادہ خوش فہمی نہ تھی وہ محض خوش عقیدگی کی بنا پر ہر مولوی کے قائل نہ ہو جاتے تھے۔ لیکن انہیں کئی ماہ مسلسل علامہ موصوف کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا اور انہوں نے ان سے صرف مذہب اور فلسفۂ قدیم پر بلکہ علوم جدید پر بھی لمبی لمبی بحثیں کیں اور یہ انداز لگایا کہ وہ واقعاً ایک زبردست اور متبحر عالم ہیں جنہوں نے دقت نظر سے مذہب اور علوم جدیدہ کا مطالعہ کر کے درجۂ اجتہاد حاصل کیا ہے۔ یعنی انہیں اپنی علمی قابلیت اور جدت فکر کی بدولت یہ حق حاصل ہے کہ وہ مذہبی مسائل میں اجتہاد کر سکیں۔ اس وقت سے والد مرحوم ان کا ترجمہ فارسی سے اُردو میں فی البدیہہ بیان کر دیتے تھے۔ یہ خدمت بعض اوقات مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب مرحوم اور مولوی محمد سبطین صاحب انجام دیتے تھے اور یہ تینوں حضرات ان کی پر مغز اور بصیرت افروز تقریروں اور ان کی ذہنی جودت کے مداح تھے۔ میں نے بھی بعض ان کی شگفتہ فارسی تقریریں سنی ہیں۔ منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ جی چاہتا تھا کہ ''وہ کہیں اور سنا کرے کوئی''۔ مواعظ حسنہ میں ان کی جو تقریریں شائع ہوئی ہیں وہ دراصل مجالس عزا کے موقع پر کی گئی تھیں اور ان کے سب کے آخر میں سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کا بیان ہے۔ لیکن ہر تقریر میں قرآن شریف کے مطالب اور اسلامی اخلاق کے اصولوں کو اس قدر عمدگی اور ندرت خیال

کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان کو پڑھکر اسلام کے بلند تصور حیات کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کچھ تو ان کی غیر معمولی طور پر جاذب شخصیت کا سحر ہو گا اور کچھ ان تقریروں کی خوبی، بہر حال جب میں نے اس کتاب کو پڑھا تھا تو مجھ پر اس کا بہت کافی اثر پڑا تھا''۔[۷]

جناب سید علمدار حسین واسطی ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:

''تقریباً ۱۹ سال ہوئے ۱۹۰۳ میں علامہ ہروی نے پٹیالے میں مجلس پڑھی تھی اور بزم عزا میں اول اول ہم نے اس مرکز علم کی زیارت سے دیدۂ دل روشن کیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا گویا فرشتۂ رحمت آسماں سے منبر پر اتر آیا ہے۔ بیان کی روانی اور زور کا یہ عالم تھا مگر سامعین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا مسحور ہو گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ شربت ان کو کانوں کی راہ سے برابر پلایا جاتا رہے۔ اس وقت مولوی محمد تقی صاحب مرحوم مالیر کوٹلہ آپ کے ترجمان تھے جو بذریعہ ترجمہ ان نکات و اسرار قرآنی کو اُردو میں بطور قند مکرر سامعین کے ذہن نشین کرتے جاتے تھے۔

اربعین کی مجالس تھیں۔ یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔ شہرت ہو گئی۔ سنی، شیعہ، آریہ، ہندو غرض ہر فرقہ کے اہل ذوق مجلس میں آنے لگے۔ ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ ایک یا دو دفعہ سامعین میں سے بعض اشخاص نے کسی مسئلے پر یا طریق استدلال پر بر سر مجلس اعتراض بھی کیا۔ مگر شیخ نے اصل سلسلہ کو چھوڑ کر تاوقتیکہ معترض کی تشفی نہیں فرما دی آگے نہیں بڑھے''۔[۸]

ایک اور بلند پایہ محقق جناب مولانا مرتضیٰ حسین فاضل مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''ایران کے نامور عالم اور قرآن مجید و فلسفہ کے عظیم ترین ماہر علامہ ہروی۔ آپ کی اگرچہ فارسی زبان تھی لیکن مغربی پاکستان میں عموماً لاہور یا سابق پنجاب میں خصوصاً آپ کی مجلس خوانی نے بڑے گہرے اثرات چھوڑے۔ آیات قرآنی سے استدلال لفظ لفظ پر قرآن مجید سے سند آپ ہی پر ختم ہوئی''۔[۹]

سید مرتضیٰ حسین عرف للن صاحب لکھنؤ کی ایک دلچسپ ادبی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ لاہور کے نواب فتح علی خان قزلباش اور ان کے بھائی نواب محمد علی خان قزلباش سے بخوبی واقف

تھے۔ کئی سال تک موخر الذکر کے بچوں کے اتالیق رہ چکے تھے اور انہی کی کوٹھی میں رہتے بھی تھے۔ لاہور میں اقبال سے ملنے کا شرف بھی رہتا تھا۔ میں نے للّن صاحب کو اس وقت دیکھا جب میں ۱۹۶۸ میں راجہ صاحب محمود آباد کے نادر الوجود کتب خانے میں ڈی لٹ کی تیاری میں مصروف تھا۔ وہ کافی سن رسیدہ اور ضعیف ہو چکے تھے اور محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ میں ہی قیام کرتے تھے۔ موصوف اس خاندان کے بچوں کے بھی اتالیق تھے اور پنشن بھی پاتے تھے۔

مخطوطہ خوانگی میں للّن صاحب کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ خط شکست ایسی عمدگی سے پڑھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ پورا مخطوطہ زبانی یاد ہے۔ اللہ نے انہیں ایسا حافظہ دیا تھا کہ مجھے اس پر رشک آتا تھا۔ فردوسی، عرفی، حافظ، سعدی، قاآنی، میر تقی میر، میر حسن، میر انیس، مرزا غالب، مرزا دبیر، اقبال، ثاقب، ریاض، عزیز وغیرہ کے سینکڑوں اشعار نوک زبان تھے اور راجہ صاحب اور مہاراجکمار صاحب کی محفل میں موقع کی مناسبت سے پڑھتے تھے۔ للّن صاحب کسی زمانے میں پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کے ساتھ بھی ان کے کتب خانے میں کام کرتے تھے۔ ادیب مرحوم بھی ان کے حافظے کی داد دیتے تھے۔ مجھے بھی للّن صاحب سے استفادہ کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ ۲۵ سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ مرحوم کے پاس ایک ڈائری تھی۔ ان کے انتقال کے بعد یہ ڈائری ایک ریٹائرڈ ریلوے ملازم جناب عابد علی خان کے پاس تھی۔ وہ رانی صاحب محمود آباد کے مختار تھے۔ میں اکثر و بیشتر ان کو محمود آباد ہاؤس میں ہی دیکھتا تھا۔ اب وہ نظر نہیں آتے ہیں۔ بڑے صاحب ذوق تھے۔ غالباً مرحوم ہو چکے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ڈائری کہاں گئی اور کس کے پاس ہے۔ للّن صاحب ڈائری میں علامہ ہروی اور اقبال کی ملاقاتوں کا ذکر یوں کرتے ہیں:-

> "میں عرصے تک لاہور کے خاندان قزلباش میں اتالیق کی حیثیت سے مامور تھا۔ نواب فتح علی خان قزلباش (متوفی ۱۹۲۳ء) کا خاندان لاہور میں بابرکت تھا۔ ان کی خدمات جلیلہ دربار اثنا عشر میں بہت زبردست رہی ہیں۔ مولانا گرامی بھی چار سال تک اس خاندان میں اتالیقی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ قزلباشوں کی زبان فارسی ہوتی ہے۔ اب تک گھروں میں فارسی بولی جاتی ہے۔ ہر چند کہ وہ ایرانیوں سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ تاہم فارسی مادری زبان کا درجہ رکھتے ہوئے وہ فارسی زبان میں بھی گفتگو کرتے تھے۔ گرامی سے اقبال کے مراسم کا آغاز یہیں ہوا

تھا۔علامہ ہروی قبلہ نواب محمد علی خان جنہیں کربلائی نواب بھی کہتے تھے ان کے یہاں قیام پذیر تھے۔ میں نواب کربلائی کے بچوں کو پڑھاتا تھا اور علامہ ہروی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتا تھا۔اس زمانے میں ایرانی لوگ اکثر نواب صاحب کی کوٹھی میں ہی آکر رہتے تھے اور اقبال بھی مدعو کیے جاتے تھے۔نواب صاحب مذہبی اعتبار سے یقیناً علامہ ہروی کی تعظیم وتکریم کرتے تھے لیکن ان کی صحبت میں بیٹھکر ان سے مستفید ہونے سے انہوں نے پرہیز کیا۔نواب صاحب اقبال کے دوستوں میں تھے اور ان کے کلاس فیلو بھی رہ چکے تھے۔آپس میں خوب دوستی تھی۔نواب صاحب انہیں اپنی موٹر میں شام کو گھماتے تھے۔اقبال جبھی اپنے دوست نواب صاحب کے پاس جاتے تھے تو علامہ ہروی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔موصوف صرف فارسی بولتے تھے۔اُردو بھی ٹوٹی پھوٹی بولتے تھے۔اقبال کو یہ نعمت غیر مترقبہ ہاتھ آگئی۔ملاقاتیں بڑھتے بڑھتے ارادت مندی کی اس منزل پر پہنچ گئیں کہ اقبال نے نواب صاحب سے معافی مانگی اور بجائے تفریح کے مغرب کی نماز کے بعد روزانہ علامہ موصوف کے کمرے میں آکر گاؤ تکیے سے لگ کر قالین پر بیٹھتے تھے اور علامہ پلنگ پر بیٹھے رہتے تھے۔کمرے بند ہوجاتے تھے اور مسلسل کئی گھنٹوں تک نشست رہتی تھی۔

علامہ ہروی بحر علوم کے ایک دریائے ناپیدا کنار تھے۔ہزاروں فارسی شعر ازبر تھے اور وہ بلاشبہ ڈاکٹر اقبال کی شاعری میں اس نہج سے مددگار ثابت ہوئے کہ خاندان مرتضوی وودمان آل رسول کی محبت اور دل میں گداز پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے''۔

بقول للّٰن صاحب علامہ ہروی سید رجب علی شاہ مرحوم کے عزاخانہ واقع موچی دروازہ لاہور میں مجالس بیان فرماتے تھے۔ان مجلسوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔جو مجلسیں سر فتح علی خان کے اہتمام سے ہوتی تھیں ان میں زیادہ تر تعلیم یافتہ لوگ ہر مذہب وملت کے شریک ہوتے تھے۔ان میں ڈاکٹر اقبال، سر ذوالفقار علی خان، سر علی امام، مولوی محسن علی شاہ، عبدالمجید سالک، آغا شاعر قزلباش، ابوالحسن حافظیاں ایرانی، سید علی جعفری، شیخ علی اصغر، حکیم اجمل خان

اور مولانا گرامی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر اقبال اکثر و بیشتر علامہ کے بیان کی اہم باتیں نوٹ کیا کرتے تھے۔ان دنوں وہ اسرار خودی تصنیف کرنے میں مصروف تھے۔للّن صاحب کی ڈائری میں یہ بھی درج ہے کہ جب لاہور میں علامہ کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی کہ جو کچھ پڑھتے ہیں اُسے قرآن سے ثابت کرتے ہیں۔اور جب اقبال کو معلوم ہوا کہ علامہ ہروی کا بیان تمام وکمال صرف قرآن سے ہوتا ہے تو وہ بھی مجلسوں میں شامل ہونے لگے۔چنانچہ جب مجلس میں شریک ہوئے اور جو تعریف سنی تھی وہ بالکل درست پائی تو بے حد محظوظ ہوئے۔علامہ موصوف سے بعد مجلس قربت حاصل کی اور مسئلہ امامت چھیڑ دیا۔یعنی جناب امیر المومنین علی ابن طالبؑ کی امامت کو قرآن سے منصوص من اللہ ثابت کرنے کی استدعا کی۔اس پر علامہ نے قرآن کی آئتیں پڑھنا شروع کیں۔بس چار ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب بالکل مطمئن ہوئے اور علامہ کو روک دیا کہ بس مجھے ان سے منصوص من اللہ ہونے پر اتنا ہی یقین پیدا ہوا جتنا کہ موت کا ہے۔آیتیں یہ تھیں:

(۱) يَآ يُهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْ اتقُو االلهَ وَ كُوْ نُوْ امَعَ الصَّدِقِيْنَ

ترجمہ: اے ایماندارو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ (سورہ توبہ پارہ نمبر ۱۰ آیت ۱۱۹)

(۲) مِنَ الْمُومِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَ قُوْ مَاعَا هَدُ واللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُو وَمَا بَدَّلُو اتَبْدِيلاً.

ترجمہ :ایمانداروں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خدا سے انہوں نے (جاں نثاری کا) عہد کیا تھا اُسے پورا کر دکھایا۔غرض ان میں سے بعض وہ ہیں جو (مرکر) اپنا وقت پورا کر گئے اور ان میں بعض (حکم خدا کے) منتظر بیٹھے ہیں اور ان لوگوں نے (اپنی بات) ذرا بھی نہیں بدلی (سورۂ احزاب پارہ ۲۱، آیت ۲۳)

(۳) اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُ وُا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (سورہ یسین پارہ ۲۳، آیت ۶۰)

ترجمہ :اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تمہارے پاس یہ حکم نہیں بھیجا تھا کہ (خبردار) شیطان کی پرستش نہ کرنا۔وہ تمہارے کھلم کھلا دشمن ہے۔

(۴) وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَاماً قَالَ، وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ .قَالَ لَايَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ.

ترجمہ :جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے

پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام (پیشوا) بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے عرض کی اور میری اولاد میں سے؟ فرمایا (ہاں مگر) میرے اس عہدے پر ظالموں میں سے کوئی شخص فائز نہیں ہو سکتا (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۴)

بقول للّن صاحب اقبالؔ نے اپنے چار دوستوں مولانا اکبرالہ آبادی، خواجہ حسن نظامی، سر علی امام اور سر مہاراج کرشن پرشاد شادؔ کو الگ الگ خطوں میں اپنے ان تاثرات کا بیان کیا تھا جو انہوں نے علامہ ہروی سے قبول کئے تھے۔ مزید یہ بھی لکھا تھا کہ "موصوف ایک جامع الکمال شخصیت ہیں ماہر السنہ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن فہمی، حدیث آگاہی، فقہ جعفریہ اور علوم نجوم و جفر میں انہیں کامل دستگاہ ہے۔ مسئلہ امامت کا عقدہ حل ہو گیا ہے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں"۔

افسوس اس بات پر ہو رہا ہے کہ یہ خطوط اب نہیں مل رہے ہیں۔ لیکن ان باتوں کا حوالہ اقبالؔ کے بعض خطوں میں ضرور مل رہا ہے۔ خدا مغفرت کرے خواجہ حسن نظامی کو۔ انہوں نے اقبال کے بعض تاثرات کو امامت سے متعلق محفوظ رکھا ہے جو ان کے عقیدے کے بارے میں ہیں۔ خواجہ صاحب کی باتوں سے جناب للّن صاحب مرحوم کی تائید ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب نے واقعات کربلا پر ایک کتاب "محرم نامہ" کے نام سے ۱۹۱۶ میں شائع کی۔ اقبال نے اس کا مطالعہ کیا اور اپنے تاثرات اکبر کو بھیجے [۴۳] ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اقبال نے محرم نامہ کے بارے میں اکبر کو کیا لکھا تھا البتہ للّن صاحب نے اکبر کے نام اقبال کے جس خط کا ذکر کیا تھا اور جس میں انہوں نے علامہ ہروی کے بارے میں لکھا تھا اس کی بھی تائید اکبر کے ایک خط سے ہوتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اقبال نے اکبر کو ان آیات قرآنی کے بارے میں اطلاع دی ہو جن سے علامہ ہروی نے امامت من اللہ ثابت کی تھی اور اقبال قرآنی ثبوت سے مطمئن ہو گئے تھے۔ اکبر نے جو خط اس سلسلے میں خواجہ حسن نظامی کو ۱۷ نومبر ۱۹۱۶ کو لکھا تھا اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ کے زیر اثر اقبال کے خیالات میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی تھی اور انہیں ایک نئی سوسائٹی کی تلاش تھی اکبر کے الفاظ یہ ہیں:۔

"حضرت اقبال کے خیالات میں بہت تبدیلی ہوئی۔ کم از کم اس کا اظہار ہوا۔ اب ان کو اچھی اور موزون اور مربوط سوسائٹی مل جائے گی"[۴۴]

دوسرے خط مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۱۶ میں اکبر نے خواجہ صاحب کو اقبال کے مسئلہ امامت کو تسلیم کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''اقبال صاحب نے مجھ کو خط میں لکھا ہے کہ مسئلہ امامت کو انہوں نے مان لیا لیکن یہ اقرار نہیں کیا کہ میں شیعہ ہو گیا'' [۷۵]

اکبرالہ آبادی خود مسئلہ امامت کے قائل تھے۔ ۱۶ را کتوبر ۱۹۱۶ کو خواجہ صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم کما بارکت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم ۔اسی سے امامت بارہ اماموں کی ثابت ہے اور میں تو لکھنو جاتا ہوں تو شیعہ مجتہدوں کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں۔ کیونکہ عادت پڑی اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں...... خلفائے ثلاثہ کو دنیوی بادشاہی حاصل تھی۔ روحانی سلطنت بارہ اماموں کو تھی'' [۷۶]

جناب للّن صاحب مرحوم کے مذکورہ بالا بیان کی تائید اقبال کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے سر مہاراج کشن پرشاد شاد حیدر آبادی کو ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۶ کو لکھا تھا۔ لکھتے ہیں کہ:

''ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ لاہور میں کچھ عرصے سے ایک بہت بڑے ایرانی عالم مقیم ہیں۔ یعنی سرکار علامہ شیخ عبدالعلی طہرانی۔ معلوم نہیں کبھی حیدر آباد میں بھی ان کا گذر ہوا یا نہیں۔ عالم متبحر ہیں۔ مذہباً شیعہ ہیں۔ مگر مطالب قرآن بیان فرماتے ہیں تو سمجھنے سوچنے والے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ علم جفر میں کمال رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ اگر اس موسم میں سرکار لاہور کا سفر کریں تو خوب ہو۔ یہ آدمی دیکھنے کے قابل ہے'' [۷۷]

اقبال ایک اور خط میں ۲۰ دسمبر ۱۹۱۶ کو شاد حیدر آبادی کے نام لکھتے ہیں کہ:

'' سرکار علامہ عبدالعلی ہروی طہرانی سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ نہایت مخلصانہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اس سے پیشتر امرائے دکن میں سے کسی سے سرکار کے اوصاف کا تذکرہ سن چکے ہیں۔ فرماتے تھے کہ حیدر آباد کا سفر کروں گا تو مہاراجہ بہادر سے ضرور ملاقات کروں گا'' [۷۸]

عبدالمجید سالک نے بھی اقبال اور علامہ ہروی کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

''سید علی جعفری نے ایران کے ایک فاضل علامہ شیخ عبدالعلی ہروی

الطہرانی جو اس وقت لاہور میں مقیم تھے علامہ اقبال کی ملاقات
کرائی۔علامہ ہروی بے حد ذہین اور طباع اور انسان آدمی واقع ہوئے
تھے۔عقاید میں کچھ بابیت اور کمیونزم کی طرف مائل تھے۔یعنی جامد
مولویوں میں سے نہ تھے۔لیکن ان سے متعدد ملاقاتوں کے بعد بھی علامہ کا
اطمینان نہ ہوا"۔[19]

سالک صاحب کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ سرکار علامہ ہروی بابی اور کیمونسٹ تھے۔دراصل وہ ان دونوں تحریکوں کے خلاف تھے۔ان پر بابیوں کے قتل عام کا الزام تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔دوسرے یہ کہ مظفر الدین شاہ والی ایران نے روس سے ساٹھ لاکھ پونڈ قرضے کا معاہدہ کیا۔علامہ نے اس قرضے کو ایران کی آنے والی تباہی اور بربادی سے لوگوں کو آگاہ کیا۔اور نتیجہ میں ایران چھوڑ کر دوسرے ممالک کا سفر اختیار کیا۔[20]

اصل بات یہ ہے کہ علامہ ہروی کی تعلیم کا فیض سب سے زیادہ اقبال نے حاصل کیا۔وہ گھنٹوں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآنی نکات کے اسرار و رموز سے استفادہ کیا کرتے تھے۔اس صحبت نے اقبال کے افکار و خیالات میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کی۔لقمن صاحب کے بیان مذکور کی تائید ایک اور چشم دید گواہ شیخ عبدالشکور سے بھی ہوتی ہے۔شیخ صاحب کی بزرگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے مشہور و معروف محقق و ناقد پروفیسر محمد منور (گورنمنٹ کالج لاہور) انہیں" پیر طریقت" کہتے تھے۔شیخ صاحب نواب محمد علی[21] خان قزلباش لاہور کے صاحبزادے کے ہم جماعت تھے اور ان کے گھر جایا بھی کرتے تھے۔انہوں نے ڈاکٹر اقبال اور علامہ ہروی کو نواب صاحب کی کوٹھی میں اکثر موجود پایا۔شیخ صاحب آج سے کوئی چالیس سال پہلے اپنے مضمون" کچھ رواداری کی باتیں" میں لکھتے ہیں کہ:

> "راجہ برادرز (موجودہ شوکت مارکیٹ) کی دوکان کے اوپر والے حصے
> میں علامہ اقبال رہا کرتے تھے۔ان دنوں ایران کے ایک مجتہد سرکار شیخ
> عبدالعلی ہروی علامہ کے گہرے دوستوں میں تھے۔یہ صاحب بھی ایرانی
> پارلیمنٹ کے ممبر ہوا کرتے تھے۔مگر روسی حکومت کے خوف کے مارے
> ایران سے نکل آئے اور لاہور میں نواب محمد علی خان قزلباش کے ہاں مقیم
> تھے۔ان کے علمی تبحر کا کیا کہنا۔آج سے چالیس سال پیشتر وہ" خزائن
> منزل" کوچۂ شیعان میں اپنے وعظوں سے مجالس عزا خوب گرمایا کرتے

تھے۔ اور دوران وعظ قرآن مجید کی آیات کی تفسیر ایسے دلنشیں پیرائے میں بیان فرماتے کہ بڑے بڑے عالم دنگ رہ جاتے تھے۔ علامہ اقبال اکثر ان کی ملاقات کے لئے نواب صاحب موصوف کی ایمپرس روڈ والی کوٹھی پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں علامہ اپنی مشہور مثنوی اسرار خودی رقم کر رہے تھے اور وہ سرکار شیخ صاحب سے مختلف نکات پر ان سے بحث و تمحیص کیا کرتے۔ قبلہ نواب صاحب مرحوم کے صاحبزادے میرے ہم جماعت تھے اور اکثر میرا پھیرا ادھر رہتا تھا۔ اس طرح ہمیں کبھی کبھی ان دو بڑے عالموں کی گفتگو سننے کا اتفاق ہو جاتا تھا۔ پھر سرکار شیخ بھی علامہ کی ملاقات کے لئے کبھی انارکلی آیا کرتے تو پہروں وہاں علمی گفتگو رہا کرتی تھی۔ نواب ذوالفقار علی خان (مالیر کوٹلہ) بھی گاہے گاہے ان کے پاس آیا کرتے تھے تو سردار جوگیندر سنگھ سابق وزیر پٹیالہ و پنجاب ان کی معیت میں ہوتے۔ میرزا جلال الدین حیدر صاحب بیرسٹر (محمود نظامی مرحوم کے تایا) بھی ضرور ہمراہ آتے۔ خیال تو فرمائیں کہ اس چار یاری صحبت میں کیا کیا پرتکلف باتیں ہوتی ہونگی اور ان کی زبانوں سے کیسے کیسے پھول جھڑتے ہوں گے۔ علیٰ ہذا قیاس راجہ نرندر ناتھ کمشنر لاہور، پنڈت شیو نرائن شمیم سابق چیف جج کورٹ پنجاب بھی علامہ کے عزیز ترین دوستوں میں سے تھے اور یہ دونوں بزرگوار علامہ سے اور اپنے افغان دوستوں سے ہمیشہ فارسی میں گفتگو کیا کرتے تھے''۲۴

عبدالشکور صاحب مزید لکھتے ہیں:

''سرکار شیخ صاحب سب کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ علامہ سے جو کسی بات پر بحث چھڑی تو انہیں کھانے کا بھی دھیان نہ رہا اور ادھر ہم کھانے کے لئے بے چین تھے۔ آغا سعادت نے مجھ سے کہا کہ شیخ صاحب ذرا دیکھئے تو وہاں کیا ہو رہا ہے اور قبلہ ہروی صاحب سے کہئے کہ ہم لوگ کھانا کھانے پر ان کے منتظر ہیں۔ اب میں نے ڈرتے ڈرتے کواڑ کھولا تو دیکھا کہ وہاں گرما گرم بحث ہو رہی ہے اور سرکار شیخ صاحب بہ شد و مد علامہ (اقبال) کو کوئی نکتہ سمجھا رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں تو بھاگ آیا اور سب سے کیفیت بیان کی۔ مگر خیر، پھر چند منٹوں کے بعد سرکار شیخ صاحب تشریف لے آئے۔ علامہ تشریف لے جا چکے تھے۔

سرکار شیخ صاحب گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔ بڑے نستعلیق اور دھیمے مزاج کے بزرگ تھے۔ ہم سب سے حلیمانہ انداز سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ طبیعت میں مزاح بھی تھا۔ چونکہ میری طبیعت میں قدرے بے تکلفی ہے اس لئے میں نے جرأت کرکے پوچھ ہی لیا۔

سرکار بے ادبی معاف۔ آج ڈاکٹر صاحب سے کیا بات ہورہی تھی؟ اس پر سرکار شیخ نے ایک منٹ سکوت کیا اور پھر فرمایا:

"ذکر حافظ شیراز بود، اقبال عجب مردے بے باک است وے ہر چہ می گوید راست می گوید (اقبال کے ہم نشین صفحہ ۲۲، مرتبہ پروفیسر صابر کلوروی، مکتبہ خلیل لاہور ۱۹۸۵ء)



مآخذ اور حواشی

۱۔ اقبال بنام شاد صفحہ ۱۸۹۹ تا ۱۹۳۶ء۔ مرتبہ محمد عبداللہ قریشی۔ مطبوعہ بزم اقبال لاہور ۱۹۸۶۔ قریشی صاحب ماہرین اقبالیات کی صف اول میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ وہ ۱۳ر اپریل ۱۹۰۵ کو پیدا ہوئے۔ دسویں کا امتحان ۱۹۲۲ میں درجۂ اول میں پاس کیا۔ تخلیقات کی ابتدا ۱۹۲۱ء میں شروع کی اور تب سے ۱۹۹۰ تک برابر لکھتے رہے۔ تین سال سے مرض فالج میں مبتلا ہیں۔ برسوں تک راقم کے ساتھ خط و کتابت رہی۔ اقبال پر متعدد کتابیں لکھیں۔ جن میں باقیات اقبال، روح مکاتیب اقبال، معاصرین اقبال کی نظر میں، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، اقبال بنام شاد، حیات جاوداں، اور تذکار اقبال قابل ذکر ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ ہندوستان اور پاکستان کے رسائل میں سیکڑوں مضامین لکھے ہیں۔ کئی رسائل کے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔ تفصیلات کے لئے ہمارا مضمون "علامہ محمد عبداللہ قریشی اور ڈاکٹر اقبال" مطبوعہ "ہماری زبان" دہلی ۱۵ر جولائی ۱۹۸۸ ملاحظہ ہو۔ راقم حروف کے نام قریشی صاحب کے کوئی ستر خطوط محفوظ ہیں جو انشاء اللہ شائع کیے جائیں گے۔

محمد عبداللہ قریشی صاحب کا ذکر مضمون میں اس وقت کیا گیا تھا جب وہ زندہ تھے۔ اب مرحوم ہو چکے ہیں اور ان کا انتقال ۱۹۹۳ء میں ہوا تھا (اکبر حیدری)

۲۔ مولوی محمد سبطین۔ عالم جید اور فاضل دہر تھے۔ عربی علوم میں یگانۂ زمانہ اور قرآنی تشریحات میں بڑے ماہر تھے۔ جب علامہ شیخ ہروی قبلہ نے لاہور میں قیام کرنا شروع کیا تھا تو آخر عمر تک ان کے ترجمان رہے۔ وہ جو کچھ مجالس میں فرمایا کرتے تھے۔ موصوف اس کا اردو ترجمہ فی البدیہہ کرتے تھے۔ مواعظ حسنہ میں جو تقریریں علامہ کی موجود ہیں وہ مولانا سبطین صاحب نے ہی مرتب کی ہیں۔ مولانا لدھیانہ کالج کے پروفیسر تھے اور یہیں پر انھوں نے "برہان" کے نام سے ایک مذہبی رسالہ شائع کیا تھا۔ جب تک سرکار علامہ لاہور میں رہے مولانا ان سے برابر فیض حاصل کرتے رہے۔ وہ قصبہ سرسی ضلع مراد آباد کے تھے۔ ان کا سلسلہ حضرت امام جعفر صادقؑ تک پہنچتا ہے۔ ۱۹۰۸ میں اورینٹل کالج لاہور سے اعلیٰ سند حاصل کی۔ علما کے لباس خصوصی سے آپ اجتناب کرتے تھے۔ لاہور پہنچنے پر اردو کے مشہور شاعر اور ادیب سید ناظم حسین صاحب ناظم سے ملاقات ہوئی۔ ان کے فیض سے مولانا کے جوہر نمایاں ہوتے چلے گئے۔ مولانا محمد حسین آزاد کے بعد مولوی محمد سبطین

پہلے اور آخری بزرگ تھے جن کو پی ای سی کا درجہ دیا گیا اور پنجاب یونیورسٹی کے ممتحن اور فیلو ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ موصوف کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں خلافت الٰہیہ پیغام توحید، کشف الاسرار اور الصراط فی احوال مہدی قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر اقبال ان کے علم کی قدر کرتے تھے۔ جب آخری کتاب "الصراط فی احوال مہدی" شائع ہوئی اور اقبال کی نظر سے گذری تو انھوں نے اس کے بارے میں ۲۳ مئی ۱۹۱۸ کو ایک خط لکھا جو "البرہان" لاہور جلد ۹ نمبر ۶ مورخہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ میں ان الفاظ میں شائع ہوا:-

"کتاب الصراط السوی فی احوال المہدی" کے لئے جس کی ایک کاپی آپ نے از راہ عنایت مجھے عطا فرمائی ہے سراپا سپاس ہوں۔ اگرچہ مجھے آپ سے کئی باتوں میں اختلاف ہے تاہم یہ ظاہر ہے کہ آپ نے اس کے لکھنے پر بہت دماغ سوزی کی ہے۔ آپ کی وسعت معلومات اور تدبر اور تفحص پر اس کا ہر باب شاہد ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بہت لوگوں کے لئے اس کے مضامین بہت مفید ہوں گے۔ دوسرے حصے کی دلچسپی کا دائرہ اس سے یقیناً وسیع تر ہوگا"

مولانا موصوف کو کافی عرصہ سے ضیق النفس کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ اور اس کے آخری علاج کے لئے کربلائے معلی گئے تھے جہاں ان کا انتقال ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۷ راگست ۱۹۴۷ کو ہوا اور وہیں دفن ہیں۔ (مواعظ حسنہ ۴۳)

۳۔ خواجہ غلام الثقلین ۱۸۷۲ء میں پانی پت میں خواجہ غلام عباس کے گھر میں پیدا ہوئے۔ مولانا حالی کے عزیزوں میں تھے۔ گیارہ سال کی عمر میں حالی کی نگرانی میں دہلی بھیجے گئے اور وہاں انگلو عربک اسکول میں داخل ہو گئے۔ انٹرنس کے بعد علی گڈھ میں داخلہ لیا۔ اکتوبر ۱۸۸۹ سے اپریل ۱۸۹۳ تک وہاں رہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں پروفیسر آرنلڈ (متوفی ۱۹۳۱ء) کو آمادہ کر کے ۱۸۹۰ء کی ابتداء میں علی گڈھ میں "انجمن اخوان الصفا" قائم کی۔ اور ہر دو ہفتے کے بعد اس میں ایک مضمون انگریزی میں پڑھا کرتے تھے۔ مارچ ۱۸۹۳ میں ۲۰ سال کی عمر میں بی اے پاس کیا۔ ۱۸۹۵ میں ایک خاص تمغہ پایا۔ زمانہ طالب علمی میں علی گڈھ میں سرسید، شبلی اور سید محمود کی صحبت سے استفادہ کیا۔ سرسید قابلیت اور ذاتی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت عزیز رکھتے تھے۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد ۱۸۹۳ میں نواب محسن الملک بہادر (متوفی ۱۹۰۷) نے آپ کو اپنا ترجمان اور سیکرٹری رکھا۔ ۳ رجنوری ۱۸۹۶ کو حیدرآباد گئے اور نواب سر وقار الامرا کے اسٹاف میں مقرر ہو گئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر اپریل ۱۹۰۱ سے میرٹھ میں وکالت شروع کی۔ جنوری ۱۹۰۳ سے ایک اصلاحی اور ادبی رسالہ "عصر جدید" کے نام سے اجراء کیا جو عرصہ

دراز تک جاری رہا۔ اس کے متعدد شمارے کتب خانہ شبلی نعمانی لکھنو میں میری نظر سے گذرے تھے۔

اکتوبر ۱۹۰۳ میں آپ کو ولی عہد صاحب مالیر کوٹلہ نے طلب کیا۔ نومبر ۱۹۰۵ تک چیف جج کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۲ میں کونسل کے ممبر ہوئے۔ علی گڈھ کے زمانہ قیام میں آپ نے "اصلاح تمدن" کی تحریک چلائی اور خود ہی اس کے سکریٹری تھے۔ مسلمانوں کو اصلاح تمدن کی طرف توجہ دلانا، تعلیم یافتہ مسلمانوں میں مذہب کی عظمت کا خیال پیدا کرنا، مسئلہ سود پر پروشٹ کرکے تحریر و تقریر کے ذریعہ بے حد گران شرح سود کے انسداد کو ضروری ثابت کرنا، سفر ایران کے ذریعے اہل ایران کی اصلاح کی کوشش اور "عصر جدید" کا اجرا کرنا آپ کے اہم کاموں میں شامل تھے۔ آپ کے گراں قدر مضامین اخبار چودھویں صدی راولپنڈی (۱۸۹۵ء) حسن حیدرآباد (۱۸۹۳ء) اور دیگر پرانے رسائل میں چھپتے تھے۔ ۳ ستمبر ۱۹۱۵ء کو انتقال کیا۔ خواجہ غلام الحسنین نے ۱۵ شعر میں تاریخ وفات کہی۔ آخری دو شعر یہ ہیں

عیسوی سال سن ہجری میں	اس نے بتلایا بدون وقت
حامی دیں غلام الثقلین	"یاد مغفور" بظل رحمت
۱۹۱۵ء	۱۳۳۳ھ

علامہ ہروی اس زمانے میں آغا سید حسین تحصیلدار کے یہاں سرینگر کشمیر میں قیام فرما تھے۔ جونہی ان کو لاہور سے نواب محمد علی خان سے خواجہ صاحب کے مرنے کی اطلاع ملی تو فوراً فاتحہ خوانی کی غرض سے ۱۰ دسمبر ۱۹۱۵ کو پانی پت پہنچے۔ راستے میں دہلی میں حکیم اجمل خان کے یہاں دو تین دن قیام کیا اور کئی مجلسیں پڑھیں۔ خواجہ غلام السیدین کے حق میں دعائیں کیں۔ خواجہ غلام الثقلین متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں روزنامچہ سیاحت (۵ حصوں میں) سرفہرست ہے یہ کتاب میرٹھ میں ۱۳۳۰ء مطابق ۱۹۱۲ میں تجارتی پریس میں چھپی تھی۔ کتاب نادر و نایاب ہے لیکن ایک نسخہ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں موجود ہے۔ خواجہ صاحب اپنے زمانہ میں نامور ادیب اعلیٰ درجے کے وکیل اور بلند پایہ دانشور تھے۔ اگر ان کے مضامین عصر جدید اور پرانے رسالوں سے یکجا کر کے مرتب کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب کئی جلدوں میں وجود میں آسکتی ہے۔ افسوس کہ اب اس خاندان میں کوئی ایسا شخص میرے علم میں موجود نہیں ہے جس سے اس کام کی توقع کی جاسکے۔ قوم کی حالت اتنی ابتر ہے کہ اس میں اب کوئی ادبی مذاق باقی نہیں رہا ہے۔ ان کے لواحقین میں بھی ادبی فقدان غالب آگیا ہے۔

۴ سوانح حسنہ ۷۹ مرتبہ علامہ سید محمد سبطین، مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور ۱۹۳۶

۵ اقبال، جام شاد، مرتبہ محمد عبداللہ قریشی صفحہ ۱۹۳

۶ تذکرہ بے بہائی تاریخ العلماء ۲۵۶ مرتبہ سید محمد حسین نوگانوی، مطبوعہ جید پریس دہلی ۱۹۳۰ء

۷ سوانح حسنہ ص ۶۷

۸ خواجہ غلام السیدین کے لئے راقم کا مضمون " خواجہ غلام السیدین اور ڈاکٹر اقبال" مطبوعہ "نیا دور" لکھنؤ بابت مئی ۱۹۸۵ء دیکھا جا سکتا ہے۔

۹ خواجہ غلام الحسنین۔ خواجہ غلام الثقلین کے بڑے بھائی تھے۔ فلسفہ تعلیم کے ماہر اور اُستاد کامل تھے۔ مذہبی اور تبلیغی خدمات کے لئے اپنے قلم کو وقف کر دیا تھا۔ مرنے کے وقت تک جوانمرد مجاہد کام کر رہے تھے۔ وہ فلسفۂ اسلام، معارف قرآن اور علمی مضامین کو سادہ سے سادہ زبان میں بیان کرتے تھے۔ انہوں نے علوم مشرقیہ و مغربیہ کے ساتھ ساتھ اسلامی مذاہب کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ ان کے بیانات بلا لحاظ فرقہ تمام مسلمانوں کے لئے یکساں دلچسپ اور مفید تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو آریہ، جین، عیسائی وغیرہ اقوام بھی بڑے انہماک و شوق سے سنتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے محققانہ وعظوں، لیکچروں، مباحثوں اور مناظروں نے قرآن اور اسلام کی عظمت کا سکہ منکروں کے قلوب پر بٹھا دیا تھا۔ ہندوستان اور عراق کے مشہور ترین علماء و مجتہدین نے بھی ان کی ٹھوس اور گرانقدر خدمات کی تصدیق بہترین الفاظ میں کی ہے۔ وہ اپنے خود نوشت حالات میں لکھتے ہیں:۔

"راقم آثم خاکسار (خواجہ غلام الحسنین ولد خواجہ غلام عباس ابن خواجہ اکبر علی ابن خواجہ اکبر علی انصاری) کی ولادت دسمبر ۱۸۶۸ کے قریب بمقام پانی پت واقع ہوئی۔ ۱۲ سال کی عمر تک پانی پت میں رہا۔ قرآن مجید ختم کیا، گلستان و بوستان سعدی کا انتخاب پڑھا۔ ۱۸۸۶ میں ۱۸ سال کی عمر میں انٹرنس پاس کیا۔ فارسی اور عربی کی تعلیم مولانا حالی سے حاصل کی جو انگلو عربک اسکول میں معلم اول تھے۔ ۱۸ سال کی عمر تک انگریزی، ریاضی، فارسی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۰ میں گورنمنٹ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے امتحان جے اے وی درجۂ اول میں پاس کیا۔ ۱۸۹۵ میں فارسی ادب کا اعلیٰ ترین امتحان یعنی آنرز درجۂ اول میں اور اُردو دانی کا سب سے بڑا امتحان بھی ۱۸۹۶ میں درجۂ اول میں کیا۔ ادب عربی کی کتابیں حماسہ، متنبی، معلقات وغیرہ کے بعض حصے لغات و شروح کی مدد سے حل کئے۔ سہ نثر ظہوری، وقائع نعمت خان عالی، ابو الفضل، اخلاق جلالی وغیرہ کا مطالعہ کیا اور بعض کتابوں کا درس بھی دیا۔ انگریزی میں عموماً فلسفۂ تعلیم اور طریقۂ تعلیم کی کتابیں زیر تعلیم رہیں۔ اکتوبر ۱۸۸۶ میں ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں ۱۵ روپیہ

کی محرری کی۔ ۱۸۸۷ء میں میونسپل بورڈ اسکول پانی پت کی سکنڈ ماسٹری پر تبدیلی کرائی۔ تنخواہ ۲۵ روپے ملی۔ دو سال کرنال میں رہا۔ اس کے بعد تین سال تک گلبرگہ میں خواجہ غلام الثقلین کی جگہ صدر مہتمم تعلیمات انسپکٹر مدارس رہا۔ اس کے بعد وطن آیا اور ہربرٹ اسپنسر کی کتاب ایجوکیشن کے ترجمے کو جو گلبرگہ میں شروع کیا تھا مکمل کر لیا۔ ۱۹۲۱ سے ۱۹۲۲ تک جناب نجم العلماء کے حکم سے مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا سیکرٹری رہا۔ ۱۹۲۳ سے ۱۹۲۴ تک اسی مدرسے میں ۵۰ روپے تنخواہ پر بحیثیت مدرس مامور کیا گیا۔ ۱۹۲۵ سے ۱۹۲۸ تک بمبئی میونسپل اور ٹریننگ کالج معلمات کا پرنسپل رہا"

خواجہ صاحب نے ایجوکیشن کا جو ترجمہ کیا تھا وہ بہت ہی پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا گیا۔ مولانا شبلی کی رائے ہے کہ:

"یہ کتاب مشہور فلاسفر ہربرٹ اسپنسر کی تصنیف ہے۔ جس کا موضوع تعلیم ہے۔ کتاب اس مرتبے کی ہے کہ اگر انجمن ترقی اُردو کی طرف سے صرف یہی ایک کتاب ترجمہ ہو کر شائع ہوتی تو انجمن مبارکباد کی مستحق تھی۔ چونکہ یہ کتاب معرکتہ الآرا کتاب تھی اس لئے اس کے ترجمے میں نہایت احتیاط سے کام لیا گیا اور ہندوستان کے مختلف حصوں سے پانچ ترجمے آئے۔ یہ تمام ترجمے شمس العلماء ڈاکٹر مولوی نذیر احمد صاحب، خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب، شیخ (حال ڈاکٹر سر) محمد اقبال صاحب ایم اے مسٹر آرنلڈ صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور دیگر ممبروں کے پاس بھیجے گئے۔ باتفاق آرا خواجہ غلام الحسنین پانی پتی کا ترجمہ پسند کیا گیا (انجمن ترقی اُردو کی رپورٹ بابت ۱۹۰۳ صفحہ ۱۲) اقبال کی رائے کے چند جملے یہ ہیں:

"آپ کے ترجمے کی بے تکلف روانی بالکل حیرت انگیز ہے۔ اگر ہربرٹ سپنسر ہندوستانی ہوتا تو وہ بھی اُردو میں اس سے بہتر طرز تحریر اختیار نہ کر سکتا"

اُردو کے مشہور صحافی اور صاحب طرز انشا پرداز اور ادیب منشی دیا نرائن نگم نے خواجہ صاحب کی کتاب فلسفہ تعلیم پر سیر حاصل تبصرہ کیا جو "زمانہ" کانپور بابت مئی ۱۹۰۵ء ۳۰۵ میں شائع ہوا تھا۔ یہ شمارہ میرے پیش نظر ہے۔ صرف چند جملوں پر اکتفا کرتا ہوں: "ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ مترجم نے لفظی رعایت کو حتی الامکان ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور ساتھ ہی اس بات کی کوشش کی ہے کہ عبارت اُردو روزمرہ کے خلاف نہ ہو۔ ہم کو اس بات کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ خواجہ صاحب کو اپنی کوشش میں بہت اچھی طرح کامیابی ہوئی ہے...... یہ ترجمہ بلحاظ زبان اُردو علم و ادب میں ایک خاص قابل قدر اضافہ ہے"

خواجہ صاحب نے مولانا ابراہیم حسین اور مولانا حالی سے علمی و دینی فیض حاصل کیا۔ قرآن مجید کا ذوق اپنے والد گرامی اور علامہ شیخ عبدالعلی ہروی سے حاصل کیا تھا لکھتے ہیں کہ:

"۱۹۰۵ سے ۱۹۲۲ تک علامہ ہروی کے حکیمانہ مواعظ قرآنی سے وقتاً فوقتاً فیض یاب ہوا اور ان کے بہت سے مواعظ کی ترجمانی کی عزت بھی حاصل ہوئی۔ ان وجوہ سے میرے قرآنی ذوق میں ترقی ہوتی رہی۔ علامہ ممدوح قرآن مجید اور فلسفۂ اسلام کے بے مثل عالم تھے۔ مولانا حالی نے ان کے مواعظ کے متعلق فرمایا تھا کہ "میں نے مدت العمر میں کبھی ایسے وعظ نہیں سنے تھے" حضرت علامہ سے اکثر اہل ذوق اور اہل علم نے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ سب سے زیادہ فیض خواجہ غلام الثقلین مرحوم اور مولانا سید محمد سبطین فاضل سرسوی نے حاصل کیا۔ جن کے موعظ میں ہو بہو حضرت شیخ کا رنگ ہے۔" (انجمن وظیفۂ سادات اور مومنین سلور جوبلی نمبر ص ۱۹۷ مرتبہ سید اعجاز حسین جارچوی، مطبوعہ ۱۹۳۶ء)

خدا مغفرت کرے مرحومہ بیگم صالحہ عابد حسین کو انہوں نے چند سال پہلے مجھے اطلاع دی تھی کہ خواجہ صاحب کا انتقال ۳۱ ویں رمضان المبارک ۱۹۳۷ء کو ہوا تھا۔

۱۰۔ مشاہیر اہل علم ۱۳۵ مرتبہ محمد عمران خان ندوی ۱۹۳۶

۱۱۔ مواعظ حسنہ ۲۵۔ ۲۶ ۔

۱۲۔ اخبار رضاکار لاہور صفحہ ۳۰ مطبوعہ ۱۹۹۲ء

۱۳۔ علی گڑھ میگزین اکبر الہ آبادی نمبر مرتبہ سید شبیہ الحسن نونہروی (مضمون خطوط اکبر از پروفیسر عبدالقادر سروری)

۱۴۔ خطوط اکبر بنام خواجہ حسن نظامی ص ۶۰ مطبوعہ ۱۹۲۲ء دہلی

۱۵۔ ایضاً ص ۶۰

۱۶۔ ایضاً ص ۵۷

۱۷۔ اقبال بنام شاد ۵: محمد عبداللہ قریشی، ۱۸۔ شاد اقبال ص ۷ مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور

۱۹۔ ذکر اقبال ص ۱۳۱ ہندوستانی ایڈیشن

۲۰۔ مواعظ حسنہ ص ۴۹

۲۱۔ نواب محمد علی خان قزلباش۔ نواب ناصر علی خان قزلباش (متوفی ۱۸۹۶) کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۷۰ میں پیدا ہوئے۔ سر فتح علی خان قزلباش ان کے چچا تھے۔ ان ہی کے یہاں علامہ ہروی قیام پذیر تھے اور ڈاکٹر اقبال ان کی خدمت میں استفادہ کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ نواب صاحب اقبال کے کلاس فیلو بھی تھے اور دونوں میں ابتدا سے ہی گہرے مراسم تھے۔ موصوف اوائل عمر میں آنریری مجسٹریٹ اور لاہور میونسپل کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ بھی تھے (تذکرۂ رؤسائے پنجاب جلد اول ۳۱۵ تا ۳۱۶ مصنفہ سر لیپل ایچ گرفن مطبوعہ نولکشور گیس

پرنٹنگ ورکس لاہور ۱۹۱۱) علامہ مرحوم نے نواب صاحب سے وصیت کی تھی کہ ان کا تابوت نجف اشرف پہنچا دیا جائے لیکن یہ وصیت پوری نہ ہو سکی اور ان کا انتقال ۱۹۲۳ میں ہوا۔

۴۲ نواب ذوالفقار علی خان۔نواب صاحب مالیر کوٹلہ کے نواب جمال خان ابن بہادر خان ابن دلیر خان ابن غلام خان کے صاحبزادے تھے۔۱۸۷۳ میں پیدا ہوئے۔ان کی جائداد مالیر کوٹلہ کے علاوہ ہندوستان کے دیگر مقامات میں بھی تھی۔نواب صاحب کی ابتدائی تعلیم وارڈ اسکول انبالہ میں ہوئی۔چیفس کالج سے انٹرنس پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف اے کیا۔ ۹۷۔۱۸۹۶ میں بغرض سیاحت انگلستان گئے۔پیرس میں فرانسیسی زبان میں خاص ملکہ پیدا کیا۔۱۹۰۰ میں ہندوستان واپس آئے۔مالیر کوٹلہ کے بجائے لاہور میں قیام کرنا پسند کیا تا کہ یہاں کی سیاسی اقتصادی اور دوسرے امور میں دلچسپی لینے کا موقع ملے۔۱۹۰۹ میں امپیریل لیجسلیٹیو کونسل کے ممبر ہوئے اور اسی زمانے میں عرصے تک پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور پنجاب ہسٹاریکل کے صدر بھی رہے۔۱۹۱۰ میں ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم ہوئے۔۱۹۱۱ میں دربار تاجپوشی میں مدعو کئے گئے تھے۔۱۹۱۳ میں وزارت عظمیٰ سے استعفا دیا۔۱۹۲۶ میں لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔۱۹۲۹ میں سائمن کمیشن کے سلسلے میں لندن گئے۔نواب صاحب اور ڈاکٹر اقبال میں گہری دوستی تھی۔انہوں نے ہی اقبال کی شاعری پر سب سے پہلے انگریزی میں مضمون لکھا۔یہ ایسٹ اینڈ ویسٹ میں شائع ہوا اور پھر A voice from the East کے نام سے کتابی صورت میں ۱۹۲۲ میں چھپا تھا۔اس پر حکیم احمد شجاع نے اُردو میں تبصرہ کیا اور اسے اپنے رسالہ "ہزار داستان" بابت جولائی ۱۹۲۲ میں شائع کیا۔یہ شمارہ میری نظر سے گذرا ہے اور سالار جنگ میوزیم کے نادرالوجود کتب خانے میں موجود ہے۔انگریزی اور اُردو میں صاحب تصانیف ہیں۔ان میں مہاراجہ رنجیت سنگھ (اُردو) اور شیر شاہ سوری (انگریزی) قابل ذکر ہیں۔سر ذوالفقار علی خان کا انتقال ۲۶ مئی ۱۹۳۳ کو ڈیرہ دون میں ہوا۔(حوالے۔یادگار دربار ۱۹۱۱ حصہ دوم ۳۰۶ مطبوعہ یادگار آفس لاہور ۱۹۱۲ و زمانہ کانپور بابت جولائی ۱۹۳۳ جلد ۶۱ نمبر ۱ صفحہ ۵۰)

۴۳ سردار جوگیندر سنگھ۔ولادت ۱۸۷۷۔پنجاب کے بہت بڑے جاگیردار، سکھوں کے لیڈر، پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور اقبال کے جگری دوست تھے۔انگریزی کے مشہور رسالے "ایسٹ اینڈ ویسٹ" کی ادارت میں سردار امراؤ سنگھ شیر گل اور نواب ذوالفقار علی خان کے ساتھ بھی شریک تھے۔۱۹۱۹ میں حکومت نے انہیں "سر" کا خطاب دیا۔ریاست پٹیالہ اور پنجاب میں کچھ عرصہ کے لئے وزیر بھی رہے۔انگریزی میں متعدد کتابیں اور مضامین لکھے۔ان میں "کملا" اور "نور جہاں" قابل ذکر ہیں۔نہایت خوش باش، ملنسار اور وضعدار تھے۔ایک مرتبہ

سردار صاحب، ڈاکٹر اقبال اور مرزا جلال الدین بیرسٹر ایٹ لا، نواب ذوالفقار علی خان کی موٹر میں بیٹھ کر شالامار باغ (لاہور) کی سیر کو گئے۔ راستے میں سردار صاحب نے نہایت حیرت سے کہا کہ نواب صاحب کی موٹر کس قدر خاموش واقع ہوئی ذرا شور نہیں کرتی۔ اس پر اقبال نے ایک نظم کہی جو بانگ درا میں موجود ہے۔ مطلع یہ ہے۔

کیسی پتے کی بات جگندر نے کل کہی۔ موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے اقبال کی مثنویوں اسرار خودی اور رموز بیخودی پر ریویو لکھا۔ اُسے سردار صاحب نے اپنے رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ میں شائع کیا۔ غرض کہ نہایت صاحب ذوق تھے۔ اُردو اور فارسی سے اچھا خاصا شغف تھا (اقبال بنام شاد، ۱۲۔ محمد عبداللہ قریشی)

۳۴ نقوش لاہور نمبر صفحہ ۱۱۵۹ مطبوعہ ۱۹۶۲ء





علامہ میرزا عبدالکریم زنجانی

علامہ میرزا عبدالکریم زنجانی

جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ڈاکٹر اقبال، علامہ شیخ عبدالعلی ہروی کے بعد آیۃ اللہ میرزا عبدالکریم زنجانی سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ علامہ زنجانی عالم جید اور فقیہہ بے مثال تھے۔ موصوف کے حالات کی تلاش میں مجھے رستم کی طرح گویا ہفت خواں طے کرنے پڑے۔ کئی کتاب خانوں کی خاک چھاننا پڑی۔ بہت سے علماء دین کے شریعت کدوں پر دستک دینا پڑی اور گھنٹوں باہر انتظار کرنا پڑا۔ لیکن بے سود۔ جناب محمد امیر سجاد عالمی فرزند مہاراجکمار محمد میر حیدر خان محمود آباد ہاؤس لکھنو نے علامہ زنجانی سے آخری عمر میں نجف اشرف (عراق) میں کئی ملاقاتیں کی تھیں۔ انہوں نے مجھے قیام عراق کے زمانے کی ایک مجلس کا ٹیپ عربی زبان میں سنایا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ میں عربی سے نابلد ہوں تو موصوف نے ازراہ علم نوازی پہلے ٹیپ کا متعلقہ حصہ عربی میں لکھا اور اس کے بعد اس کا اُردو ترجمہ بھی کر کے دیا۔ جناب ضمیر اختر نقوی (کراچی) نے میری گذارش پر علامہ زنجانی کے حالات مشہور شاعر جناب عزت لکھنوی مرحوم کے صاحبزادہ جناب آغا اسد کے ہاتھ روانہ کئے۔ میں جناب سید اقبال حسین کاظمی سکریٹری جنرل مرثیہ فاؤنڈیشن کراچی کا انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے کئی ہفتوں کی تگ ودو کے بعد علامہ طالب جوہری سے رابطہ قائم کر کے زنجانی طاب ثراہ کے بیش بہا حالات زندگی سے سرفراز کیا۔ جوہری صاحب اگرچہ علامہ کے شاگردوں میں نہیں تھے۔ لیکن ان سے ملاقاتیں ضرور ہوتی تھیں۔

جناب آغا سید محمد باقر صاحب موسوی (بڈگام) کشمیر اور جناب مولوی شیخ حسین لداخی بھی نجف اشرف میں طالب علمی کے زمانے میں زنجانی مرحوم و مغفور کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ ان دونوں حضرات نے علامہ کے بارے میں نہایت اہم اور مفید معلومات تحریری طور پر فراہم

کئے ہیں۔

میں کتاب پر نظر ثانی کر رہا تھا کہ مرحوم مہاراجکمار صاحب کے چھوٹے صاحبزادے محمد امیر عسکری صاحب المعروف "قمی" سے بھی زنجانی صاحب کے بارے میں نہایت ہی بیش بہا معلومات دستیاب ہوئے۔ انہوں نے علامہ کی ایک کتاب "مناسک حج" مع تصویر اور ایک خط کا عکس بھی عنایت فرمایا۔ علاوہ ازیں قمی صاحب سلمہ نے مضمون کی تیاری کے لئے کئی نادر و نایاب کتابوں سے بھی نوازا ہے۔

شیخ عبدالکریم زنجانی کے سفر کے حالات ان کے ایک معتقد محمد ہادی الدفتر نے کتابی شکل میں جمع کر کے "رحلة الامام الزنجانی" کے نام مطبعة الغری، نجف اشرف سے ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ء) میں شائع کئے۔ نیز حاج محمد رشید ہویدی کی مالی امداد سے یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔ دراصل زنجانی کے یہ حالات لبنان کے ایک جریدہ "العرفان" جز ثانی المجلد ۱۸، ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۷ ہجری (۱۹۳۹ء) سے ماخوذ ہیں۔ کتاب مذکورہ انتہائی کمیاب ہے اور برصغیر میں غالباً دو تین نسخے موجود ہوں گے۔ جو نسخہ قمی صاحب کی نظر سے گذرا تھا۔ اس کی پہلی جلد کے خاتمہ میں مولف نے اعلان کیا تھا کہ اس کتاب کی جلد ثانی جلد ہی شائع ہوگی جس میں شیخ زنجانی کی وہ تقریریں ہوں گی جو انہوں نے فلسطین میں، مسجد اقصیٰ میں، بیروت، دمشق، عمان، ہندوستان وغیرہ میں کی تھیں۔ جلد ثانی میری نظر سے ابھی تک نہیں گزری ہے۔

سفر لکھنؤ کے دوران شیخ زنجانی نے ایک طویل خطبہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں دیا تھا۔ جس کا ذکر "سرفراز" جلد ۱۱، ۲۷ ستمبر ۱۹۳۵ء و ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں موجود ہے۔

اسی طرح کلکتہ مسلم انسٹیٹیوٹ میں شیخ زنجانی نے بہت ہی مفصل تقریر کی تھی جس کا ذکر مختلف اخبار و رسائل میں چھپا تھا۔ جو اشتہار اس بارے میں شائع ہوا تھا، اس کا عنوان درج ذیل ہے:-

"مجتہد اعظم نجف اشرف کلکتہ میں"

"حضرت حجۃ الاسلام سرکار آقا میرزا عبدالکریم زنجانی مجتہد اعظم عراق و ایران حسن اتفاق سے اس وقت کلکتہ میں تشریف فرما ہیں۔ ہم لوگوں کی استدعا پر جناب ممدوح ایک تقریر "فلسفۂ دیانت اسلامی و اتحاد اسلامی" پر بتاریخ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۵ء بروز پنجشنبہ بوقت شب ساڑھے آٹھ بجے بہ مقام مسلم انسٹیٹیوٹ (مدرسۂ عالیہ) فرمائیں گے۔ جمیع طبقات مسلمین سے استدعا ہے کہ وقت مقررہ پر شرکت فرما کر استفادہ "حاصل" فرمائیں......"

کلکتہ میں علامہ زنجانی کی ملاقات بڑے بڑے مسلم علماء اور دانشوروں کے علاوہ رابندرا ناتھ ٹیگور اور سبھاش چندر بھوس وغیرہ سے بھی ہوئی تھی۔ اس سے قبل دلی میں اور لوگوں کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے زعماء موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ مولانا آزاد نے عندالملاقات ترجمان القرآن کا ایک نسخہ بھی حاضر کیا تھا۔ ندوۃ العلماء لکھنو کے مولاناؤں نے شیخ زنجانی کو سر آنکھوں پر رکھا تھا۔ وہاں بڑے زور کی تقریر کی تھی۔ فرنگی محل کے علماء نے بھی دعوت دی تھی۔ اس موقعہ پر وہاں عربی مدرسے میں علماء اور طلباء سے خطاب بھی کیا تھا۔ شیخ صاحب جب بمبئی تشریف لے گئے تو ڈاکٹر امبیڈکر بھی ان سے ملنے آئے تھے اور ان سے رازدارانہ گفتگو ہوئی تھی۔ یہ سب واقعات انہوں نے سفرنامہ میں درج کیے ہیں۔

حالات زندگی ...... شیخ زنجانی کا تعلق عراق کے ایک مشہور و معروف عربی گھرانے سے تھا جو نجف اشرف میں محلہ ''شرف شاہ'' میں آباد تھا۔ شیخ کے جد اعلیٰ، شیخ محمد العلی، نجف کے نمایاں علماء میں سے تھے۔ انہوں نے ۱۲۱۷ھ میں نجف سے بلاد ایران کی جانب ہجرت کی۔ یہ وہ دور تھا جب وہابیوں نے نجف و کربلا پر حملہ کیا تھا اور قتل و غارتگری کی تھی۔ ایران میں وہ جب شہر زنجان (قزوین اور تبریز کے درمیان واقع ایک خوبصورت شہر ہے) پہنچے تو وہاں کے مجتہد اعظم السید محمد معروف بہ السید المجتہد اور دیگر علماء و روساء نے ان کا استقبال کیا اور موصوف کی بیٹی کا عقد شیخ محمد العلی کے بیٹے شیخ محمد الحسن سے ہو گیا۔ اس رشتے سے شیخ محمد الحسن کے اکلوتے بیٹے شیخ محمد الرضا پیدا ہوئے۔ شیخ محمد الرضا کے ماموں میرزا عبدالواسع امام جمعہ کی صاحبزادی کا عقد شیخ محمد الرضا سے ہوا۔ اور شیخ عبدالکریم زنجانی ان کے تنہا فرزند ۱۳۰۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت ''**نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتۡحٌ قَرِيۡبٌ**'' کی آیت سے نکلتی ہے۔

آپ کی پرورش علماء کے زیر سایہ ہوئی۔ علاوہ گھریلو علمی ماحول کے مختلف مدارس علمیہ میں فلسفہ اور دینی تعلیم مختلف بلاد میں حاصل کی۔ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کے بنیادی استحکام اور تعلیمات پر عبور حاصل ہونے کے بعد دروس عالیہ و فلسفہ میں شرکت کرنے لگے۔ دینی درس جو بحث خارج کہلاتا ہے۔ اس کی تکمیل کے بعد آخر الامر نجف اشرف پہنچے جہاں انہوں نے ۱۳۲۶ ہجری (۱۹۰۷ء) میں اجازۂ اجتہاد حاصل کیا۔ ان کو اجتہاد کا اجازہ اس زمانے کے مشہور و معروف مرجع تقلید ''السید محمد کاظم طباطبائی یزدی نے دیا تھا۔

شیخ زنجانی کے شاگردوں کو دیکھنے والوں نے روایت کی ہے کہ ہم نے آپ کے والد اور ماموں کی موجودگی میں آپ کے ڈھیروں شاگرد دیکھے اور آپ کے مجادلۂ علمیہ و مباحثۂ فلسفہ کا شہرہ سنا۔ اجازۂ اجتہاد کے بعد نجف اشرف کے علماء آپ کے علوم سے استفادہ کرتے تھے۔ لوگوں کی متفقہ رائے یہ تھی کہ آپ ایک عظیم اور جلیل القدر عالم تھے۔ حاضر جواب، صاحب متانت و ذکاوت علم سے پُر، عزم کے پختہ، نفس کو عنانِ عقل سے قابو میں رکھنے والے تھے۔ زنجانی صاحب سیر و سیاحت کے شائق بھی تھے اور قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ پر عامل ہوئے:

''قل سیروافی الارض فانظر و اکیف بدٔ الخلق ''(سورۂ عنکبوت۔۲۰)

(ترجمہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ خدا نے خلقت کا آغاز کس طرح کیا ہے) اور مختلف بلاد اسلامیہ کے سفر کا ارادہ کیا۔ خصوصاً شرق کے تمام دیار مسلمین جن میں بلاد عربیہ، ہند، ایران، افریقہ اور چین شامل ہیں اور اُمت مُسلمہ کی فلاح کی خاطر ان بلاد المسلمین کے زعماء ملت سے ملاقات کی۔ علمی مسائل پر گفتگو کے علاوہ وحدتِ اسلامی اور جمعیت المسلمین کا پیغام گوشہ گوشہ تک پہنچایا اور ''داعی وحدت اسلامی'' کا خطاب حاصل کیا۔

شیخ زنجانی کے کچھ حالات مذکورہ سرفراز میں درج ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں سید عبداللہ رضوی (مقیم لاہور جو شیخ کے ہمراہ لاہور آئے تھے) نے کچھ آنکھوں دیکھا حال بتایا وہ بھی شامل تحریر ہے۔ ہندوستان میں آپ نے یہاں کے ہندوؤں سے ان کے معاشرتی اور مذہبی طبقات اور تفریق پر گفتگو کی۔ مسلمانوں سے وحدت اسلامی پر اور انگریزوں کی غلامی سے اہل ہند کی رہائی پر زور دیا۔ غیر مسلم طبقہ ہائے فکر میں اس پیغام کو عام کرنے کی کوشش کی کہ اسلام کو اپنی اعلیٰ خصوصیات کی بنا پر تمام ادیان عالم پر افضلیت حاصل ہے۔

علامہ زنجانی مساواتِ انسانی کے قائل تھے اور بنی نوع انسان میں کسی قسم کی تفریق اور تفاوت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے اجتماع المسلمین میں قوم اور قبیلہ کی بنیاد پر پہچان کی نفی کی۔ جب لکھنؤ آئے تو یہاں ندوۃ العلماء میں آپ کا علمی مباحثہ ''علم اور انقلاب'' کے موضوع پر ہوا۔ جس کا حال اخبار سرفراز میں درج ہوا ہے۔ اس گفتگو کا اسلوب فلسفیانہ اور اہل تحقیق کے اس قول سے کہ علم، عالم کے وجود سے ہے۔ یہ سوال پیدا ہوا کہ عالم کا مرتبۂ علمیت اس وقت کیا ہوگا جب وہ سہو و نسیان کا شکار ہو جائے۔ علاوہ ازیں علم کی تحصیل میں اس بات کا لحاظ لازم ہے کہ کس علم کو سیکھنے میں ترجیح دی جائے۔ اس لئے کہ علم روح کے واسطے بہ منزلہ غذا ہے اور جسم انسانی کی غذا میں یہ امر قابل غور ہے کہ جو غذا ایک پیرانہ سال کے لئے ہوگی، کمزور اور طاقتور کی غذا میں فرق کیا جائے

گا۔ جو غذا صحت مند کو دی جائے گی وہ بیمار کو نہ دی جائے گی۔ یہی حال علم کا ہے۔ حسب استعداد متعلم۔

ان مباحث میں علامہ موصوف نے اس بات پر زور دیا کہ تحصیل علم میں ابتدائی امر اخلاق تعلیم ہے کہ یہ دین اور تعلیمات اسلام اور انبیاء کی ریاضتوں کی بنیاد ہے۔ آپ کے نزدیک علم اخلاق کا سیکھنا امت کی وحدت اور سیاسی بیداری کا سبب ہے۔ البتہ لاہور میں آپ کے مباحث کا محور فلسفہ اور ریاضی کے دقیق مسائل تھے۔ جن میں ''ابعاد ثلاثہ'' کا موضوع محور گفتگو تھا۔ جسم کے ابعاد از روئے فلسفہ چار ہیں۔ تین مکانی اور ایک زمانی۔ مکانی یہ ہیں۔ طول و عرض و سمک (بلندی) اس سلسلے میں علامہ نے فرمایا کہ فلسفہ کی اصطلاح میں جسم کے ابعاد (جسم سے علیحدہ حالتیں) تین ہیں جو مکانی ہیں اور علم ریاضی بھی ہر جسم کے لئے تصور کیے گئے۔ تین خطوط سے عبارت ہے۔ جنہیں قائمہ زاویوں سے منقطع کیا جا سکتا ہے۔ البتہ چوتھے بُعد کا اضافہ اس میں ملا صدرا نے کیا ہے اور وہ بھی زمان کو ابعاد میں شامل کر کے ابعاد اربعہ قرار دیتے ہیں (اس بحث کے لئے ملا صدرا کی کتاب ''اسفار'' کے صفحات ۱۲۳۷ اور ۱۲۳۹ ملاحظہ ہوں)

علامہ زنجانی کلکتہ کے سفر کے بعد لکھنؤ تشریف لائے تھے۔ یہ دسمبر ۱۹۳۵ء کا زمانہ تھا۔ یہاں محمود آباد ہاؤس قیصر باغ میں جناب راجہ صاحب کے مہمان تھے۔ کچھ دنوں کے بعد محمود آباد گئے جہاں ۳ جنوری ۱۹۳۶ء کو راجہ صاحب کا جشن مسند نشینی منایا گیا۔ اس موقعہ پر ایک تصویر بھی اتاری گئی جس میں علامہ بیچ میں اور داہنی بائیں راجہ صاحب اور مہاراجکمار صاحب نظر آتے ہیں۔ تصویر میرے پاس موجود ہے جو عالی صاحب نے عنایت فرمائی ہے۔ علامہ نے محمود آباد قلعہ میں کئی دن تک قیام کیا تھا۔ یہ بات لطف سے خالی نہیں ہے کہ مسند نشینی کی تقریب پر اور لوگوں کے علاوہ شعراء، ادباء، علماء اور روساء کا ایک جم غفیر تھا۔ ان میں مقبول حسین ظریف لکھنوی بھی علامہ موصوف کے نزدیک ایک خیمے میں قیام پذیر تھے۔

اس کے پہلو میں ایک اور خیمہ تھا جس میں ایک پنجرے میں سور کے بچے تھے۔ میرے پاس کلیات ظریف کا ایک قلمی نسخہ مشہور خوش نویس جناب شیخ ممتاز حسین جونپوری کے ہاتھ کا لکھا ہوا محفوظ ہے۔ اس میں لال روشنائی سے مولانا آصفی لکھنوی کی وہ تمام یادداشتیں موجود ہیں جو کلام ظریف سے متعلق ہیں۔ اس میں ظریف کا وہ یادگار قطعہ بھی ہے جو انہوں نے سنایا تھا۔ قطعہ لوگوں نے پسند کیا اور ظریف کے ''دیوانجی'' میں صفحہ ۱۲۸ میں بھی موجود ہے۔ ایک شعر میں علامہ زنجانی کا بھی ذکر آیا ہے۔ چند شعر یہ ہیں۔

خیمہ پھلواریؒ میں رہنے کو جو مسکن پایا
للہ الحمد انیس شب تنہائی ہے
اس طرف میں ہوں ادھر مور کے بچوں کا قفس
کشش ہموطنی ایک جگہ لائی ہے
بعد مدت کے ہوا ساتھ ہمارا ان کا
کیوں نہ ہو دونوں میں ہمدردی آبائی ہے
فیض سے صحبت علامہؒ زنجانی کے
اس طرح جنتِ دنیا مرے ہاتھ آئی ہے

خدمت عالم دین کا یہ نتیجہ ہے ظریف
ابن طاؤسؒ کے پہلو میں جگہ پائی ہے

مجلس شام غریباں کے شہرت یافتہ بین الاقوامی ذاکر علامہ طالب جوہری صاحب، آیۃ اللہ میرزا زنجانی کے بارے میں اپنے مبسوط گرامی نامہ مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۹۹ء میں لکھتے ہیں:۔

''اگرچہ میں حضرت آیت اللہ العظمیٰ شیخ عبدالکریم زنجانی رضوان اللہ کے شاگردوں میں شامل نہ تھا، لیکن مجھے ان کی خدمت میں حاضری کا شرف ہے۔ میں نے ان کا آخری زمانہ دیکھا ہے۔ جب وہ گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ مسجد ہندی کے عقب کے ایک کوچہ میں انتہائی سادہ سے مکان میں آپ کا قیام تھا۔ گاہے گاہے حرم امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کے لئے باہر نکلتے تھے۔ لمبا قد، فربہی کی طرف مائل جسم، چوڑی اور گھنی ڈاڑھی اس پر سفید عمامہ، ہاتھ میں عصا اور چلنے میں (بڑھاپے کے سبب) تھوڑا سا تکلف۔ باتیں کرتے وقت سامنے کے دانت تھوڑے سے نمایاں ہوتے تھے۔ چلتے وقت عقب میں آپ کا خادم خاص رسم نجف کے مطابق باآواز بلند درود پڑھتا ہوا چلتا تھا۔

میں نے آپ کا وہ زمانہ دیکھا ہے جب نہ آپ کی طرف لوگوں کا رجوع تھا اور نہ طلباء آتے جاتے تھے۔ آپ کے ممتاز شاگردوں کا بھی مجھے علم نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں نے اپنے زمانہ قیام نجف میں شیخ کے درس و بحث کی کوئی اطلاع نہیں سنی۔ کہا یہ جاتا تھا کہ چونکہ شیخ زنجانی اپنے دور کے مختلف سربراہان مملکت اور رجال سیاست سے روابط اور مراسلت رکھتے تھے لہٰذا لوگ انکی خدمت میں حاضری سے پرہیز کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آغا سید باقر موسوی کا خط راقم کے نام

جناب آغا سید محمد باقر (بڈگام) وادی کشمیر میں خاموشی سے اپنے دینی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ میں ان کی سادگی اور علمی معلومات کا قائل ہوں۔ اور کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ آغا صاحب گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ سال گذشتہ میں نے علامہ زنجانی کے بارے میں خط لکھا تھا کہ اگر آپ نے اپنے قیام نجف کے زمانے میں علامہ مرحوم کو دیکھا تھا یا ان سے کبھی شرف ملاقات حاصل ہوا تھا تو مہربانی کر کے اپنے تاثرات سے تحریری طور پر آگاہ کریں۔ آغا صاحب اپنے خط میں ۲۷ جمادی الاول ۱۴۲۰ھ کو لکھتے ہیں:۔

''حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے شیخ عبدالکریم زنجانی علیہ الرحمہ نجف اشرف عراق کے بلند مرتبہ مجتہد اور فیلسوف تھے اور علمی مقامات اور کثیر تصانیف کی بدولت اسلامی دنیا میں مشہور تھے۔

جب میرا قیام تحصیل علم کی غرض سے نجف اشرف میں تھا۔ تو اکثر و بیشتر ان کی زیارت کبھی حرم مقدس کے احاطے میں اور کبھی محلہ حویش کے گلی کوچے میں نصیب ہوتی تھی۔ محلہ حویش ہی میں مدرسہ طباطبائی واقع تھا جہاں میرا قیام ہوتا تھا۔ البتہ ایک دفعہ بعض رفقاء کے ساتھ ان کے گھر گیا جو مسجد ہندی کے قریب تھا جس کی نوعیت گویا ایک خستہ جھونپڑی کی تھی۔ اور انتہائی مختصر۔ ان دنوں وہ پیرانہ سالی کے باعث بہت نڈھال نظر آتے تھے اور چلنے میں بڑی تکلیف ہوتی تھی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دن میں حرم مطہر کی زیارت کے بعد باہر آیا اور آیۃ اللہ موصوف بھی نماز جماعت کی ادائیگی کے بعد گھر کی طرف آ رہے تھے تو میں نے راستے چلتے میں سلام و عرض ادب کے بعد سوال کیا کہ بندہ نے بہت پہلے لکھنؤ کے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ جناب والا کو ڈاکٹر اقبال کے ساتھ اچھے مراسم تھے۔ چنانچہ لاہور میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقاتیں بھی ہوئی ہیں اور مسئلہ امامت پر مکالمہ بھی ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں علامہ نظریہ امامت کے قائل ہوئے اور مطمئن۔ فرمایئے۔ کیا یہ واقعہ درست ہے؟ یہ تھا میرے سوال کا خلاصہ میرے لفظوں میں۔ تو انہوں نے چلتے چلتے میں

جواب ارشاد فرمایا۔ اس کا ماحصل یوں ہے:

''جی! میری ان سے ملاقات ہوئی ہے اور ان سے مکالمات بھی ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیل کتابی شکل میں بھی ہوئی ہے اور فرمایا کہ اقبال امامت کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت علی من جانب اللہ خلیفۂ رسولؐ تھے اور اسی ضمن میں اقبال کا یہ شعر بھی پڑھا۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

اور آخر میں فرمایا!

''جب میں لاہور آیا اور اقبال سے ملاقات و گفتگو ہوئی تو میرا اس کے بعد کلکتہ جانے کا پروگرام تھا۔ چنانچہ میں ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ میرے بدرقہ کے لئے اور اصحاب کے علاوہ اقبال بھی آئے تھے۔ وہاں بعض ساتھیوں نے اقبال سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! آقا کے ساتھ جو گفتگو ہوئی اس میں آپ کس نتیجے پر پہنچے؟ تو اقبال نے جواب دیا کہ ''آقا نے میرے لئے ایک راستہ بنایا جس کے دو رویہ آہنی دیوار کھڑی کر دی اور مجھے ساتھ لے چلے۔ پھر جو میرے سفر کی آخری منزل بنی۔ وہ حضرت علی مرتضٰی علیہ السلام کا دروازہ تھا''

یہ آقائے زنجانی کے جواب کا میرے اپنے الفاظ میں خلاصہ تھا۔ بہر حال انہوں نے اپنے مکان تک کلام کا سلسلہ چلایا اور کچھ خستہ سے نظر آئے۔ میں سلام کر کے مدرسہ کی طرف روانہ ہوا۔ آج وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ لیکن مجھے اس ملاقات کا تصور اکثر و بیشتر آتا رہتا ہے اور واقعی ان جیسے بزرگ علماء و فقہا کی جدائی ایک بڑا المیہ ہے۔ .... رحمہ اللہ''

اوپر جناب عابلی صاحب (محمود آباد ہاؤس) کا ذکر آ چکا ہے۔ انہوں نے علامہ زنجانی کے ایک خط مورخہ ۵ صفر ۱۳۶۶ ہجری کا عکس بھی دیا۔ خط میں علامہ زنجانی نے مہاراجہ صاحب، مہاراجکمار صاحب اور بڑی مہاراجکماری صاحبہ وغیرہ کے علاوہ مہاراجکمار صاحب کے بڑے صاحبزادہ محمد امیر کاظم عرفیت مجلسی کا ذکر خیر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ مجلسی صاحب جناب عاملی اور تقی صاحبان کے بڑے بھائی ہیں۔ علامہ کا خط مہاراجکمار صاحب کے نام ہے۔ اس کے

چند جملے یہ ہیں:۔

''.......والا نامۂ سرکار عالی منزلت وصول بخشید۔ از بشارت صحت و سلامتی سرکار راجہ صاحب بالقابہ و سرکار عالی بسیار مسرور شدم و در حرم مطہر حضرت امیر مومنان علیہ السلام از ہر دو وجود محترم نایب الزیارۃ و دعا گو ہستم و انتظار دارم بزیارت ایں مشاہدہ مشرفہ کامیاب بشوید۔ کہ شوق فراواں دارم۔ دعائی کہ برائے صاحب زادہ امیر محمود کاظم عرفیت مجلسی حفظ اللہ طلب فرمودہ بودید۔ منتظر بودم در ساعت معین مسعود و در شرف شمس ایں لوح و طلسم کہ در ایں لوح از فقرہ نقش شد باسم صاحبزادہ مجلسی صاحب تقدیم نمودم۔ امر بفرمائید در ہمراہ صاحبزادہ یعنی در بازو یش یا در سینہ لباسش و یا در اندرون کلاہش نصب کنند کہ دائماً و ہمیشہ ہمراہ صاحبزادہ باشد کہ انشاء اللہ از ہمہ آفات و بلیات و از نظر بد محفوظ میشود۔ و برائے ہمہ کار ہائے دنیوی و دینی مبارک و سعد است۔ و ایں طلسم در حکم اکسیر احمر است......''

ذیل میں علامہ شیخ حسن موسیٰ صفار کی اس مجلس عزا کا وہ ضروری حصہ جناب عاملی صاحب کے تاثرات کے ساتھ درج کیا جاتا ہے جو موصوف نے آج سے بارہ سال قبل عراق میں ٹیپ کیا اور جس میں شیخ زنجانی کے علم تبحر اور ان کی نجی زندگی پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔ ٹیپ سے ان لوگوں کی قلعی بھی کھل جاتی ہے جنہوں نے آیت اللہ مرحوم و مغفور سے سوشل بائکاٹ کیا تھا۔ جناب عاملی صاحب (محمد امیر سجاد) فرماتے ہیں:۔

''عرب کے معروف عالم دین اور مذہبی تنظیم کے ایک نمایاں لیڈر خود جن کی تصانیف میں متعدد کتابیں اور کتابچے ہیں علامہ شیخ حسن موسیٰ صفار، ایام محرم میں شہر شام کے نواح میں حضرت زینب کے روضہ کے جوار میں واقع حسینیہ الزہراء میں مجالس عزاء کو خطاب کرتے تھے۔ ۸ محرم ۱۴۱۰ھ کی مجلس میں انہوں نے مرحوم آیت اللہ میرزا عبدالکریم زنجانی کے اور ان کے صفات کے بارہ میں یوں بیان کیا:

"الإمامُ المرحومُ الشيخ عبدالكريم الزنجاني رحمة الله عليه مِن أَسَاطِين عُلَماءِ النَّجَفِ الأَشْرَفِ، كَان قِمّةً فِي الفَلسَفةِ وَالأَدبِ، رَاحَ إِلَى مِصْرَ وَ أَلقَى خِطاباً فِي الجَامِع الأَزهَر فَانْحَدَرَ كُلُّ العُلَمَاءِ بِخِطَابِهِ. طه حسين، أمين

الأَرَبِ العَربى يَقُول: "سَمِعتُ الزَنجَانِي يَخطُبُ فَظَنَنتُ أَن ابنُ سِينَا قَد خَرَجَ مِنْ قَبرَهِ حَيّاً يَخطُبُ فِي النَّاسِ". بَعدَ ما خَلَصَ خِطَابَهُ جَاءَ طه حُسَينٍ يُقَبِّلُ يَديهِ وَقَالَ" هٰذهِ أوَّلُ وَآخرِيَدٍ أُقبِلُهافِي الشرقِ الأوسطِ. جَاءَ الشَّيخُ الزَّنجَانِي إِلَى الشَّامِ وَ أَلقَى خِطَاباً فِي الجَامِع الأموِي بِحُضورِ مُختَلِفِ العُلَمَاءِ مِنْ مُختَلِفِ المَذَاهِبِ، فَكَتَبَتْ إِحدَى الصُحفِ "مَن الشَّيخ؟" قَالَتْ: لَمَّا خَطَبَ الإِمَامُ زَينَ العَابِدِينَ عَلِيٌّ بن الحُسَينِ (عليه السلام) فِي مَجلِسِ يَزِيد بن مُعَاويه أمَرَيَزِيدُ المُؤذِّنَ أَنْ يَقطَعُ عَلَيهِ خِطَابَهُ فَبَقِيَ خِطَابُ زَينِ العابدين مَقطُوعاً مَبتُوراً إِلَى أَنْ جَاءَ الإِمَامُ الزَنجَانِي فَأكمَلَ خِطَابَ زَينِ العَابِدِينَ"

هٰذا العَالِمُ، كَانَ لَازِمِ النَّاسُ إِلتَفُّوا حَوْلَه، يَحتَرِمُوهُ، يَفتَخِرُوا بِهِ، يَهتَزُّوا فِيهِ. وَلٰكِنْ لِأَنَّ الأعدَاءَ شَافُوا عَبقَرِيَّتَهُ وَتَفَوُّقَهُ وَ تميزهُ رَمَتهُ سِهَامَ الدِعَايَاتِ وَالإِفتِرَاءَاتِ فَكَانَ فِي بَيتِهِ مَاكَانَ أَحَدٌ يَمُرُّ عَلَيهِ. مَاكَانَ أَحَدٌ يَجبُر أَنْ يَمُرُّ إِلى بَيتِهِ مِنَ الدِعَايَاتِ وَ الإِتهامَاتِ. يَقُولُ أَحَدُ العُلَمَاءِ: "زَوجَةُ الشَّيخ الزَنجَانِي جَاءَتنِي وَقَالَتْ لِي: "تَرَى الشَّيخ عَلَى فِرَاشِ المَوتِ مَاأحَدٌ فِي جَنبِهِ إِرَجَى: بِالدكتورِ، طَبِيبِ. مَا أحَدٌ حَوْلَهُ". يَقُولُ: "رِحتُ فِعلاً شِفتَهُ فَقِيراً عَلَى فِرَاشِهِ. مَاعِندَهُ وَلَدٌ. (أيضاً مَا عِندَهُ أوْلَاد). وَمَاتَ فَقِيراً غَرِيباً. مُوفِي بِلَا غِذَاءٍ...... فِي بِلَادِنَا...... فِي مَرَاكِزِنَا العِلمِيَّةِ. لِنيش؟. لِأَنَّ الأعدَاءَ مَايُرِيدُ أَنْ يَطلَعَ فِينَا طَاحِدٍ فِيهِ خَيرٌ. لَايُرِيدُ أَنْ يَنفَعُ فِينَا نَابِغَةً، مَايُرِيدُ يَتمُوفِينَا عَالِمٌ مُصلِحٌ. لِذٰلِكَ يُوَجِّهُ ضِدَّهُ إِتهامَات وَ الإِفتِرَاءَات مِن كُلِّ جِهةٍ وَ مَكَان. وَخَاصّاً إِذَا هٰذَا العَالِم ضِدَّ الظَّلَمَةِ، ضِدَّ العُمَلَاءِ، ضِدَّ الحَاكِمِين الطُّغَاةِ. تَتَوَجَّهُ ضِدَّهُ الدِعَايَات وَ الإِتهامَاتِ"

ترجمه: مرحوم امام شیخ عبدالکریم زنجانی رحمۃ اللہ علیہ علماء نجف اشرف کے ستونوں میں منفرد تھے۔ فلسفہ و ادب کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ وہ مصر گئے اور جامع الازہر میں تقریر کی اور اپنی تقریر سے سارے علماء پر چھا گئے۔ ڈاکٹر طہ حسین (نوٹ: ڈاکٹر طہ حسین کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ کثیر التصانیف بلند پائے کے ادیب اور مورخ اور نقاد تھے۔ مصر کے وزیر تعلیم بھی رہ چکے ہیں، ادب عربی کے شعبہ کے سکریٹری) کہتے ہیں: "میں نے زنجانی کو تقریر کرتے سنا اور مجھے گمان ہوا کہ گویا ابن سینا قبر سے زندہ ہو کر نکل آئے اور لوگوں کے درمیان تقریر کر رہے ہیں"۔ اور

جب تقریر ختم ہوئی تو طہ حسین آئے اور آیت اللہ زنجانی کے ہاتھ چومے اور کہا:

"یہ پہلا اور آخری ہاتھ ہے جو پورے مشرقِ وسطیٰ میں میں نے چوما ہے"

شیخ زنجانی شہر شام میں آئے اور مسجدِ اُموی میں مختلف مذاہب کے مختلف علماء کے درمیان تقریر کی۔ وہاں کے ایک اخبار نے "کون ہے یہ شیخ؟" کے عنوان کے تحت لکھا "جب امام زین العابدین علی بن الحسین علیہ السلام نے یزید بن معاویہ کے دربار میں مسجد میں خطبہ دیا تو یزید نے مؤذن کو حکم دیا کہ اُن کے کلام کو قطع کردے۔ اُس وقت سے زین العابدین علیہ اسلام کا خطبہ منقطع اور نا تمام رہا یہاں تک کہ امام زنجانی آئے اور امام زین العابدین علیہ السلام کے خطبہ کی تکمیل کی"!

پھر شیخ حسن موسیٰ صفار کہتے ہیں: "یہ عالم تھے ایک ایسے عالم کہ لوگوں پر لازم تھا کہ کثرت سے ان کے گرد جمع رہیں، اُن کا احترام کریں، اُن پر فخر کریں، اُن کے صفات کی خوبیوں پر وجد کریں، لیکن ہمارے دشمنوں نے جب اُن کی عبقریت کو دیکھا، دوسروں پر اُن کی فوقیت کو دیکھا، اُن کی امتیازی حیثیت کو دیکھا تو اُن پر جھوٹے پروپاگینڈا اور افتراءات کی تیر برسانے لگے۔ حال یہ ہوا کہ وہ اپنے مکان پر تنہائی میں زندگی بسر کرتے، کوئی اُن سے ملنے نہیں جاتا تھا۔ بہتان اور تہمتوں کے سبب کوئی جرأت نہیں کرتا تھا کہ اُن کے مکان پر جائے۔ نجف کے علماء میں سے ایک نے بتلایا کہ: "شیخ زنجانی کی زوجہ میرے پاس آئیں اور مجھ سے کہا کہ: "شیخ کو ذرا بستر مرگ پر دیکھو کہ اُن کے پہلو میں کوئی نہیں ہے، کوئی نہیں کہ جو ڈاکٹر یا طبیب کو لائے۔ کوئی ان کے پاس نہیں ہے"! میں فوراً گیا اور دیکھتا کیا ہوں کہ ایک مردِ فقیر اپنے بستر مرگ پر پڑا ہے۔ کوئی پاس نہیں۔ کوئی بیٹا پہلو میں نہیں (ان کے اولاد نہ تھی) اور وفات کر گئے، ایک فقیر اور غریب کی طرح"۔

یہ سب کچھ دشمنوں کی بستی میں نہیں ہوا۔ یہ ہماری اپنی بستی میں ہوا۔ ہمارے ایک بڑے مرکزِ علمی میں ہوا۔ کیوں؟ کیونکہ دشمن نہیں چاہتے کہ ہم میں کوئی ایک بھی ایسا اٹھ سکے جس میں خیر اور فضل ہو۔ وہ نہیں چاہتے ہم میں کوئی عبقری اُبھر سکے۔ وہ نہیں چاہتے ہم میں کوئی عالم مصلح نشو ونما پائے۔ اس لئے ایسوں کے خلاف بہتان اور تہمت اور گڑھے ہوئے پروپاگینڈا ہر طرف سے اور ہر جگہ اُن کے مقابل میں لے آتے ہیں۔ خصوصاً اگر وہ عالم ایسا ہو کہ ظالموں کے خلاف ہو۔ غیر قوموں کے ایجنٹوں کی مخالفت کرتا ہو۔ سرکش حاکموں کی مخالفت کرتا ہو۔ پس اُس کے خلاف تہمت اور بہتان اور جھوٹے پروپاگینڈا سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں" خطابت کے میدان میں آیۃ اللہ میرزا عبدالکریم زنجانی مرحوم کی فصاحت و بلاغت، علم کی وسعت، فکر کی گہرائی، علمِ کلام میں تبحر کا اعتراف اُس بیان میں ملتا ہے جو اوپر آچکا ہے۔ علم و فکر کے سرمایہ کو وہ صرف اپنے لئے نہیں

چاہتے تھے بلکہ کوشاں تھے کہ اس کی برکتیں سب مسلمانوں تک پہنچیں اور برابر کوشاں رہے کہ فکر اسلامی کو مسلمانوں میں رائج رکھا جائے۔ اس غرض سے متعدد ملکوں کا سفر اختیار کیا، اور یہ اُس زمانہ میں کہ جب سفر اتنا آسان نہ تھا بلکہ کافی زحمتوں، دشواریوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انہوں نے نہ صرف مشرق وسطیٰ کے مختلف مقامات کا دورہ کیا بلکہ اس برصغیر میں بھی تشریف لائے اور لوگوں کو مستفید کیا۔ لاہور میں قیام کیا، لکھنو آئے اور جیسا کہ مجھے معلوم ہوا میرے چچا اور والد کے مہمان ہو کر کافی دن محمود آباد میں قیام پذیر رہے۔ اُن کا سفرنامہ عربی میں ''رحلۃ الامام الزنجانی'' کے نام سے شائع ہوا تھا اور اس کا فارسی ترجمہ بھی چھپا ہے۔

وہ خود مجتہد اور فقیہہ تھے اور مقام مرجعیت پر فائز تھے۔ اس کی تائید موژن مومن کی کتاب **An Introduction to Shi'i Islam** کے صفحہ ۳۴۳ کے نوٹ نمبر ۲ سے بھی ہوتی ہے اور خصوصاً آیت اللہ بروجردی کے انتقال کے بعد عراق اور بعض دیگر مقامات میں کافی لوگ اُن کے مقلد ہوئے حالانکہ اُس وقت ہند اور پاکستان میں بیشتر لوگ سید محسن حکیم کے مقلد ہوئے، تاہم بہت سے دیگر مقامات پر بہت سے دیگر علماء کو مرجعیت حاصل ہوئی اور تقلید کی گئی خصوصاً ایران میں علماء قم میں: سید محمد کاظم شریعتمداری، سید محمد رضا گلپایگانی، سید شہاب الدین مرعشی نجفی، علماء مشہد میں: سید محمد ہادی میلانی اور سید احمد کفائی خراسانی، تہران میں سید احمد خوانساری، علماء نجف میں سید محمود شاہرودی، سید ابو القاسم خوئی، میرزا عبدالکریم زنجانی، سید محمد جواد عیلی تبریزی، حسن بجنوردی، شیخ آل کاشف الغطاء وغیرہ اور بغداد میں سید محمد علی شہرستانی۔ ان کے علاوہ لبنان میں شیخ محمد تقی آل فقیہہ اور دیگر مراجع بھی تھے۔ ۱۹۶۲ء کے بعد سے سید روح اللہ خمینی کی تقلید بھی بڑھنا شروع ہوئی۔

یہ ذکر اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ وحدتِ مرجعیت کا غلط تصور یہاں لوگوں کے ذہن میں جاگزین ہے۔ آیت اللہ بروجردی کے انتقال کے تھوڑے دن بعد دسمبر ۱۹۶۲ میں ایک کتاب ''بحثے دربارہ مرجعیت وروحانیت'' شائع ہوئی جس میں بہت سے علماء اور مفکرین نے اپنے آراء کا اظہار کیا تھا۔ ان میں متعدد لوگوں نے وحدتِ مرجعیت کو صحیح نہیں سمجھا۔ بلکہ مرحوم عبدالکریم حائری یزدی جو ۱۹۲۷ میں شہر اراک سے قم لائے گئے اور جنہوں نے حوزۂ علمیہ قم کا پھر سے احیاء کیا وہ بھی وحدتِ مرجعیت سے متفق نہ تھے بلکہ فقہ کے مختلف موضوعات میں الگ الگ فقہاء کو تخصیص حاصل کرنے کو بہتر سمجھتے تھے (ملاحظہ ہو مرتضیٰ مطہری، دہ گفتار ص ۱۰۲ کے حوالے سے کتاب الکلام یجر الکلام تالیف سید احمد زنجانی)

بہر حال، آیت اللہ میرزا عبدالکریم زنجانی مرحوم بھی مراجع تقلید میں سے تھے۔ اُردو میں ان کے مناسک حج کا ترجمہ قریب ۱۹۳۱/۱۹۳۲ء میں ہماری بڑی پھوپھی بڑی مہارا جکماری صاحبہ محمود آباد نے اپنے شوہر مرحوم سید رضا امام ابن سر سید علی امام ابن علامہ سید امداد امام کے ایصال ثواب کے لئے لکھنؤ میں چھپوایا تھا۔

مجھے خود ان کی ملاقات کے شرف پر فخر ہے۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۱ء تک میں ہر سال عراق جاتا رہا اور کبھی کبھی سال میں دو بار جاتا ہوا اور ہر بار دو تین ماہ وہاں رہتا تھا اور زیادہ تر نجف اشرف ہی میں رہتا تھا۔ مراجع تقلید اور علماء سے ملنے کا شرف بھی حاصل کیا۔ لیکن یہ بہ خوبی کہہ سکتا ہوں کہ اتنا نورانی چہرہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا جیسا کہ آیت اللہ زنجانی کا تھا۔ امیر المومنینؑ کے روضہ میں ضریح اقدس کے پشت پر مقربین کی نماز با جماعت پڑھاتے تھے۔ ایک روز ۱۹۶۷ء میں نماز کے بعد رواق سے ہو کر وہ گزر رہے تھے جب میں روضہ میں داخل ہوا۔ اُن کو دیکھتے ہی بالکل بے اختیار اُن کے ہاتھ چومنے کے لئے جھک گیا جو کسی اور کے لئے نہیں کیا اور اُس وقت میں جانتا بھی نہیں تھا کہ وہ کون ہیں۔ مجھ سے دریافت کیا کہ میں کون ہوں پھر اپنے مکان پر مجھے حاضر ہونے کو فرمایا۔ نہایت تکلیف اور رنج اس بات کا ہوا کہ ہندوستانی طلبہ میں جس کسی سے بھی کہا کوئی بھی اُن کے مکان پر میرے ساتھ جانے کو تیار نہ تھا۔ اس کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ بہر حال مجھے تو اُن کی ملاقات کا شرف پر فخر ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان ہندوستانی طلبہ کو اپنی کوتاہی کا احساس تک نہیں ہوا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

(اقبال)

(محمد امیر سجاد عالمی)

وفات: آیت اللہ میرزا عبدالکریم زنجانی کے آخری ایام انتہائی کسمپرسی، مفلسی اور بے کسی کے عالم میں بسر ہوئے۔ وہ لاولد تھے اور آخری لمحات میں سرہانے پر کوئی ہمدرد بجز زوجہ موجود نہیں تھا۔ وہ خود لاچار اور ضعیف ہو گئی تھیں۔ بالآخر علامہ ۸۳ سال کی عمر میں ۱۰ ستمبر ۱۹۶۸ء کو اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

مولوی شیخ حسین لداخی آیت اللہ زنجانی مرحوم سے بخوبی واقف تھے۔ وہ نجف اشرف میں طالب علم کی حیثیت سے ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۱ء تک قیام پذیر تھے اور ان کے پاس چودہ مراجع تقلید کے کاغذات وکالت موجود ہیں۔ موصوف نجف میں لداخ اور کرگل وغیرہ کے طلباء کے منتظم تھے۔ یعنی

انہی کے ذریعہ سے طلباء کو مشاہرہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس سے ان کی دیانتداری کا ثبوت ملتا ہے۔
شیخ لداخی شیخ زنجانی کی تجہیز و تکفین کے وقت نجف میں موجود تھے۔ وہ کہتے ہیں:

''مرحوم زنجانی نے مرجع تقلید جناب سید محمود شاہرودی کو اپنی تجہیز و تکفین کے لئے وصیت فرمائی تھی۔ چنانچہ جب زنجانی صاحب کا انتقال ہوا تو موصوف شاہرودی صاحب ان کے مکان پر پہنچے۔ وہ مرحوم کی انتہائی سادہ زندگی کا مشاہدہ کر کے پھوٹ پھوٹ کر روئے اور فرمایا کہ فیلسوف اسلام آج اُٹھ گیا۔ جس عبا کو مرحوم زنجانی اوڑھکر باہر نکلتے تھے اسی پر رات کو آرام فرماتے تھے۔ نہ بستر نہ بوریا۔ یہی ان کا اثاثہ تھا۔ بہر حال سید محمود شاہرودی، ان کے دونوں فرزند (سید محمد شاہرودی اور سید علی شاہرودی) نیز میں (مولوی شیخ حسین لداخی) اور دو چار افراد ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ یہ آیت اللہ زنجانی کی تنہائی اور بے بسی کا عالم تھا۔
سید محمد شاہرودی قم میں اور ان کے بھائی سید علی شاہرودی شاہرود میں مقیم ہیں۔ ان سے بھی پوچھا جا سکتا ہے۔ وہ بھی عین گواہ ہیں اور تفصیل سے بیان کریں گے۔''

شیخ حسین لداخی سال گذشتہ کسی ضروری کام کے لئے بمبئی گئے تھے۔ ان کی ملاقات جناب شیخ محسن ناصری (پیش نماز مغل مسجد بمبئی) سے ہوئی تھی۔ ملاقات کے وقت ہمارے دوست جناب امیر محمد عسکری (محمد آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنو) بھی موجود تھے۔ موصوف نے مجھ سے یہ واقع آخری فروری ۲۰۰۰ء میں بیان کیا تھا۔

تصانیف...... شیخ زنجانی کثیر التصانیف تھے۔ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی لکھتے ہیں کہ علامہ کی تصانیف کی صحیح تعداد کا علم نہیں۔ لیکن جو ہمارے نزدیک ثابت ہے۔ وہ ۱۵ کتب ہیں جن میں رسائل بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کتابوں کی فہرست شامل کرنے سے قبل کتابوں کو اس طرح تقسیم کیا ہے:

فلسفہ پر ۱۵ کتب۔ علم الکلام۔ ۵، علم فقہ ۱۵، علم اصول فقہ، ۵، علم تفسیر ۳ علم رجال وحدیث ۵، اور علم منطق پر ۳۔

علامہ طالب جوہری نے ۲۵ کتابوں کی فہرست شامل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''میں نے شیخ مرحوم کی چند کتابیں دیکھی ہیں۔ اس کے بعد موصوف نے ذیل کی چند کتابوں کی تفصیل اس طرح

دی ہے۔

(۱) دروس الفلسفہ جلد اول طبع دوم ۱۳۸۲ھ۔ ان کی اس کتاب کا تذکرہ "الذریعہ" نے بھی کیا اور سن ولادت (زنجانی) تقریباً ۱۳۰۰ھ لکھا ہے جبکہ سن کتابت ۱۳۶۰ھ ہے۔ صاحب ذریعہ نے ان کی کتاب "تطور الفلسفہ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ دروس الفلسفہ کی پشت پر آپ کے تصنیفات کی فہرست ہے۔ جسے میں آخر میں نقل کروں گا۔

۲۔ الفقہ الارقی فی شرح العروۃ الوثقیٰ۔ ابتدائی جلد چھپی ہے جس میں مباحث بھی تمہیدی اور ابتدائی ہیں۔ گویا یہ کتاب اصل کتاب کا مقدمہ ہے۔

۳۔ رحلۃ الامام الزنجانی جلد دوم۔ ممالک اسلامیہ کے مختلف شہروں میں آپ نے جو خطبات دیئے ہیں ان کے متون بھی ہیں اور ان سے متعلق اخبار و مجلات میں جو رپورٹنگ ہوئی ہے وہ بھی شامل ہے۔ ان خطبات سے آپ کی وسعتِ علم اور دقتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ مشہور شیعہ دانشور محمد جواد مغنیہ مرحوم کی ایک تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ زنجانی کی ایک تقریر سن کر ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ان کا ہاتھ چوم لیا تھا (صفحہ ۹ دروس الفلسفہ)

دروس الفلسفہ اور رحلۃ امام زنجانی کے مقدمے پڑھکر آپ کے تجرعلمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مختلف اسلامی شہروں کے شیعہ علماء نے کس والہانہ عقیدت کے ساتھ ان کی شخصیت پر گفتگو کی۔

۴۔ وحی والہام...... اس کا موضوع ہے کہ وحی والہام میں کیا فرق ہے اور وحی کی صحت پر کیا دلیل ہے۔ برہان امامت کے نام سے ایک رسالہ بھی ساتھ میں ہے کہ ظہور مہدیؑ کے سلسلے میں وقت معین ہے کہ نہیں۔ ۱۱۹ صفحات میں ہر صفحہ پر دو کالم ہیں۔ ایک میں متن ہے اور مقابل کے کالم میں اُردو ترجمہ ہے۔ ترجمہ غالباً سید حسن جعفر لاہوری نے کیا ہے۔ مطبوعہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء علمی پرنٹنگ پریس لاہور"

جناب طالب جوہری صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

"یہ کتابیں میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ لیکن عدم انضباط کے سبب انہیں تلاش کر کے نکالنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ دروس الفلسفہ کی پشت پر تصنیفات کی جو فہرست ہے اس کا عنوان "فِهرِس أشهَرِ المُؤلف" ہے اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مشہور کتابیں اور بھی ہیں جن کا تذکرہ فہرست میں نہیں ہے۔ نجف اشرف کے اجڑنے اور لٹنے کے بعد اب یہ کتابیں

کہاں ہیں۔ کچھ نہیں معلوم"

شیخ زنجانی کی اکثر و بیشتر کتابیں مفقود ہو گئی ہیں۔ جن کتابوں کے نام مختلف فہرستوں میں ملتے ہیں ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

(۱) کتاب۔ تطور الفلسفہ (۲) دروس الفلسفہ (مطبوع۔ مگر نایاب) (۳) روح الفلسفہ (۴) محاضرات الفلسفہ (۵) التوفیق بین آراء اھل التحقیق (۶) التعلیقات۔ علی الاسفار (۷) علی الاھیات الشفا (۸) علی شرح الاشارات للطوسی (۹) علی حکمۃ الاشراق (۱۰) حاشیۃ العلامۃ المنظومۃ (۱۱) شرح مشکلات الکتب الاربعہ (۱۲) جمع البخاری والکتب الاربعہ (۱۳) مفصلات علم الرجال (۱۴) الردۃ الاسلامیہ (۱۵) رحلۃ الامام زنجانی (مطبوعہ۔ نایاب) (۱۶) اسرار التنزیل (۱۷) تفسیر آیات الاحکام (۱۸) التعلیقات علی کفایۃ الاصول (۱۹) التعلیقات علی الرسائل (۲۰) التعلیقات علی المکاسب (۲۱) کتاب النفس۔ رسالۃ فی المعاد الجسمانی (۲۲) رسالۃ فی المعراج (۲۳) رسالۃ الوحی والالہام (مطبوع۔ نایاب) (۲۴) الجواب عن أسئلۃ دولت بندت رام الہندوی (۲۵) نظرۃ فی النظریۃ النسبیۃ لاینشتاین (۲۶) (علم الکلام)۔ التعلیقات علی الشوارق (۲۷) الادیان والاسلام (۲۸) عصمۃ الانبیاء والائمۃ (۲۹) برہان الامامۃ (مطبوعہ۔ نایاب) ۳۰ رد المذاہب المبتدعۃ (علم الفقہ) ۳۱ فقہ الاسلام (۳۲) الفقہ الارقی فی شرح العروۃ الوثقی (مطبوع۔ نایاب) (۳۳) تعالیم الاسلام (۳۴) السیاسات الاسلامیہ (۳۵) الحقوق فی الاسلام (۳۶) تعلیق بر کتاب التبصرہ (۳۷)۔ علی نجاۃ العباد (۳۸) علی جواہر الکلام (۳۹) ذخیرۃ الصالحین (۴۰) وسیلۃ النجاۃ (۴۱) طریق النجاۃ (۴۲) مناسک الحج (۴۳) احکام الربا (۴۴) احکام العلم الاجمالی فی افعال الصلوٰۃ (۴۵) العلوم الریاضیۃ وفروعھا..... التعلیقات علی تحریر اقلیدس (۴۶) التعلیقات علی شرح تذکرۃ البرجندی (۴۷) التعلیقات مفتاح الحساب (۴۸) الکامل فی اصول الفقہ الاتال (۴۹) الجامع فی الجبر والرمل و المرایا وجہ والاوفاق

علم اصول الفقہ (۵۰) حقائق الاصول (۵۱) التعلیقات علی الرسائل (۵۲) الاصول العملیہ (۵۳) حجیۃ الظن الاطمینانی (۵۴) معضلات علم الرجال (۵۵) فی عدم کفایۃ تصحیح الخبر (۵۶) فی توثیق عمر بن حنظلۃ (۵۷) رسالہ در معراج (۵۸) المنطق الحدیث (۵۹) التعلیقات علی شرح المطالع (۶۰) التعلیقات علی منطق شرح الاشارات (۶۱) شرح الایساغوجی (۶۲) تفسیر آیت الوضو

علامہ شیخ زنجانی اور ڈاکٹر سر محمد اقبال

یہ امر ہنوز تشنۂ تحقیق ہے کہ شیخ زنجانی نے ہندوستان کا سفر کب اختیار کیا اور وہ کس زمانے میں وارد پنجاب ہوئے تھے۔ پنجاب میں جو مجلسیں انہوں نے پڑھیں اور جو تقریریں کیں ان کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ شیخ زنجانی کی پہلی ملاقات علامہ اقبال سے کہاں ہوئی تھی۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اقبال علامہ کے علمی تبحر اور وسعت نظر سے مانوس ہو چکے تھے۔ ہمارے خیال میں علامہ زنجانی غالباً ۱۹۲۷ کے آخر یا اوائل ۱۹۲۸ میں لاہور تشریف لائے اور قزلباش خاندان لاہور کی روایت کے مطابق پنجاب کے رئیس اعظم اور ممتاز سماجی کارکن نواب شیخ علی خان قزلباش کے بڑے صاحبزادے نواب نثار علی خان کے مہمان ہوئے اور انہی کی کوٹھی "نثار حویلی" لاہور میں مقیم تھے۔ نواب صاحب اقبال کے قدر دان تھے۔ دونوں میں بے تکلفانہ ملاقاتیں ہوتی تھیں۔

اسی زمانے میں اقبال نے میر نیرنگ کو خط لکھا کہ وہ سال کے آخر میں مدراس جائیں گے۔ وہاں کچھ لیکچر دینے والے تھے۔ اسی اثناء میں اقبال کچھ دوستوں کے ساتھ نثار حویلی میں علامہ زنجانی کے پاس گئے اور ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ قرآن کی روشنی میں وحی اور الہام کے موضوع پر اظہار خیال فرمادیں۔ ساتھ ہی یہ درخواست بھی کہ وحی اور الہام میں جو فرق ہے اس کی وضاحت کریں۔ دوسرا سوال برہان امامت کے بارے میں تھا کہ ظہور امام مہدی آخرالزمان کا کوئی وقت مقرر ہے کہ نہیں؟ شیخ زنجانی نے ایسا اطمینان جواب دیا کہ سب لاجواب ہو گئے اور پھر کسی نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ بعد میں اس واقع کا ذکر لاہور کے بعض حلقوں میں کافی دیر تک ہوتا رہا۔ علامہ زنجانی کا حافظہ بہت تیز تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر اقبال کے سوال کا جواب مسلسل تین گھنٹے تک دیا۔ ان کی تقریر سے محفل میں سناٹا چھا گیا اور ان کا بیان بعد میں کتابی صورت میں "وحی والہام" اور "برہان امامت" کے نام سے لاہور کے ایک قابل دانشور اور ایڈوکیٹ سید حسن جعفری نے مرتب کیا۔ ادھر علامہ زنجانی تقریر فرمارہے تھے اور ادھر جعفری صاحب اس کو فارسی میں قلمبند کرتے تھے۔

بعد میں یہ کتاب نواب نثار علی خان کے زیر اہتمام ۱۹۳۵ء میں چھپ گئی۔ کتاب نایاب ہو گئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ مجھے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کتب خانہ شبلی نعمانی لکھنؤ میں دستیاب

ہوا۔ میرے پاس اسی کا عکس ہے۔ ایک اور نسخہ جناب عالمی صاحب۔ (محمود آباد ہاؤس لکھنو) کے پاس موجود ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ نسخہ خود شیخ زنجانی نے اپنے دست خاص سے مہاراجکمار صاحب کو عنایت کیا تھا اس کے سر ورق پر علامہ زنجانی کے دستخط اور ۲۹ رجب ۱۳۵۴ھ (۱۹۳۵ء) کی تاریخ ثبت ہے۔ اسی صفحے میں درج ذیل عبارت درج ہے جس میں سوال کنندہ ڈاکٹر اقبال کا نام نمایاں ہے:۔

''موضوعات مبحہ فلسفی، اجتماعی، دینی و مذہبی کہ از حضور مجتہد اکبر علم و فیلسوف اعظم اسلام سرکار میرزا عبدالکریم زنجانی نجفی سوال نمودہ شد۔ سائل ڈاکٹر سر محمد اقبال بُود۔

من کہ در آں مجلس حاضر بودم۔ جوابہائے سرکار مجتہد اعظم موصوف را کہ سہ ساعت وقت را مستغرق شد، بقدر مقدور ضبط نمودم۔ ودتا ازاں جوابہا کہ یکے متعلق بوحی والہام ودیگرے متعلق بہ برہان امامت ست۔ چونکہ دینی و مذہبی است فعلاً نشری نمائم برائے تعمیم نفع باقی را نیز ہر گاہ توفیق مساعد شود نشر خواہم نمود''

سید حسن جعفری

نواب پیلس۔ ایمپرس روڈ۔ لاہور''

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ علامہ آیت اللہ زنجانی ۱۹۲۸ء میں پنجاب (لاہور) آ چکے تھے اور ڈاکٹر صاحب نے موصوف سے استفادہ کرنا شروع کیا تھا۔ ہمارے موقف کی تائید اقبال کے ایک خط میر نیرنگ کے نام سے بھی ہوتی ہے کہ وہ (اقبال) دسمبر ۱۹۲۸ء میں مدارس میں چھ لیکچر دینے کا ارادہ فرما رہے تھے اور یہ بھی لیکچر زنجانی صاحب کے فلسفہ سے متعلق تھے۔ ان لیکچروں کے بارے میں منشی دیا نرائن نگم اپنے مشہور رسالہ ''زمانہ'' کانپور جلد ۵۲ نمبر ۲ بابت فروری ۱۹۲۹ء (صفحہ ۱۲۷) میں لکھتے ہیں کہ

''ڈاکٹر سر اقبال نے ''الٰہیات اسلامیہ و فلسفہ جدیدہ'' پر مدراس میں چھ خطبے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر علالت کی وجہ سے دسمبر ۱۹۲۸ء کے آخر ہفتے میں آپ نے مندرجہ ذیل صرف تین عنوانات ہی پر خطبے دیئے۔

(۱) علم اور وحی والہام (۲) وحی الہام کی تصدیقات کا فلسفانہ معیار (۳) ذات خدا کا اسلامی تصور اور دعا کا مفہوم۔

باقی تین عنوانات (۱) مسئلہ جبر و قدر روحیات بعد الموت (۲) علم النفس کی رو سے اسلام کی تشکیل آئندہ سال کے لئے ملتوی کر دیئے گئے ہیں''

یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ زنجانی کے رسائل میں ڈاکٹر اقبال کے بھی خطبات موجود ہیں۔

حواشی

۱۔ ملا صدرا..... صدرالدین محمد شیراز کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام ابراہیم تھا۔ انہوں نے فلسفہ کی کچھ تعلیم میرداماد (م۔ ۱۰۴۱ ہجری) سے بھی حاصل کی تھی۔ انہیں ایران کے آخری دور کا سب سے مشہور فلسفی سمجھنا چاہیے۔ ان کے فلسفیانہ افکار عمیق اور دقیق ہیں اور وہ خود ایک مقام اور مشرب خاص کے حامل ہیں۔ انہوں نے اپنی فکر مشائی کے ساتھ اشراقی ذوق کو بھی شامل کر لیا تھا۔ حکمت میں ان کی تصانیف اہل علم کیلئے مرجع اور ماخذ ہیں۔ ان میں مشہور کتابیں "اسفار اربعہ" "شواہد ربوبیہ"، "مشاعر" اور "المبداء والمعاد" میں ان کے سوا مختلف علمی مسائل پر انہوں نے بہت سے رسالے یادگار چھوڑے ہیں۔ علاوہ برایں "شرح اصول کافی، حاشیہ بر الٰہیات شفائی ابوعلی سینا، شرح بر حکمۃ الاشراق (سہروردی) کتاب واردات القلبیہ و چند تفاسیر در بارۂ بعضے سورہ ہائے قرآن است۔ ملا صدرا را می تواں از افکار ہائے صفویہ بہ شمار آورد"۔ انہوں نے شیخ بہاالدین عاملی (۱۰۳۱ھ) سے بھی استفادہ کیا تھا۔ صدر کا انتقال سفر مکہ سے واپس ہوتے ہوئے ۱۰۵۰ھ میں ہوا تھا۔

۲۔ مسند نشینی راجہ صاحب کی تقریبات پر بقول صفی مہمانوں کے خیمے پھولواڑی میں قلعہ کے اندر نصب ہوئے تھے۔ ظریف مرحوم نے اپنی جائے قیام کر کے (قطعہ) سنایا تھا اور سب کو بے حد پسند آیا تھا (صفی)

۳۔ ابن طاؤس۔ جمال العارفین رضی الدین علی بن موسیٰ بن جعفر طاؤس ممتاز علم تبحر تھے۔ ان کا انتقال ۶۶۳ھ میں ہوا۔ تصانیف میں دعاؤں کی کتاب مُہج الدعوات، اقبال اور جمال الاسبوع ہیں اور واقعۂ کربلا سے متعلق کتاب الملہوف فی قتلی الطفوف ہے (عالی محمود آباد ہاؤس لکھنؤ)۔

۴۔ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی اپنے خط مورخہ ۲ فروری ۱۹۹۹ء میں راقم کے نام لکھتے ہیں کہ:

"میرے پاس "الذریعہ" آقا بزرگ تہرانی کی ۲۶ جلدیں ہیں اور "اعیان الشیعہ" بھی ہے۔ ان کتابوں میں شیخ عبدالکریم کا کوئی تذکرہ نہیں ہے (اکبر حیدری)

۵۔ نواب سر فتح علی خان قزلباش۔ نواب نثار علی خان اول (متوفی ۱۸۷۸ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ اپنے چچا نواب ناصر علی خان (متوفی ۱۸۹۶ء) کے بعد جانشین ہوئے۔ ۱۸۹۷ء میں پنجاب لیجسلیٹیو کونسل کے ممبر نامزد ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں شہنشاہ کی تاجپوشی میں پنجاب کے نمائندے کی حیثیت سے لندن گئے۔ ۱۹۰۳ء میں گورنر جنرل کے لیجسلیٹیو کے ممبر مقرر ہوئے۔ نواب صاحب بڑے مخیر تھے۔ قومی امور میں دریا دلی سے مدد کرتے تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور شیعہ کالج لکھنو کے لئے دل کھول کر عطیہ دیتے تھے۔ اکبر الٰہ آبادی نے بھی ان کی قومی خدمات کی تعریف کی۔

صلح است بکو محترز از جنگ و جدل باش — گاہے بہ رہے حق بزن و مرد عمل باش
خوب است دریں عہد نگا پوئے تعلیم — کن پیروی فتح علی خان قزل باش

ان ہی نواب صاحب کے پیلس میں مولانا گرامی چار سال تک ان کے بچوں کے اتالیق رہے۔ اقبال نواب صاحب کے دوستوں میں تھے۔ نواب صاحب شیعہ کالج لکھنو کے بانی ممبر تھے۔ اُنھوں نے ہی کالج کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ ان کا انتقال ۱۹۲۳ء میں ہوا۔ افسوس ہے کہ شیعہ کالج کے ارباب اقتدار نے نواب صاحب کی کارگزاریوں کو یکسر فراموش کیا ہے۔

۶۔ نواب نثار علی خان۔ نواب سر فتح علی خان کے بڑے بیٹے اور مشہور سیاسی اور سماجی کارکن سر مظفر علی خان قزلباش سابق وزیر اعلیٰ پنجاب کے بڑے بھائی تھے۔ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ علامہ اقبال کے دوستوں میں تھے۔ ایک مرتبہ اقبال نے ۱۹۳۰ء کے الیکشن میں نواب صاحب کے حق میں سیاسی دلچسپیوں کا مظاہرا کیا تھا۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح قومی جذبے سے سرشار تھے۔ افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی اور کم عمری میں ۳۳ سال کی عمر میں ۱۹۳۴ عیسوی میں انتقال کیا۔ صفی لکھنوی نے تاریخ کہی ہے

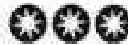
روز دہم زماہ ربیع دوم صفی — چوں سوئے خلد سرو زریں کلاہ رفت
از تلغرام ایں خبر جانگزا رسید — و زسوز دل بہرم دود آہ رفت
پور مہین فتح علی خان مکین خلد — تا کتھدا بجانب فردوس راہ رفت
سہ سال بر چہل چو گذشت از سنین عمر — ناشاد و نامراد ازیں سیر گاہ رفت
گیتی بچشم ماتمیاں ہمچو شب سیاہ — روشن چراغ خانہ دم صبح گاہ رفت
رخشندہ گوہرے و درخشندہ اخترے — اے وا فرد بزیر زمیں ہمچو ماہ رفت

ہست ایں فغاں بلند زہر گوشۂ مکاں
نواب ما نثار علی صدر جاہ رفت = ۱۹۳۴ء
(نقوش لاہور، شمارہ ۱۳۹ صفحہ ۶۴۳)

ے سید حسن جعفری۔ لاہور کے ایڈووکیٹ اور ممتاز سماجی کارکن تھے۔ وہ اسلامیہ کالج کے اولین پرنسل سید علی جعفری کے بڑے بیٹے اور برصغیر کے نامور مزاحیہ شاعر سید محمد ضمیر جعفری کے بڑے بھائی تھے۔ سید علی جعفری کے ڈاکٹر اقبال سے دوستانہ اور بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور میں وہ اور اقبال ایک ہی گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ سید حسن جعفری کا اقبال کے یہاں آنا جانا تھا۔ جعفری صاحب علم وادب سے خاص شغف رکھتے تھے اور انگریزی، فارسی، عربی میں خاصی دسترس حاصل تھی۔ مولوی فاضل، اور منشی فاضل کے امتحانات امتیاز سے پاس کئے تھے۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کر کے ایل ایل بی یونیورسٹی کالج سے کیا تھا۔ جب ۱۹۳۰ء میں انڈیا کونسل آف اسٹیٹ رکنیت کے الیکشن کا مرحلہ آیا جس میں نثار علی خان قزلباش امیدوار تھے تو اقبال نے نواب صاحب کے ووٹ کے لئے جو خط پروفیسر سراج الدین آزر (۱۸۹۲ء، ۱۹۲۷ء) کو لکھا تھا وہ سید حسن جعفری کے ہاتھ ہی روانہ کیا تھا۔ یہ خط ارشد میر کے مضمون کے ساتھ نقوش لاہور شمارہ ۱۳۹ (صفحہ ۶۳۵) میں شائع ہوا ہے۔

جن دنوں آقائے زنجانی نواب نثار علی خان کے یہاں مہمان تھے جعفری صاحب ان کی خدمت میں اکثر و بیشتر حاضری دیتے تھے۔ وحی والہام کی کتاب کے بارے میں آج سے تقریباً تیس سال قبل مجھے ایک زبانی گفتگو میں ہمارا بجکار صاحب نے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر اقبال علامہ زنجانی کی علمی استعداد سے بہت متاثر ہوئے تھے اور دونوں بزرگان آپس میں قرآنی نکات پر مباحثہ کرتے تھے۔ یہ بات خود زنجانی صاحب نے ان سے بیان کی تھی۔

سید حسن جعفری کا انتقال ۱۲ جون ۱۹۸۹ء کو لاہور میں ہوا تھا۔



ذات او در وازہٴ شہر علوم
زیر فرمانش حجاز چین و روم

حدیث رسولؐ ہے آنا مدینۃ الحکمہ ...... میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ جو حکمت چاہتا ہے وہ دروازے سے آئے اور علی سے حاصل کرے۔ علی کا دعویٰ ہے کہ میرے پہلوؤں میں دریائے علم ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ میں زمین کے راستوں کی نسبت آسمان کے راستوں کا زیادہ عالم ہوں۔ رسولؐ خدا نے مجھے دو ہزار باب علم تعلیم دیے ہیں کہ ہر باب سے ہزار ہزار ابواب علم اور منکشف ہوتے ہیں۔ مولانا رومی حضرت علی کے علم کے بارے میں مزید کہتے ہیں کہ" معراج کی رات آنحضرت کو اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار اسرار کا علم عطا فرمایا تھا۔ اس میں سے دس ہزار اسرار انہوں نے حضرت علی کو عطا کئے" حضرت بندہ نواز گیسو دراز (متوفی ۸۲۵) حضرت علی کو بعد رسولؐ سب سے بڑا عالم مانتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> "ایک مرتبہ چار یہودی حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے پیغمبرؐ دنیا سے نقل کر گئے ہیں۔ ہم آپ سے چند سوال پوچھیں گے۔ اگر آپ نے صحیح جواب دے تو آپ کا دین برحق نہیں تو باطل۔ حضرت عمر نے کہا پوچھ لو۔ انہوں نے یہ سوال پوچھے: دوزخ کے دروازہ کا قفل کیا ہے اور اس کی کنجی کیا ہے؟ جنت کے دروازہ کا قفل کیا ہے اور اس کی کیا کلید ہے؟ کون زندہ مقبور تھا جسے اس کی قبر زمین میں لئے لئے پھرتی رہی؟ آدم کے علاوہ کون مولود ہے جو ماں باپ کے بغیر پیدا ہوا؟ گھوڑا اصطبل میں، بھیڑ اور

اونٹ وغا میں، کو اعیق میں اور گدھا تحیق میں کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی طرح
اور دوسرے سوالات پوچھے۔ حضرت عمر نے سوچتے ہوئے کہا کہ اگر عمر کو
چند باتیں معلوم نہیں ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ یہودی ہنسے اور
تمسخر اڑانے لگے۔ حضرت علی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ان کا تمسخر اور
مذاق اڑانا دیکھا تو ہائے اسلام ہائے اسلام کہتے ہوئے حضرت علی کے
پاس دوڑ کر آئے اور انہیں سارا ماجرا سنایا۔ حضرت علی نے رسول اللہ کا جبہ
زیب تن کیا اور رسول اللہ کا عمامہ سر پر رکھا دوڑتے ہوئے آئے اور حضرت
عمرؓ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت علی نے کہا:

''پوچھ لو، کیا پوچھنا ہے؟ رسول اللہؐ نے مجھ پر علم کے ہزار دروازے اور ہر
دروازے سے دوسرے ہزار دروازے کھولے ہیں''

حضرت علی نے یہودیوں کے سوالوں کے جواب دئے۔ ان میں سے صرف ایک سوال کا
جواب لکھا جاتا ہے یہودی ...... کون مقبور تھا جسے اس کی قبر لئے لئے پھرتی تھی؟

حضرت علی...... وہ حضرت یونسؑ تھے جو مچھلی کے پیٹ میں تھے اور مچھلی دریا میں چلتی پھرتی
تھی۔ علی ان کے ایک ایک سوال کا جواب دیتے گئے۔ تین یہودی جواب سن کر مسلمان ہو گئے۔ مگر
چوتھے نے کہا کہ اگر آپ میرے آباؤ اجداد کے نام، میرے وطن کے بادشاہ اور میرے شہر کے
حالات بتائیں گے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ علی نے یہ تمام چیزیں بتا دیں، چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو
گیا'' (تفصیلات کے لئے دیکھئے'' جوامع الکلم'' (ملفوظات وارشادات گرامی بندہ نواز گیسو دراز
مرتبہ حافظ محمد صدیق صفحہ ۲۵۴۔ ۲۵۵ مطبع نظامی کانپور ۱۳۵۶ ہجری)

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز صوفی کامل، جلیل القدر عالم اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ بھی
دیگر علمائے تصوف کی طرح بارہ اماموں کے قائل تھے۔ ان کی جوامع الکلم'' (۲۵۴) میں درج ہے کہ:

'' سلطان العارفین بایزید بسطامی (متوفی ۔ ۲۶۱ھ) نے ایک سو تیس پیروں کی خدمت
کی۔ لیکن مقصود تک رسائی نہ ہوئی۔ جس کے پاس گئے اس نے جواب دیا کہ تمہاری بات ہماری فہم
سے بالاتر ہے۔ آخر میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے پاس گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ دولت صرف
ہمارے خانوادہ سے ملتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے فراشی کا حکم دیا۔ حضرت بایزید نے عرض کیا کہ
میں نے ایک سو تیس پیروں کی خدمت کی ہے۔ لیکن مقصود کا نشان کسی نے نہیں بتایا۔ حضرت امام
جعفر صادقؑ نے جواب دیا کہ جس مقصود کا ذکر تم کرتے ہو وہ ہمارے خانوادہ کے علاوہ کہیں اور نہیں

ملتا ہے۔ بایزید بُسطامی نے بارہ سال ان کی خدمت کی۔ ایک روز جعفر صادقؑ نے کہا: "طیفور طاق پرسے کا غذ اٹھالا"۔ حضرت بایزید نے جواب دیا: "یہاں کوئی طاق بھی ہے"؟ حضرت امام نے کہا سبحان اللہ! بارہ سال فراشی کی ہے اور نہیں جانتے کہ طاق کہاں ہے؟ بایزید نے جواب دیا" اے فرزند رسولؐ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو آپ کی خدمت کرے اور اسے دائیں بائیں کی خبر ہو۔ حضرت امامؑ نے ان کے کام پر نگاہ کی اور فرمایا! "بسطام جاؤ۔ میں نے آپ کا کام مکمل کر دیا" بایزید واپس آئے۔ اسی ایک نگاہ کی بدولت انہیں بزرگی نصیب ہوئی"

"خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے بقول حضرت معروف کرخیؒ اہل بیت کے دربان اور حضرت بایزید بسطامی فراش تھے۔ امام اعظمؒ و سفیان ثوریؒ بھی حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے شمیز حضرت امام اعظم کی والدہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کو وضو کراتی تھیں اور جو پانی ان کے وضو سے بچ جاتا تھا خود پی جاتی تھیں۔ اسی پانی کی برکت کا نتیجہ تھا کہ ایسا بیٹا ان سے پیدا ہوا۔"

غرضیکہ صوفیا نے "عَلِیٌّ" بَابُھَا" کی تشریح اس طرح کی ہے کہ علیؑ اور اولادِ علیؑ یعنی بارہ اماموں میں اللہ تعالیٰ نے ایک مخصوص علم عطا کیا تھا جس سے دوسرے لوگ بے بہرہ تھے۔ اس مخصوص علم کی بنا پر حضرت علی کو صحابہ میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ یہاں تک کہ جب صحابہ کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ حضرت علی کی طرف اشارہ کرتے تھے اور حضرت علی ان کی مشکل حل کر دیتے تھے

حضرت علی بار بار فرمایا کرتے تھے کہ سوال کرو مجھ سے کتاب اللہ کے متعلق۔ پس قسم خدا کی کہ نہیں کوئی آیت مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو میدان میں نازل ہوئی یا کوہستان میں۔ جس نے دعویٰ کیا تھا اور بجز اس کے کسی نے نہیں کہا کہ میں قرآن ناطق ہوں اور یہ دعویٰ تھا اس لئے کہ مدعی کی مقدس زندگی آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کا کامل عکس تھا اور اس کے اعمال کی روشنی سراج منیر رسالت ہی سے ماخوذ تھی۔ اُسے یہ حق تھا کہ وہ اپنے تئیں قرآن ناطق کہے۔ "انا قرآن الناطق" یہ اس کی آواز نہیں بلکہ خود منزل القرآن کی آواز ہے۔ جسے قلب فہمیدہ اور لسان ناطق عطا ہوئی اور جو لسان اللہ قرار دیا گیا تھا۔ جس کی زبان نے ہر علم کے دریا بہائے جو امت محمدیؐ کا سب سے بڑا اور سب سے بہترین قضات تھا۔ جو فرمایا کرتا تھا کہ اگر میرے لئے مسند قضا بچھادی جائے تو اہل توریت کو توریت سے اہل زبور کو زبور سے، اہل انجیل کو انجیل سے اور اہل قرآن کو قرآن سے فیصلہ سناؤں۔ جس کا کلام خطابت کی جان، فصاحت و بلاغت کی کان، موعظہ و حکمت

سے لبریز، اسرار و غوامض سے مالا مال، جس کی تمثیلات کا پایہ بلند، جس کی فلسفی طبعی نکتہ رسی قابل داد، جس کی حقائق موجودات کے متعلق بحث و نظرہ وجد آفرین۔ جس کے اجتہائی مباحث انتہائی عمیق و معارف آگیں۔ جو حکماء و فلاسفران عالم کی صف میں بلند ترین۔ جس کے ذخائر علمی (کلمات و خطبات) آج تک بھی رہے ہے موجود ہیں کہ اہل دانش و بینش ان کو دیکھ کر انگشت بدندان ہیں۔ نہج البلاغہ کے مقابلے میں بعد آنحضرت کسی پیشوا کا لٹریچر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جس کا ارشاد ہے کہ "اگر خواستمی از تفسیر با بسم اللہ ہفتاد شتر بار کردمی" یعنی اگر میں چاہوں تو ستر اونٹ سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے بار کر سکتا ہوں"

جس کے علم کی نسبت ابن عباس کہتے ہیں کہ نہیں ہے میرا علم اور تمام اصحاب کا علم علیؑ کے علم کے مقابلے میں مگر اس قطرہ کی مثل جس کو ساتوں دریاؤں کے سامنے رکھا جائے۔ جس کا ارشاد ہے کہ آسمان کی تمام کتابوں کے کل اسرار قرآن مبین میں ودیعت ہیں اور جو کچھ قرآن میں ہے وہ سب سورۂ حمد میں موجود ہے اور جو کچھ سورۂ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں جلوہ گر ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں رونما ہے اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ بے کے نقطہ میں ہے اور پھر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا و انـا نـقـطـة تـحـت الـبـا۔ یعنی بائے بسم اللہ کا نچلا نقطہ میں ہوں (مودۃ القربیٰ۔ سید علی ہمدانی) اقبال کہتے ہیں ؎

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر　　　معنی ذبح عظیم آمد پسر

علیؑ نے حفاظت قرآن اور بقائے لسان عربی کے لئے علم نحو ایجاد کیا۔ جس نے سب سے پہلے موافق تنزیل قرآن مجید جمع کیا۔ جس نے مذہبی علوم کا تحفظ کیا اور کتابت کے ذریعہ اشاعت علم کی بنیاد ڈالی۔ جس سے بڑھ کر کوئی قاری اور جس سے بہتر کوئی حافظ قرآن نہیں دیکھا گیا۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن　　　قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

جس کی تلاوت قرآن کی معجزنمائی کا یہ عالم تھا کہ "چوں پائے مبارک بر رکاب می نہاد افتتاح تلاوت قرآن مجیدی کرد۔ وچوں پائے دیگرش بر رکاب می رسد بروایت بالائے مرکب راست می استاد ختم تمام می فرمود (روضۃ الشہداو شواہد النبوت)

علماء کا اتفاق ہے کہ کل علوم اسلامی اصولاً و فروعاً علیؑ کی طرف منسوب ہیں۔ جو کچھ علم کلام، علم التوحید علم القضاء والقدر، علم النبوات، علم المعاد، اور علم احوال القیامت میں ہے وہ علیؑ سے ہے۔ اور اس قدر تفصیلات حقائق علوم مذکورہ ہیں کہ کتابیں پُر ہیں۔ ایک ایک فقرہ کی تفسیر میں علماء متحیر ہیں۔ ایک ایک خطبے میں حضرتؑ نے ڈیڑھ ڈیڑھ سو صفات باری تعالیٰ بیان کی ہیں۔ جو کل

صرف اسی ذات واجب الوجود سے خصوصیت رکھتی ہیں اور کل ماسوٰی سے ممتاز دکھاتی ہیں۔علیؑ نے حقائق زمین و آسمان و موجودات ارضی و سماوی و کائنات الجو و علوم بواطن زمین و آسمان کو اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا آپ کھڑے ہو کر ان کی خلقت کو دیکھ رہے اور کل حقائق کا اس وقت بھی مشاہدہ و معائنہ کر رہے ہیں۔

علم الفروع میں منبع علوم علیؑ ہی ہیں۔علم الفرائض جو نصف العلم ہے آپ ہی سے پھیلا اور منتشر ہوا ہے۔علم تفسیر کی ابتداء عبداللہ بن عباس سے ہے۔اور آپ ہی کے شاگرد ہیں۔علم القراۃ کا سب سے بڑھکر عالم عاصم ابن ابی النجود ہے اور وہ شاگرد ہے عبدالرحمٰن کا اور عبدالرحمٰن علیؑ کا۔علم النحو کے موجد آپ ہی ہیں اور مُسلّم ہے کہ ابوالاسود الدوئلی کو آپ نے اس کے اصول تعلیم دئے۔ علم الفصاحت و البلاغت آپ سے خاص طور سے مخصوص ہیں اور ثبوت کے لئے ایک کتاب "نہج البلاغہ" کافی ہے جس کے حقائق کی تفسیر میں بڑے بڑے فصحاء و بلغاء اپنے عجز و قصور کے معترف ہیں۔علم تصفیہ الباطن و تزکیہ النفوس آپ ہی کا حق ہے اور کل علماء و عارفین قائل ہیں کہ کمال معرفت کی ابتداء و انتہا علیؑ سے ہے۔علم التذکر بایام اللہ و نحوست و سعادت ایام و سنین و شہور و ساعات علیؑ ہی سے پھیلا ہے۔صوفیوں کے اصولاً پانچ فرقے ہیں۔پھر ان کی آگے شاخیں۔ قلندریہ، چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، اور نقشبندیہ۔اور سب تحصیل معرفت و کشف میں علی کرم اللہ وجہہ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔سلسلہ قادریا اپنے سلسلے سے معروف کرخی پر منتہی ہوتا ہے اور معروف کرخی اپنے شیوخ کے سلسلہ سے حسن بصری سے بیعت رکھتے ہیں اور وہ حضرت علیؑ کے شاگرد ہیں۔نیز معروف کرخی امام رضاؑ سے لیتے ہیں۔وہ حضرت جو اقد و حضرت علیؑ سے۔چشتیہ سلسلہ عبدالواحد بن زید سے متصل ہے اور وہ حسن بصری سے اور وہ علیؑ سے ہے ہی۔نقشبندیہ خواجہ بایزید بسطامی سے ہے اور وہ حضرت صادقؑ سے اور وہ بسلسلہ آباء طاہرین علیؑ سے۔قلندریہ سلسلہ خواجہ عبدالعزیز مکی سے ہے۔اور وہ حضرت علیؑ سے لینے والے ہیں۔غرض تمام علوم باطنیہ و غریبہ اور اسرار کشف و شہود حضرت علیؑ ہی سے منکشف ہوئے اور اس مظہر رب العالمین کا ہی فیض ہے، جس صورت سے بھی کسی کو پہنچا ہو۔لوگوں نے اپنی طرف سے جو بدعات پیدا کر لی ہیں ان کا اس جنابؑ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔جہاں کہیں کچھ کمال معرفت ہے وہ فیض ولی اللہ ہی ہے۔

علم الزہد و الورع کے راس رئیس ابوذر غفاری ہیں اور وہ حضرت کے ادنیٰ شاگرد تھے۔ علم الاخلاق میں حضرت "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" کی پوری پوری تفسیر تھے۔علم تہذیب الاخلاق کا کونسا شعبہ ہے جس میں علیؑ کے علم کا جلوہ نہ ہو۔اور آپ کے تحقیق اور علمی نمونہ اس میں شامل نہ

ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن جامع جمیع علوم شرعیہ وعلوم لسانیہ وعلوم معارف وعلوم حقائق وعلوم حکمیہ و علوم بواطن ہے اور علیؑ اس کے استاد الکل فی الکل۔ دنیا میں کل علوم کے اصول کلمات علیؑ میں موجود ہیں۔ اور بہت سے علوم کی بہت سی تفصیلات بھی۔ ذیل میں کچھ علوم درج کیے جاتے ہیں"۔

علم الطبیعات، علم مابعد الطبیعہ، علم الخلقت و بدو آفرینش، علم تکون العالم، علم ہیتیہ العالم، علم فطرت و خلقت انسان، علم الارواح، علم النفس، علم الدہور، علم الحکمت، علم الافلاک والہیئہ، علم النجوم، علم المناظر والمرایا، علم کرہ متحرک، علم کائنات الجو، علم الہوا، علم السیاہ، علم کائنات السیاہ، علم نوامیس السیاہ، علم میاہ البحر، علم الجراثیم، علم تکون الارض، علم اقطاع و بقاع الارض، علم طبقات الارض، علم التشریح، علم تشریح الانسان، علم الحیوانات، علم النباتات، علم الاسباب والعلل، علم حشرات الارض، علم الاقوام، علم الانساب، علم العادات والاخلاق، علم الفراستہ، علم الکیمیا، علم النور، علم الاصوات، علم الالوان، علم الالسنہ، علم العرافتہ، علم الغایات، علم الاعضا، علم الطب، علم اق التشخیص، علم امور عامہ، علم الادویہ، علم النقد والا نقاد، علم المعدن، والمعدنیات، علم جرثقیل، علم الجبال، علم المساحہ، علم اقلیدس، علم الحساب، علم الہندسہ، علم المثلثات، علم الجبرا و المقابلہ، علم المنطق، علم التعلیم و تربیت، علم التقویم البلدان، علم الفلاحت، علم الریاحین، علم الانسان، علم الصنعت، علم ضایع الید، علم تدوین الحساب، علم العروض والقوافی، علم المجاز والاستعارہ، علم الاقتصاد السیاسی علم فلسفۃ التاریخ و غیر ہا من العلوم والفنون والضائع الحقائق سب میں تعلیم علی موجود ہے۔ یا بلا واسطہ یا بواسطہ اولاد طیبین طاہرین اور دروازۂ شہر علم محمدی کے یہی معنی اور یہی اس کا کام ہے۔ کوئی فرد بشر عالم علمی خدمت میں علیؑ کے مقابل کھڑا ہی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ مقابلہ کر سکے۔ باب العلم کی تعلیم کا سکہ پوری کائنات میں جاری ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر قابل ذکر ہے۔

ذاتِ او دروازۂ شہر علوم
زیر فرمانش حجاز و چین و روم

اوپر جن علوم کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب آج کل رائج ہیں۔ اور پڑھائے جاتے ہیں۔ علوم

غریبہ اور علوم اسرار مثل حروف وغیرہ یہ خاص علیؑ ہی سے مخصوص ہیں اور کل علم الحروف والے علیؑ اور ان کی اولاد سے لینے والے ہیں۔

علی کا نفس "ہونا مسلمات سے ہے اور اللہ اس واجب الوجود ذات کو کہتے ہیں جو علم و قدرت سے عبارت ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو نفس اللہ ہوگا اُسے فطرتاً تمام علوم سے بہرہ ور ہونا چاہئے۔ علی کے لئے یہ مانی ہوئی چیز کہ آپ دنیا کے تمام علوم سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ ان میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور علم لدنی سے مالامال تھے۔ شیخ ابونصر سراج طوسی (م۔۳۷۰) لکھتے ہیں کہ علی وہ ہیں جنہیں علم لدنی عطا کیا گیا تھا اور یہ وہ علم ہے جو خاص طور سے حضرت خضرؑ کو ملا تھا۔ صوفیہ کا بیان ہے کہ علی اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ "یہاں علوم کا گنجینہ ہے۔ کاش اس بار علم کا اٹھانے والا مل جاتا" (اللمع ص ۸)۔ شیخ ابونصر سراج (اللمع ۴۵۶) یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت نے مجھے ستر ایسے علوم سکھائے ہیں جو میرے علاوہ کسی دوسرے کو معلوم نہیں ہیں۔ ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے۔ علی نے جواب دیا۔ ایمان چار ستونوں پر قائم ہے، صبر، یقین، عدل، جہاد (اللمع ۱۸۰)۔ شیخ جنید (م۔۲۹۷ھ) کو یہ شکایت تھی کہا کہ اگر علی جہاد میں معروف نہ ہوتے تو ہمارے علم میں گراں قدر اضافہ کرتے (اللمع ۱۷۹) ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے مجھے اس طرح علم سے بھرا یا ہے۔ جس طرح کبوتر اپنے بچے کو دانا بھراتا ہے۔ علی کا قول تھا کہ سلونی سلونی۔ میری زندگی میں جو چاہے۔ پوچھ لو۔ ورنہ پھر تمہیں علمی معلومات سے کوئی بہرہ ور کرنے والا نہ ملے۔

قرآن مجید میں سورہ فتح میں علی کو "امام مبین" کے خطاب سے نوازا گیا۔ یعنی کل علوم وکل اشیاء کا اس کے اندر احصاء ہے۔ وہ کل پر حاوی ہے۔ یہ اسی کی صفت ہو سکتی جو کل علوم کتاب مبین کا عالم ہو اور کل کتاب قولی وفعلی امام مبین میں ہے اور ہر امام مبین کل علوم وکل اشیاء کا احصاء رکھتا ہے۔ آیت بتلاتی ہے کہ کل اعمال کا علم امام مبین کو ہوتا ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ممکن نہیں کہ خدا کسی کو اپنے بندوں پر حجت قرار دے اور روئے زمین وآسمان کے علوم پوشیدہ رکھے۔ سورہ نمل کی آیت ۱۵ میں مرقوم ہے کہ ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا کیا۔ سلیمان کو پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی۔ ایک دن سلیمان چونٹیوں کے میدان میں آنکلے تو ایک چونٹی بولی۔ اے چونٹیوں! بلوں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے اور انہیں اس کی خبر نہ ہو۔ سلیمان نے بہت دور سے یہ آواز سنی اور مسکرائے۔ ایک روز حضرت علی ایک وادی سے گذر رہے تھے۔ سلمان یا ابوذر ہمراہ تھے۔ وادی میں چونٹیاں بے شمار تھیں۔ ان کی کثرت سے متعجب ہو کر کہنے لگے کہ کیا کوئی

شخص بھی ہوگا جو ان کی شمار جانتا ہو۔ آپ نے فرمایا "ہاں ایسا شخص موجود ہے جو ان کی شمار جانتا ہے کہ کتنے نر ہیں اور کتنے مادہ ہیں اور کتنے بچے ہیں۔ کتنے جوان ہیں اور کتنی بڑھیاں۔ پوچھا کون ہے؟ فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟" **وَ کُل شی اعصیناہ فی امام مبین** "یعنی امام مبین کی یہ شان ہے اور میں امام مبین ہوں۔ لہذا یہ علم رکھتا ہوں"

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ بعد رسول اللہ علیؑ پہلے معلم ہیں جن کو تمام علوم واسرار پر دستگاہ حاصل تھی۔ باب مدینۂ علم محمدؐ کے یہی معنی اور اس کا یہی کام ہے کہ علوم پھیلائے۔ کوئی فرد بشر عالم علمی خدمات میں علیؑ کے مقابل کھڑا نہیں ہو سکتا ہے۔ چہ جائیکہ مقابلہ کر سکے۔ علوم غریبہ اور علوم اسرار مثل علوم الحروف وغیرہ یہ خاص علیؑ ہی سے مخصوص ہیں اور کل علم حروف والے اسی جناب اور اس کی اولاد سے لینے والے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالرحمن بن محمد بن علی بن احمد بسطامی اپنی کتاب "مراۃ المعارف" میں لکھتے ہیں کہ آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے خلق فرمایا اور اپنی روح قدس ان میں پھونکی اور ان پر دس صحیفے نازل کئے اور وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم الحروف کو بیان کیا۔ "صفر الخفایا" اس علم میں آپ کی کتاب ہے اور دنیا میں یہ علم الحروف میں پہلی کتاب ہے جس میں عجیب وغریب اسرار بیان کئے ہیں۔ خلافت الٰہیہ جلد سوم میں ان سبھی کتابوں کے نام درج ہیں۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حروف کو خلق کیا اور ان میں اسرار ودیعت کئے اور آدم کو خلق کر کے ان میں اسرار حروف قرار دئے" **وَ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا** "کا اعلان ہوا اور حالانکہ یہ اسرار نہیں رکھتے تھے۔ پس آدم کی زبان پر یہ اسرار بانواع واقسام کی اصوات ولغات میں جاری ہے۔ اور اللہ نے آدم کو نسلاً بعد نسل تمام علوم کو دنیا میں پھیلایا اور پھر شہر مدینہ پر یہ علم منتہی ہوا۔

حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ جناب محمد مصطفیؐ کو علم الحروف ہی کی طرف دعوت دی گئی اور یہی اسرار ان کو تعلیم دئے گئے۔ باب العلم علی مرتضیٰ کہتے ہیں کہ علم ایک نقطہ ہے اور جاہلین نے اس کو پھیلا دیا ہے۔ سب علم نقطہ میں اور علیؑ نقطہ تحت باء ہیں۔ پھر آنحضرت سے علیؑ وارث علوم و اسرار الٰہیہ ہوئے اور اسی کی طرف رسولؐ اللہ نے ارشارہ کیا" میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ۔ علی ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم الحروف وضع کیا۔ پھر یہ ائمہ معصومین میں آ گیا اور امام مہدی پر تمام ہوا۔

آج کل متمدن دنیا علم حیوان پر نازاں ہے کہ اس نے جاسوسی کے لئے کتوں کو تعلیم دی ہے۔ اس تعلیم کو آج سے چودہ سو سال پہلے علیؑ نے رائج کیا تھا۔ یہ انہی کی تعلیم کا اثر تھا کہ جب

سلمان فارسی علی کی طرف سے مدائن کے حاکم مقرر کیے گئے تو انہوں نے چوروں کا صفایا کرنے کے لئے اپنے کمال علم و معرفت کی وجہ سے کتوں سے محافظ پولیس کا کام لیا تھا۔

غرضیکہ علی علم ہی کی بنیاد پر فرماتے تھے کہ

''میں اول المخلوقین و الصدقین، اول السابقین، اوّل المسلمین، اول المومنین، اول المقربین وصالح المومنین ہوں۔ میں ولی اللہ المتصرف فی العالم ہوں۔ میں صاحب معجزات و کرامات و کشف ولا لہامات ہوں۔ میں نور خدا اور رسولؐ خدا ہوں۔ میں ظالمین سے نہیں ہوں۔ میں طاہر مطہر ہوں، میں خواہشات نفس امّارہ سے پاک ہوں۔ میں عالم علم لدنی ہوں۔ میں صاحب وحی ہوں۔ میں قاتل المشرکین ہوں۔ میں مالک رایت اسلام ہوں۔ میں قاتل عمرو عنتر و مرجب ہوں، میں قاطع باب خیبر سید العرب ہوں میں وجہ اللہ ہوں، میں فارس الحجاز، شہسوار عرب ہوں، میں محبوب خدا ہوں، میں محبّ رسول خدا ہوں، میں لسان اللہ ہوں، میں ید اللہ ہوں، میں کلام اللہ الناطق ہوں، میں مصدق صادق ہوں، میں عالم جمیع علوم قرآنی ہوں۔ میں ہادی ثقلین ہوں، میں ہادی جن و انس ہوں۔

ہندوستان کے ایک بزرگ صوفی غلام محمد ہادی خان چشتی لکھنوی نے اپنی کتاب ''مناقب (حاشیہ ۱۶۳ مطبع احمدی کانپور ۱۳۰۵ھ) میں باب العلم کی بنیاد پر علی کو امت مسلمہ کا رہبر اور ہادی قرآن کی روشنی میں قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

> ''حضرت علی جملہ اولیاء امت کے پیر و مرشد اور رہبر باطن رہے ہیں۔ ان کی بیعت اور توسل کے بغیر امت میں سے کوئی شخص مقام عرفان پر فائز نہیں ہوا ہے۔ وہ ''اعلم الاصحاب'' صاحب ''سر مصطفویؐ'' اور ''وصی جناب نبوت ہیں۔ اہل سنت والجماعت میں سے کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔ اور یہ احادیث سے ثابت ہے...... رہا لسان نبوت سے حضرت علی کا صفت ہدایت سے متصف ہونا تو ابن جریر اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیروں، ابن اعرابی اور ابو نعیم نے اپنی کتاب ''المعرفۃ'' دیلمی نے مسند الفردوس نیز ابن عساکر اور ابن نجار نے اپنی تاریخوں میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب قرآن کی آیت '' اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (سورۃ رعد آیت ۷، آپ صرف ڈرانے والے نبی ہیں اور ہر قوم کے لئے نبی ہوتے چلے آئے ہیں) نازل ہوئی تو آپ نے اپنا

ہاتھ سینہ پر رکھ کر فرمایا۔ میں منذر (ڈرانے والا) ہوں اور ہاتھ سے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کرتے فرمایا: "اے علیؑ تم ہادی ہو۔ میرے بعد ہدایت والے تم سے ہدایت پائیں گے" اس آیہ کا تفصیلی ذکر در منثور میں ملا جلال الدین سیوطی نے بھی جلد چہارم ۴۵۵ سطر ۱۲ تا ۲۰ مطبوعہ مصر میں کیا ہے۔ اس کا ذکر سید علی ہمدانی نے بھی اپنی کتاب مودۃ القربیٰ میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "عروۃ الوثقیٰ اردو ترجمہ۔ از سید محمد ہمدانی کشمیری



حواشی

۱۔ ان کا نام طیفور بن عیسیٰ تھا۔ دادا (آتش پرست تھا۔ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) سفینۃ الاولیا (۷۳) میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق کے شاگرد تھے۔ بقول شیخ جنید انہیں صوفیوں میں وہی رتبہ حاصل تھا جو فرشتوں میں حضرت جبریل کا تھا۔ ۲۳۴ھ یا ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ علامہ اقبال کو بایزید بسطامی سے عقیدت تھی۔ انہوں نے اسرار خودی میں ایک شعر درج کیا ہے۔

کامل بسطام در تقلید فرد   اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

شعر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "حضرت بسطامی نے خربوزہ کھانے سے محض اس بنا پر اجتناب کیا تھا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ نبی کریمؐ نے یہ پھل کس طرح کھایا ہے"

۲۔ معروف کرخی۔ والد کا نام فیروز تھا۔ پہلے آتش پرست تھے۔ امام علی رضا بن موسیٰ کے ہاتھ مشرف بہ اسلام ہوئے ان کے گھر کے دربان تھے۔ ۲ محرم ۲۰۰ھ کو بغداد میں انتقال کیا (سفینۃ الاولیا صفحہ ۳۵۔۳۶)

۳۔ امام اعظم ابو حنیفہ۔ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ امام جعفر صادق کے شاگرد تھے۔

۴۔ سفیان ثوری۔ ان کا انتقال بصرہ میں ۳ شعبان ۱۶۱ھ کو ہوا "امیر المومنین فی الحدیث" کے لقب سے مشہور تھے

۵۔ جوامع الکلم صفحہ ۲۵۴،

۶۔ جوامع الکلم صفحہ ۲۷۳

۷۔ کتاب اللمع فی التصوف۔ مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۴۔ کتاب کے مصنف عبداللہ بن علی طوسی۔ ان کا وطن طوس تھا۔ لقب طاؤس الفقراء۔ کثیر التعداد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان میں اللمع تصوف میں مشہور ہے۔ موصوف ابو محمد مرتعش (م ۔ ۳۲۸ھ) کے مرید تھے۔ عبداللہ کا انتقال ۳۷۰ھ میں ہوا۔ مقبرہ طوس میں ہے۔ آپ نے پیشن گوئی کی تھی کہ

"جنازہ کہ از پیش خاک من می گذرانند مغفور بود۔ بحکم ایں بشارت اہل طوس جنازہ ہا از پیش مرقد ایشان می گذرانند (سفینۃ الاولیا صفحہ ۱۵۶)

(ترجمہ) جو جنازہ میرے مقبرے کے سامنے رکھا جائے اس کی مغفرت ہو گی۔ چنانچہ اس بشارت کے بموجب ہر جنازہ آپ کی قبر کے سامنے رکھا جاتا تھا۔

اے سِرِّ خطِ وجوب و امکاں
تفسیر تو سورہائے قرآن

علامہ اقبال نے علیؑ کی شان اور ان کے فضائل میں قرآن مجید کی متعدد آیتیں اپنے کلام میں درج کی ہیں جن کے باعث بعض تنگ نظر اشخاص نے ان کے عقیدے اور مسلک کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا۔ علامہ اوائل زندگی سے ہی ایک پکے مسلمان اور محبِ آلِ رسولؐ تھے۔ عنفوانِ شباب میں ان کا دستور تھا کہ وہ نمازِ فجر کے بعد مصلیٰ پر مناجات امیرالمومنین علی ابن ابی طالب (سپاس جناب امیرؑ) کا وظیفہ پڑھتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید، احادیث رسولؐ اور تاریخ کا بغائر نظر مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف علی مرتضیٰؑ کو تمام مخلوق میں بعد رسول افضل قرار دیتے اور علی کی مدح و ثناء میں رطب اللسان رہتے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر بعض لوگ ان کو تفضیلی سمجھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا
تفضیل علیؑ ہم نے سنی اس کی زبانی

اقبال نے خاک درِ اہلبیتؑ کے ذروں سے اپنے خیالات و افکار کو جلا بخشی۔ ان کا قول تھا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ — سرمہ ہے آنکھ کا مری خاک مدینہ و نجف

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال — یہ گنہگار بو ترابی ہے
فیض اقبال ہے اُسی در کا — بندۂ شاہ لافتیٰ ہوں میں

قرآن میں وارد ہوا ہے "**ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ**" جس نے رسول کی

اطاعت کی تو اس نے خدا ہی کی اطاعت کی۔ اور اس اطاعت رسول کی یہ شان ہے کہ اگر بندہ عبادت میں بھی مشغول و مصروف ہو تو اس کو توڑ دے اور امر رسولؐ پر عمل کرے اور اس کی بات سنے۔ خدا فرماتا ہے کہ "استجیبوا اللہ و لرسولہ" قبول کرو اور مان لو خدا کی بات اور رسول اللہ کی بات۔ اس کو فوراً جواب دو۔ حدیث کتاب صحاح میں موجود ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور رسولؐ خدا نے اس کو پکارا۔ اس نے جواب نہ دیا اور بعد ختم نماز حاضر خدمت ہوا۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جواب کیوں نہیں دیا تھا۔ عرض کیا کہ نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا کیا تو نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا "استجیبوا (آیہ) جس حال میں بھی ہو، حکم رسول کی اطاعت کرو۔ بے شک۔ کیوں نہ ہو۔ اس کی اطاعت ایسی ہونی چاہئے جیسے کہ وہ مومنین کی جان کا بھی ان سے زیادہ مالک ہے اور ان پر تصرف رکھتا ہے (الاحزاب۔ آیت ۶) مگر قرآن مجید ہمیں بتلاتا ہے کہ رسولؐ اللہ کی طرح اولی الامر کی اطاعت بھی خدا نے واجب کی ہے۔ **اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم** ۔ اس آیت میں تین اطاعتیں ہیں" خدا کی رسولؐ خدا کی اور مثل رسولؐ خدا اپنے اولی الامر کی" اور چونکہ صیغہ "اطیعو" مکرر نہیں لایا گیا جو تکرر معنی پر دال ہو سکے۔ اس لئے رسول اور اولی الامر کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بعینہ مثل رسولؐ بعد رسولؐ اولی الامر کی اطاعت ہر مسلمان پر بحکم آیہ مجیدہ فرض ہے۔ اور یہ اولی الامر رسول اللہ کے بعد ذریت نبیؐ دختر رسولؐ یعنی دوازدہ معصومین ہیں۔ اگر اولی الامر سے مراد عام شاہان اسلام لئے جائیں جو کل کے کل غیر معصوم، جائز الخطا اور اکثر جائر و جابر ہوتے ہیں تو ضرور شرک فی الاطاعت لازم آئے گا۔ ایک اطاعت کو دوسرے کی اطاعت باطل کردے گی۔

اللہ نے محمدؐ اور صاحبان امر یعنی ائمہ معصومین کی اطاعت مسلمانوں پر واجب قرار دی ہے اور سورۂ شوریٰ آیت ۲۰ میں اجر رسالت سے تعبیر کیا ہے۔ **قل لا اسئلکم فی القربیٰ** (اے رسولؐ! کہہ دو کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی صلہ نہیں مانگتا ہوں اس کے سوا کہ تو میرے اہلبیت سے محبت کرو۔ بہ تحقیق ثابت ہو گیا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے لازم و ملزوم ہے کہ وہ آل رسول سے تمسک کرے۔ رسولؐ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ "علی لحمک لحمی، دمک دمی، **الفاطمۃ بضعۃ منی الحسن منی و انا من الحسین** ۔ امام شافعی کا قول ہے کہ

> "اے اہل بیت رسولؐ! آپ کی محبت اللہ تعالیٰ نے فرض کیا اور اس کا حکم قرآن میں نازل کیا۔ آپ کے فخر کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جو آپ پر درود نہ بھیجے اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی"

مشہور عالم دین مولوی شیخ احمد صاحب دیوبندی عثمانی نے اپنی کتاب "نور الہدیٰ" میں بیس آیات قرآنی مع تفسیر ایسی بیان کی ہیں جن سے علیؑ کی افضلیت کا کافی اثبات ہے۔ انہوں نے ایک دوسری تصنیف رسالہ "کشف الحجاب" میں مزید سولہ آیتیں علیؑ کی شان میں درج کی ہیں۔ شیخ صاحب نے اپنی دونوں کتابوں میں اہل سنت والجماعت کی کتابوں سے اسناد پیش کی ہیں۔ وہ "نور الہدیٰ" کے صفحہ ۳ میں لکھتے ہیں کہ

"کتاب ختم ہونے تک کتب شیعہ کا مطالعہ بھی نہیں کیا اور میں نے ایک حرف بھی ان کتابوں سے یہاں اخذ نہیں کیا"

شیخ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ:

"یہاں چند آیات بطور نمونہ دکھاتا ہوں۔ ورنہ ایک تہائی قرآن فضائل و مناقب اہل بیت میں نازل ہوا ہے"

وحید الدین خان بہادر آزاد نے اپنی کتاب "عہد تحقیق بہ مشرب سُنّی" میں جناب امیرؑ کی شان میں ۱۵ آیتیں مفسرین اہلسنت بیان کی ہیں۔ سوانح عمری جناب امیرؑ میں مولوی عبداللہ بسمل امرتسری نے اس سلسلے میں ایک علحدہ باب قائم کیا، جس میں ۸۷ آیتیں علیؑ کی شان میں قلمبند کیں۔ یہ تمام آیتیں کتب اہلسنت سے ماخوذ ہیں۔ اس حساب سے ۱۳۸ آیات ہیں۔ اُردو کے مشہور شاعر آغا شاعر قزلباش (متوفی ۱۹۴۰ء) کے والد گرامی آغا عبد علی بیگ قزلباش کربلائی رئیس دہلی نے اپنی معرکہ آرا تصنیف "آیات جلی فی شان مولانا علی" مطبع یوسفی دہلی ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) میں ۷۰۰ آیتیں فضائل اہلبیت میں درج کی ہیں۔

قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ اور ہر سورہ کی پیشانی پر جو تعداد آیات مندرج ہے اس کا کل مجموعہ ۶۱۲۸ تک پہنچتا ہے۔ تفسیر عمدۃ البیان میں کلام پاک کی کل آیات مفسرین متقدمین کے حوالے سے ۶۶۶۶ تسلیم کی گئی ہیں۔ بہر حال ۶۰۰۰ آیات کا ہونا تو ہر طرح ثابت ہے۔ مولوی بسمل امرتسری نے اپنی کتاب (جناب امیرؑ) صفحہ ۵۹ پر خود حضرت علی کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن چار حصوں میں منقسم ہے۔ ایک ربع تو ہماری شان میں ایک ربع ہمارے دشمنوں کی تعداد میں، ایک ربع قصص وامثال اور واقعات میں اور ایک ربع فرائض واحکام میں۔ بہر حال آغا عبد علی بیگ نے آل رسول کی شان میں ۷۰۰ آیتیں مشتے نمونہ از خروارے درج کی ہیں۔ زیر نظر کتاب بڑی تقطیع میں صفحہ ۵۵۸ پر آیت نمبر ۷۰۰ سورہ ہود رکوع ۳ پر ختم ہوتی ہے۔ کتاب کے آخری صفحہ ۵۶۰ کے الفاظ یہ ہیں:۔

''انشاءاللہ باقی آیات کی تفسیر جلد دوم میں نظر سے گذرے گی'' افسوس کہ دوسری جلد کہیں دستیاب نہ ہو سکی۔

ذیل میں ہم چند آئتیں درج کرتے ہیں جن سے علامہ اقبال نے آل رسولؐ کی مدحت سرائی میں استفادہ کیا ہے۔علامہ کہتے ہیں۔

بانوئے آں تاجدار ہل اتیٰ ‏ ‏ ‏ مرتضیٰ ، مشکل کشا ، شیر خدا

قرآن مجید (پارہ ۲۹) میں سورۂ دہر ۳۱ آیتوں پر مشتمل ہے۔ پورا سورہ آل رسول کی شان میں نازل ہوا ہے۔''**هل اتیٰ علی الانسان** ''.......الخ۔سورت کی ابتدائی''**هل اتیٰ**'' سے ہوتی ہے اور اقبال نے علیؑ کو'' **هل اتیٰ** ''کا شہنشاہ قرار دیا۔شعر کے دوسرے مصرعہ میں ''مرتضیٰ''مشکل کشا، شیر خدا اسمائے علی ہیں۔اقبال واضح کر چکے ہیں۔

ہر کہ دانائے رموز زندگیست ‏ ‏ ‏ سر اسمائے علیؑ داند کہ چیست

(۱) مرتضیٰ۔ مرتضیٰ نام کی بڑی اہمیت ہے۔اس کے معنی بھی لامحدود ہیں۔مشہور عالم دین سید ابوالحسن ندوی (علی میاں) نے علیؑ پر جو کتاب لکھی ہے اس کا نام ہی ''المرتضیٰ'' ہے مولوی حافظ شاہ محمد علی حیدر قلندر علوی کاکوروی اپنی کتاب ''مناقب المرتضیٰ فی مواہب المصطفیٰ'' کے صفحہ ۱۱۵ میں لکھتے ہیں:

> ''موفق بن احمد اخطب خوارزمی ''مناقب'' میں اور ابن یوسف گنجی کفایت الطالب میں حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت کے ساتھ مدینہ کے بعض راستوں میں جا رہا تھا۔ایک نخلستان سے ہو کر گذرا۔ایک درخت دوسرے سے پکار کر کہنے لگا یہ ''نبی مصطفیٰ'' ہیں اور یہ علی مرتضیٰ ہیں''

مرتب کتاب نے یہ روایت اپنی کتاب میں عربی عبارت میں بھی درج کی ہے جس کو ہم نے یہاں حذف کیا ہے

(۲) مشکل کشا۔علی کا ایک محبوب اور ہر دلعزیز لقب ہے۔وہ تمام جن و انس کے حل مشکلات ہیں۔انہوں نے آدم سے لے کر خاتم الانبیاء تک ہر نبی کی مشکلیں آسان کر دیں۔آدمؑ کی عالم خلوت میں، نوحؑ کی طوفان میں، یونسؑ کی شکم ماہی، میں، موسیٰؑ کی طور پر، ابراہیمؑ کی آگ میں، عیسیٰؑ کی مشکل میں، خاتم المرسلین کی بدر میں، احد میں، خیبر میں، خندق میں۔امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ ہجری) فضائل صحابہ میں روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا:

''جو چاہے کہ آدم کو ان کے علم میں، نوح کو ان کے تقویٰ میں، ابراہیم کو ان کے حلم میں، موسیٰ کو ان کی ہیبت میں، عیسیٰ کو ان کے زہد و عبادت میں دیکھے''۔ وہ علی کو دیکھے۔ مطلب یہ کہ علی مجمع اوصاف و کمالات انبیاء ہیں۔

اہل متصوفین پر جب حال طاری ہوتا ہے تو ان کے لب پر ہمہ وقت ''مشکل کشا'' کا لفظ ہوتا ہے۔ ان کا نعرہ ہے ''یا علی مدد ی''۔ ابو سید ابوالخیر کہتے ہیں۔

اے شیر خدا امیر حیدر فتحے — وے قلعۂ کشاہ باب خیبر فتحے

در ہائے امید برخم بستہ شد — اے صاحب ذوالفقار قنبر فتحے

سورۂ **ھل اتی** کی شان نزول یہ ہے کہ اس میں انسان کی خلقت، کفار و مومنین کی حالت، بہشت کی مدح، اہلبیتؑ کی عبادت کا قابل شکریہ ہونا، حضرت رسولؐ کے خطاب وغیرہ کا ذکر ہے۔

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حسن و حسین علیہم السلام بیمار ہوئے اور حضرت رسولؐ خدا کچھ لوگوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے اور جناب امیرؑ سے فرمایا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے لڑکوں کی صحت کے واسطے نذر کرتے۔ یہ سنتے ہی جناب امیرؑ، فاطمۃ الزہراؑ اور فضہ نے تین تین روزوں کی نذر کی۔ غرض جب دونوں صاحبزادے اچھے ہوئے اور نذر کے پورا کرنے کا وقت آیا تو گھر میں کچھ نہیں تھا۔ جناب امیرؑ نے شمعون یہودی سے تین صاع جَو قرض لئے۔ جناب امیرؑ نے ایک صاع جو پیسا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کو کھانا ہی چاہتے تھے کہ ایک سائل نے آواز دی۔ السلام علیکم یا اہل بیت محمدؐ! میں ایک مسلمان مسکین ہوں۔ مجھے کھانا دو، خدا تمہیں جنت کے خوان عطا کرے گا۔ یہ آواز سنتے ہی سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں دے دیں۔ اور فقط پانی پی پی کر سو رہے۔ اور دوسرے دن پھر روزہ رکھا۔ حسب دستور جناب سیدہؑ نے پھر پانچ روٹیاں پکائیں اور کھانے بیٹھے کہ ایک یتیم نے آواز دی۔ اور سب نے اپنی روٹی اس کو دے دی۔ اور صرف پانی سے افطار کیا۔ تیسرے روز پھر افطار کرنے بیٹھے تھے۔ تو ایک قیدی نے آواز دی اور تیسرے دن پھر سب بزرگواروں نے اپنی اپنی روٹی دیدی۔ چوتھے دن صبح کو جناب امیرؑ نے صاحبزادوں

کے ہاتھ پکڑے اور حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب
رسولؐ اللہ کی نظر پڑی کہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے ہیں۔ میں تم
لوگوں کو کس قدر تکلیف کی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر خود اٹھے اور ان
کے ساتھ جناب سیدہ کے مکان میں آئے تو فاطمہ زہراؑ کو محراب عبادت
میں دیکھا کہ ان کی پیٹھ پیٹ سے مل گئی ہے اور آنکھیں دھنس گئی ہیں۔ یہ
دیکھ کر حضرت کو بہت رنج ہوا کہ یکا یک حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور کہا
لیجئے یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو۔ خدا نے یہ سورہ آپ کے اہل بیت کی
شان میں نازل کیا ہے اور سورہ دہر کی تلاوت فرمائی''

''......یُوفُوْنَ بالنذرِ و یخافون یوما کان شره مستطیرا و یطعمون الطام علی حبه مسکینا و یتماو اسیراً......الخ

ترجمہ:

''یہ (خاص) بندے نذر کو پورا کرتے ہیں۔ اور اس دن سے ڈرتے ہیں
جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اس کی محبت میں مسکین، یتیم اور
اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم صرف اللہ کی مرضی کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں
ورنہ نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ ہم اپنے پروردگار سے اس
دن کے بارے میں ڈرتے ہیں جس دن چہرے بگڑ جائینگے اور ان پر
ہوائیاں اڑنے لگیں گی''۔

۲۔ انما ولیکم الله و رسوله......و یُوتون الذکواة و هم راکعُون

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ ولی تمہارا اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ جو ایمان
لائے ہیں۔ ایسے لوگ جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اس آیت کے بارے میں ابن عباس نے ایک طویل روایت ابوذر سے کی ہے جس کا
خلاصہ یہ ہے:

''ایک روز میں جناب رسالت مآب کے ساتھ مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک سائل
نے آکر سوال کیا اور کسی نے اسے کچھ نہیں دیا۔ سائل آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔ اے خدا
گواہ رہیو، میں نے تیرے رسول کی مسجد میں سوال کیا تھا۔ مجھے کسی نے کچھ نہ دیا۔ جناب امیرؑ رکوع
میں تھے سائل کی طرف اپنے دہنے ہاتھ کی چھنگلیا سے اشارہ کیا، اس میں انگوٹھی تھی سائل نے بڑھ کر

اتاری۔ یہ آیت علیؑ کی نیابت الٰہی کے عہدے پر متمکن ہونے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ تفصیلات کے لئے کشف الحجاب صفحہ ۲۷۵ تا ۲۸۶ ملاحظہ ہو۔

علیؑ کی سیرت اور عمل صالح سے متاثر ہو کر اقبال کہتے ہیں ۔

اے سر خط و جوب و امکاں   تفسیر تو سورہائے قرآں
ے مذہب عشق را نمازے   اے سینۂ تو امین رازے

اے سر نبوت محمدؐ
اے وصف تو مدحت محمدؐ

۳۔و اقیمو الصلوٰۃ وَ اتو الزکوٰۃ و ارکعو مع الراکعین

اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

یہ آیہ کریمہ جناب رسالت مآبؐ اور جناب امیر المومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کافہ مسلمین میں کوئی ایسا کامل رکوع کرنے والا نہیں ملے گا جو روز بعثت رسولؐ مقبول سے نماز شروع کرنے والا اور سجدہ و رکوع بجالانے والا ہو۔ خود علی فرماتے ہیں کہ میں نے سات برس سب سے پہلے رسولؐ اللہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور حدیث رسولؐ بھی اس کی مؤید ہے کہ سات برس تک ملائکہ نے مجھ پر اور علیؑ پر درود بھیجا ہے جبکہ زمین پر کوئی وَحْدَہٗ لاشریک کا قائل نہ تھا۔ عبید اللہ صاحب بسمل امرتسری اپنی کتاب سوانح عمری جناب امیرؑ بحوالہ ابن عفیف لکھتے ہیں کہ:

''ابھی اسلام ظاہر نہیں ہوا تھا کہ میں مکہ میں گیا۔ عباسؓ سے ملا۔ دو پہر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک جوان آیا اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر جانب کعبہ منہ کر کے کھڑا ہو گیا اور کچھ پڑھنے لگا۔ اس کے بعد ایک لڑکا آیا وہ بھی اسی طرح کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک عورت آئی وہ بھی اسی طرح پیچھے کھڑی ہو گئی۔ پھر سب نے رکوع کیا پھر سر اٹھایا اور پھر سجدہ کیا۔ میں یہ طریقہ دیکھ دیکھ کر حیران تھا۔ اس لئے عباسؓ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جوان محمدؐ میرا بھتیجا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ خدا سب کا ایک ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کا رسولؐ ہوں۔ خدا کا کلام اور شریعت لے کر آیا ہوں۔ دوسرا لڑکا میرا بھتیجا ہے اور یہ عورت خدیجہ بنت خویلد اس جوان کی زوجہ ہے۔ ان دونوں نے اس کے کلام کی تصدیق کی ہے۔ آج روئے زمین پر ان تینوں شخصوں کے سوا چوتھا شخص اس عقیدہ کا نہیں''

عز ہ محدث حنبلی کا بھی یہی مذہب ہے کہ یہ آیت حضرت رسالت مآبؐ اور حضرت علی مرتضیٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت جناب رسولؐ اللہ اور علیؑ ابن طالب سے متعلق ہے کیونکہ سب سے پہلے کافۃ المسلمین میں ان ہی دو بزرگواروں نے نماز پڑھی اور رکوع کیا ہے۔ اس نماز کی شان نزول خود اللہ تعالیٰ نے متذکرہ بالا آیت میں فرمائی ہے۔

۴۔ **قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ..... عِلْمُ الْکِتٰبِ (سورہ رعد۔آیت ۴۳)**

اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے کہد و کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ اور شہید واقعہ اللہ کافی ہے۔ جس نے مجھے ان کمالات کا بنا کر بھیجا ہے اور وہ جس کے پاس علم الکتاب ہے۔ آیت سے ثابت ہے کہ علیؑ اول المومنین اور اول المسلمین ہیں۔ اول المومنین اس لئے تو ہیں ہی کہ نفس رسولؐ اللہ ہیں اور عالم نورانی و روحانی میں کل مخلوقات سے پہلے اسلام لانے والے اور خدا کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ یہاں اول المسلمین اس لئے بھی ہیں کہ انہیں کبھی شرک و کفر کی ہوا ہی نہیں لگی۔ جس کے سینے میں کتاب اللہ کا علم حقیقی واقعی ہو گا اس کی یہی شان ہو گی۔ پس حقیقی مصدق نبوت اول المومنین و افضل المومنین بلکہ روز ازل سے امیر المومنین کہنے والے علیؑ ہی ہیں۔ سید علی ہمدانی (شاہ ہمدان) اپنی کتاب مودۃ القربیٰ میں بحوالہ حدیث رسولؐ لکھتے ہیں کہ:

''اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ علیؑ کا نام امیر المومنین کب رکھا ہے تو کبھی اس کی فضیلت کا انکار نہ کریں۔ علیؑ کا نام اس وقت رکھا گیا جب آدم بھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ یعنی جب رسولؐ اللہ نبی ہیں اسی وقت سے علیؑ ولی اللہ امیر المومنین ہیں'' (ینابیع المودت صفحہ ۲۴۸) ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ آنحضرت کے حضور میں داخل ہو گئے۔ آپ کے پاس حضرت عائشہؓ تشریف رکھتی تھیں۔ حضرت علیؑ آنحضرت اور حضرت عائشہؓ کے درمیان بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ فرمانے لگیں کہ کیا اس جگہ کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں؟ آنحضرت عائشہ سے فرمانے لگے۔ ٹھہرو! میرے بھائی کو تکلیف نہ دو۔ یہ امیر المومنین و **قائد الغر المحجلین** ہیں۔ قیامت کے روز پل صراط پر بیٹھیں گے اور اپنے دوستوں کو جنت میں اور دشمنوں کو دوزخ میں داخل کریں گے (مناقب مرتضوی ۸۱ خوارزمی۔ بحوالہ مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ صفحہ ۹۲۔ ۹۳۔ مولفہ مولوی حافظ شاہ محمد علی حیدر قلندر علوی کاکوروی۔ یہ کتاب کتب خانہ شبلی لکھنو میں زیر نمبر ۲۲۵۵۳ موجود ہے امیر المومنینؑ کی یہ فضیلت ''میر سید علی ہمدانی'' مرتبہ ڈاکٹر محمد ریاض صفحہ ۵۱۶ مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی وایران ۱۹۸۵ میں بھی درج ہے)

۵۔ حضرت علی کے سرمائیہ ایمان کی شان میں قرآن مجید میں متعدد آیتیں موجود ہیں۔سورہ توبہ کی آیت نمبر۱۹......"اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام......یھدی القوم الظالمین۔

ترجمہ: کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی تعمیر کو تم نے اس شخص کی مانند قرار دے دیا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہو، خدا کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ خدا کے نزدیک تو ان میں کوئی مساوات نہیں اور خداوند عالم ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا"

یہ آیت مسلمانوں کے سبھی فرقوں میں باتفاق رائے حضرت علی کے ایمان کے قول کی تصدیق میں نازل ہوئی ہے۔ایک دن عباس بن عبدالمطلب اور طلحہ بن شیبہ بیٹھے تھے کہ ادھر علی کا گذر ہوا۔عباسؓ نے کہا کہ میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں۔شیبہ نے کہا کہ ہم خانہ کعبہ کے کلید بردار ہیں۔دونوں بزرگوار اپنی خوبیوں پر ناز کرتے تھے۔دونوں نے علیؑ سے کہا کہ تم میں کونسی خوبی ہے؟۔انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو سب سے پہلے نماز ادا کی اور ایمان کا اعلان کیا اور راہ خدا میں جہاد کیا اور تمہاری گردنوں پر سے تلوار نہیں اٹھائی جب تک کہ تم ایمان نہیں لائے۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں لفظاً بلفظاً قول جناب امیر کی تصدیق کی گئی ہے تینوں بزرگوار رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اپنی دلیلیں پیش کیں۔اسی وقت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

ابو حاتم، ابو شیخ، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن مندہ اور ثعلبی نے اپنی اپنی تفسیروں میں، اور واحدی (اسباب نزول) قرطبی، ابن اثیر (جامع الاصول) نسائی (سنن) سیوطی (درمنثور) اور ابو نعیم (م۔۳۰۳ھ) نے فضائل صحابہ میں یہ آیت شان علیؑ میں نازل ہوئی قرار دی ہے۔[1]

علامہ اقبال کے فلسفہ کی بنیاد عشق پر ہے اور انہوں نے علی کے ایمان کو سرمایہ عشق قرار دیا ہے۔چنانچہ آیت مذکورہ سے استفادہ کر کے فلسفۂ عشق کو یوں جلا دیا ہے۔

مسلم[2] اول شہ مرداں علی ۔۔۔ عشق را سرمایہ ایماں علی

از ولائے دودمانش زندہ ام ۔۔۔ در جہاں مثل گہر تابندہ ام

۶۔ وَاَنْذِرْ عشیر تک الاقربین (شعرآ۔ ۱۱)

آیت میں علیؑ کا اولین کارنامہ دعوت اسلام کے سلسلہ میں مضمر ہے۔رسول کو حکم ہوا تھا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے متنبہ کرو۔آپ نے علیؑ کو حکم دیا کہ رشتہ داروں کی دعوت کا

انتظام کرو۔ بقول علامہ شبلی (سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۱۱ طبع ششم) علیؑ نے اس کم سنی کے باوجود بہت ہی اچھا انتظام کیا۔ تمام خاندان عبدالمطلب کو دعوت دی گئی تھی۔ ان میں حضرت ابو طالبؑ، حضرت حمزہؑ، حضرت عباسؓ اور ابولہب بھی تھے۔ لوگ کھانا کھا چکے۔ تو آنحضرت نے کھڑے ہو کر فرمایا:

''میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا کو کفیل ہے۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں میرا ساتھ کون دے گا۔ وہی میرا وزیر، جانشین اور بھائی ہوگا'' تمام مجلس میں سناٹا چھا گیا۔ دفعتاً علیؑ نے کھڑے ہو کر کہا۔

''گو مجھے آشوب چشم ہے۔ گو میری ٹانگیں پتلی ہیں گو میں سب سے نوعمر ہوں۔ تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا''

قریش کے لئے یہ حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (آنحضرت اور علیؑ) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتایا کہ یہ سراپا سچ تھا''

تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ میں ہے کہ رسولؐ اللہ نے حضرت علی کے اس جواب کے بعد پھر وہی کلمات فرمائے کہ ''میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کو کفیل ہے۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں میرا کون ساتھ دے گا؟'' علیؑ نے اٹھ کر پھر وہی کہا جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ تیسری مرتبہ رسولؐ نے پھر وہی دہرایا۔ اور علی نے وہی عرض کیا جو اس سے پہلے کر چکے تھے یعنی یہ کہ:

''یا رسولؐ اللہ! میں ہوں مددگار آپ کا اور فرمانبردار آپ کا اور نصرت کرنے والا آپ کے ہر کام میں۔ میں آپ کے دشمنوں کو نیزہ ماروں گا اور آنکھیں ان کی پھوڑوں گا۔ اور پیٹ چیروں گا اور ٹانگیں کاٹوں گا اور آپ کا وزیر ہوں گا''

حضرت نے اس وقت علیؑ مرتضیٰ کی گردن پر دست مبارک رکھ کر ارشاد کیا:۔

''یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے تمہارے درمیان، اس کی سنو اور اطاعت قبول کرو''

یہ سن کر سب قوم کے لوگ از روئے تمسخر کے ہنس کر کھڑے ہو گئے اور ابولہب حضرت ابو طالبؑ سے کہنے لگا کہ اپنے بیٹے کی بات سن اور اطاعت کر۔ یہ تجھے حکم ہوا'' (تاریخ ابوالفدا ترجمہ از مولوی کریم الدین صفحہ ۳۳۔ ۳۶ طبع لاہور ۱۸۴۶ء)

(نوٹ) دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ ۳ بعثت کا ہے۔ اس کا ذکر کتب تاریخ اسلام میں موجود

ہے ان میں سے چند کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱) تاریخ طبری جلد دوم ص ۲۱۷ (متوفی ۳۱۰ھ) (۲) خصائص نسائی (۳۰۳ھ) صفحہ ۱۳ (۳) تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ (۴) مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۳۶۰ (۵) کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۷ (۶) کمن جلد ۳ صفحہ ۴۹۹۔

۷۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَشْرِیْ...... (سورہ بقرہ آیت ۲۰۷)

ترجمہ: "لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اپنے نفس کو مرضی پروردگار کے لئے بیچ ڈالتے ہیں"

آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے۔ اور یہ شب ہجرت حضرت علیؑ کی عدیم المثال جانثاری کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ ۱۳ بعثت (مطابق ۶۲۲ء) رسولؐ اللہ کو حکم ہوا کہ وہ مکہ چھوڑ دیں۔ اللہ کی ہدایت کے مطابق جو حضرت جبرئیل کے ذریعہ پہنچی آنحضرت نے علیؑ کو اپنے بستر پر لٹادیا اور ایک ایک مٹھی دھول لے کر گھر سے باہر نکلے اور دشمن کی آنکھوں میں جھونکتے ہوئے اس طرح نکل گئے جیسے کفر سے ایمان نکل جائے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ "یہ سخت خطرہ کا موقعہ تھا۔ جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اور آج رسولؐ اللہ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے۔ لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا" (سیرت النبی و محسن اعظم ۱۶۵) صبح ہوتے ہوئے دشمن دروازہ توڑ کر داخل خانہ ہوئے تو علیؑ کو سوتا ہوا پایا۔ پوچھا محمدؐ کہاں ہیں۔ جواب دیا، جہاں ہیں خدا کی امان میں ہیں۔ طبری میں ہے کہ علیؑ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور سب گھر سے نکل بھاگے۔ احیاء العلوم امام غزالی میں ہے کہ علیؑ کی حفاظت کے لئے خدا نے جبرئیل اور میکائیل کو بھیج دیا تھا۔ یہ دونوں ساری رات علیؑ کی خواب گاہ کا پہرہ دیتے رہے۔ علیؑ کا فرمانا ہے کہ مجھے شب ہجرت جیسی نیند آئی ساری عمر نہ آئی تھی۔ تفاسیر میں ہے کہ اس موقعہ کے لئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

۸۔ یا ایہا الرسول بلغ ما أنزل...... یعصمك من الناس (مائدہ آیت ۶۶)

یہ آیت بھی علیؑ کی شان میں ہے اور یہ دعوت ذوالعشیرہ کی آیت کی تکمیل کرتی ہے جس کے تحت اب علیؑ کی ولایت کا اعلان واشگاف الفاظ میں کیا گیا ہے۔ آیت کا ترجمہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

> "اے رسولؐ! اس حکم کو پہنچا دے جو تیرے پروردگار کی جانب سے تجھ پر نازل ہوا ہے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو گویا خدا کی رسالت ہی نہیں پہنچائی ہے۔ اور اللہ تجھے لوگوں کی شر سے بچائے گا"

علامہ اقبال نے اللہ کے اس صریح حکم کو یوں منظوم کیا گویا کہ پوری تاریخ اسلام کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

جلوہ در تاریکیٔ ایام کن
انچہ بر تو کامل آمد عام کن

جب آخری حج سے فراغت کے بعد آنحضرت مدینہ کے ارادہ سے ۱۴ ذی الحجہ ۱۰ھ کو روانہ ہوئے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔ غدیرخم پر پہنچتے ہی آیہ بلّغ کا نزول ہوا۔ آپ نے پالان شتر کا منبر بنایا اور بلالؓ کو حکم دیا کہ "حی علی خیر العمل" کہکر آواز دو۔ مجمع سمٹ کر نقطۂ اعتدال پر آگیا۔ آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ فرمایا جس میں حمد و ثنا کے بعد اپنی فضیلت کا اقرار لیا اور فرمایا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسرے اہلبیت اس کے بعد علیؑ کو اپنے نزدیک بلا کر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل ظاہر ہوگئی۔ پھر فرمایا "مَنْ کُنْتُ مولاہُ فھٰذا علی مولا" "جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے۔ خدایا علیؑ جدھر مڑیں حق کو اسی طرف موڑ دینا۔ پھر علیؑ کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا۔ سب لوگ آپ کی نیابت الٰہی اور تمغۂ ولایت سے مسرور ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے بھی شاندار الفاظ میں مبارک باد دی۔ جبرئیل نے بھی "الیوم اکملت لکم دینکم" کا مژدہ سنایا۔ بقول رومی ؎

زیں سبب پیغمبر با اجتہاد   نام خود وان علی مولا نہاد
گفت ہر کس را منم مولا و دوست   ابن عم من علی مولائے اوست
کیست مولا آنکہ آزادت کند   بند رقیت زپایت برکند

اقبال نے بھی اپنے فلسفۂ کلام میں متعدد اشعار میں علیؑ کو مولا قرار دیا ہے ؎

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق   کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر   کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

حدیث غدیر کے بارے میں سید علی ہمدانی نے جن کی تعریف ملا عبدالرحمٰن جامی نفحات الانس میں یوں فرماتے ہیں کہ انہوں نے چار سو اولیا کی صحبت پائی ہے اور علوم ظاہری اور باطنی میں صاحب کمال تھے۔ حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے علیؑ کو علم نصیب کیا جس سے گمراہ آدمی ہدایت پائیں۔ پس پیغمبر نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے۔ اے خدا علیؑ کے دوست کو دوست اور اس کے دشمن کو دشمن رکھ۔ اس کے مددگار کی مدد کر اور جو اس کی نصرت ترک کرے اُسے تو بھی مخذول فرما۔ خداوندا! تو ان پر میرا گواہ ہے۔ اب جناب صحابی کہتے ہیں کہ میرے پہلو میں ایک جوان خوشرو اور خوشبو بیٹھا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ خدا نے اس عقد کو منعقد کیا ہے اسے سوائے منافق کے اور کوئی نہیں کھول

سکتا۔ اب صحابی صاحب کا قول ہے کہ میں نے یہ واقعہ رسولؐ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ آدم زادہ نہ تھا بلکہ جبرئیل تھا۔ اس نے تجھے اس امر پر تاکید کی ہے۔ جس کا تو نے علیؑ کے بارے میں اقرار کیا ہے۔ موفق بن احمد اخطب خوارزمی، ابن مردویہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب علیؑ منصوب بولایت وخلافت ہوئے تو حسان بن ثابت وغیرہ نے جو رسولؐ کے صحابی تھے علیؑ کی مدح و امامت وخلافت پر مبارکباد دی۔ اُن کے قصیدے موجود ہیں۔

تفسیر ثعلبی، جواہر العقدین، کتاب الاکتفا اور مناقب امیر المومنین (صفحہ ۲۷ حافظ ابو عبداللہ محمد ابن یوسف بن محمد الکنجی الشافعی نمبر کتاب ۵۳۶۱ کتب خانہ شبلی نعمانی لکھنو) میں لکھا ہے کہ سفیان بن عتبہ سے پوچھا کہ آیہ "سال سایل" "بعذاب واقع للکافرین" کس کے حق میں نازل ہوا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ حضرت جعفر صادق نے اپنے آباء کرام سے روایت کی ہے کہ جس وقت رسولؐ خدا نے غدیر خم میں علیؑ کو منصوب بخلافت فرمایا اور یہ خبر مشہور ہوئی تو نضر ابن حارث بن نعمان فہری اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ میں حاضر خدمت نبیؐ ہوا۔ اور بطور نزاع کہنے لگا۔ اے محمدؐ! تو نے ہمیں کلمۂ شہادت کا حکم دیا، ہم نے قبول کیا۔ نماز پنجگانہ کا حکم دیا۔ ہم بجا لائے۔ ماہ رمضان کے روزوں کا حکم دیا وہ بھی مانا۔ مگر اس پر بھی تو راضی نہ ہوا۔ یہاں تک کہ اپنے چچا کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر کہہ دیا کہ جس کا میں مولا ہوں یہ بھی اس کا مولا ہے اور اُسے ہم پر فضیلت دی۔ یہ تو نے اپنی طرف سے کیا ہے یا خدا کی جانب سے۔ حضرتؐ نے فرمایا واللہ یہ امر جانب خدا سے ہے۔ نضر بن حارث یہ سنتے ہی وہاں سے کھڑا ہوا اور اپنے اونٹ کی طرف یہ کہتا ہوا چلا "خداوندا اگر یہ امر یونہی ہے جیسا کہ محمدؐ کہتا ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر برسا۔ ابھی اپنے اونٹ تک نہ پہنچا تھا کہ ایک پتھر آسمان سے نازل ہوا اور سر پر لگ کے نیچے سے نکل گیا۔ اسی وقت واصل جہنم ہوا۔ اس وقت خدا نے یہ آیت نازل فرمائی" سال سایل الخ۔ ایسے ہی منحرف اور مسلمان منافقین کے لئے علامہ اقبالؒ نے کہا ۔

مقصد تحک تجی پہ کھلی ان کی زبان　　یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی برا کہتے ہیں

زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل　　دل و نگاہ، مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

دین او آئین او سوداگری است

عنتری اندر لباس حیدری است

۹۔ انّی جاعِلُکَ لِلنّاسِ اِماماً

یعنی (اے ابراہیم) تم کو لوگوں کا امام بنانے والا میں ہی تو ہوں)

ارشاد رسولؐ ہے کہ خدا نے خود ہی مجھے تعلیم دی اور اللہ نے مجھے ادب سکھایا اور خوب

سکھایا۔ معلوم ہوا کہ سب ان کی تعلیم کے محتاج ہوتے ہیں اور یہ خدا کی تعلیم کے۔ اس لئے ضروری ہے کہ امام (خلفاء اللہ) کبھی کسی سے کوئی علم نہ سیکھیں اور کسی سے کوئی تعلیم نہ پائیں۔ نبی جن کا خدا معلم ہے وہ کسی دوسرے معلم کے پاس کیونکر جاسکتے ہیں۔ اور چونکہ الہام ووحی کا تعلق روح سے ہے نہ جسم سے۔ لہذا وحی کے لئے عالم جسمانی وروحانی یکساں ہے۔ خلیفۃ اللہ و نبی اول خلقت میں علم کے ساتھ لے کر آئے اور شکم مادر سے عالم پیدا ہو۔ تاکہ جھوٹے مدعیوں سے اس کو امتیاز حاصل ہو جائے۔ دراصل ایسا ہی ہے۔ یہ خاصانِ خدا ماں کے پیٹ سے عالم پیدا ہوتے ہیں اور کسی سے تعلیم نہیں پاتے۔ مختصر یہ کہ جملہ خلفاء اللہ کے لئے علم لدنی وعصمت وطہارت لازمی ہے اور کوئی اس سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یہ خلافت کبھی بصورت نبوت ظاہر ہوتی ہے اور کبھی بصورت رسالت اور کبھی بصورت امامت۔ پس جس طرح یہ خصائص نبی اللہ ورسول اللہ کے لئے ضروری ہیں۔ اسی طرح امام خلق کے لئے بھی لازمی ہیں اور یہی اوصاف امامت ہیں۔ جس طرح نبی اللہ کے لئے بحیثیت نبوت ہے۔ اسی طرح امام کے لئے بحیثیت امامت ہے اور اسی طرح وہ صاحب وحی و الہام ہے۔ جو اس کا منکر ہو، وہ حقیقت خلافت الہیہ سے بالکل بے خبر اور ماہیت امامت سے قطعاً جاہل ہے۔ چونکہ آنحضرت ان جملہ مراتب میں درجہ ختم مراتب پر ہیں جملہ اوصاف میں سب سے افضل و اکمل ہیں۔ اور سب سے اقرب الی اللہ ہیں۔ اس لئے ان کی عصمت فوق جمیع انبیاء اللہ ہے اور آئمہ معصومین شریک عصمت رسولؐ اللہ۔

ارشاد نبویؐ ہے کہ اول خدا نے میرا نور خلق کیا۔ پھر اس نور سے خدا نے نور علیؑ کو مشتق کیا۔ پس ہم ہی اول ہیں ہم ہی آخر ہیں، ہم ہی خاصانِ خدا ہیں۔ ہم ہی دوستان رب علی ہیں۔ ہمارے گھروں میں جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ ہم ہی کل قدس الٰہی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے "**انی جاعلٌ فی الارض خلیفة**" (میں زمین میں اپنا جانشین بنانے والا ہوں) اور اس خلیفہ کو عہدۂ نبوت سے ممتاز کیا ہے۔ اور اس خلافت کو صورت نبوتی میں ظاہر کیا ہے۔ بعد ازاں اسی سلسلہ کو رسالت واولوالعزمی وختم نبوت وامامت میں یعنی خلیفۃ اللہ رسول، رسول، اولوالعزم خاتم النبیینؐ اور امام خلق ہوتے ہیں۔ "بے شک ہم نے اپنے رسول بھیجے اور ہر ایک کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان صدق وعدل اتاری۔ حضرت داؤد بصراحت خلیفۃ اللہ کے لفظ سے یاد کئے گئے (**یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض**) ابراہیم کو ارشاد ہوا۔ میں تجھے تمام لوگوں کا پیشوا (امام) بنانے والا ہوں اور ان کی اولاد اور ذریت کے کل انبیاء کو امام کے لقب سے ملقب کیا۔ سلسلہ خلافت الہیہ ہی سے نبی، رسول، اولوالعزم رسول، خاتم امام خلق

گزرے۔ نبوت و رسالت و امامت کا اس خلافت الٰہیہ سے علیحدہ کوئی دوسرا سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔ ارشاد ہوا، بے شک ہم نے آدم، نوح، آل ابراہیم و آل عمران کو تمام مخلوقات سے چنا اور برگزیدہ و ممتاز بنا دیا۔ اور ان مراتب و مناصب الٰہیہ کے لئے انتخاب کیا۔ یہ سب ایک ہی سلسلہ اور ایک دوسرے کی اولاد و ذریت ہیں اور اللہ سب کی سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

سب کچھ اسی سلسلۂ خلافت الٰہیہ میں ہے۔ لیکن اعلان "اِنّی جاعِلٌ فی الارض خلیفة" کے جملے سے (۱) انی جاعل فی الارض نبیا (۲) اِنّی جاعِلٌ فی الارض رسولا (۳) انی جاعل فی الارض اماما کے الفاظ اور جملوں سے نہیں ہے۔ جس سے یہ امر آشکارا ہے کہ اصل خلافت الٰہیہ ہی ہے اور وہی مقدم ہے اور نبوت و رسالت، اولوالعزمی، امامت، وولایت اور خاتمیت سب اس کے درجات ہیں۔ کبھی یہ خلافت الٰہیہ کی صورت نبوتی میں ظاہر ہوتی ہے اور خلیفۂ نبی کہلاتا ہے۔ اور کبھی نبوت کے ساتھ رسالت کی جامعہ ہوتی ہے اور خلیفۂ خدا کے ساتھ رسول بھی کہلاتا ہے اور مُسلّم ہے کہ ہر رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہے اور دونوں میں اَعم واخص مطلق کی نسبت ہے۔ کبھی یہ خلافت صورت نبوت و رسالت کے ساتھ عہدۂ اولوالعزمی کو شامل ہوتی ہے۔ "فاصبر کما صبر او لو العزم من الرّسُل" (صبر کرو جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے بھی صبر کیا) اور اولوالعزم پانچ کہلاتے ہیں۔ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ حضرت محمد مصطفیٰ اور یہی صاحبانِ شریعت ہیں۔ باقی کل انبیائے مرسلین انہی شرائع کی تبلیغ کرنے والے تھے اور کبھی یہ خلافت الٰہیہ صورت نبوت و رسالت و اولوالعزمی کیساتھ امامت میں شامل ہوتی ہے۔

ہر نبی کوئی نہ کوئی آیت لاتا ہے اور دکھلاتا ہے۔ حضرت ابراہیم مقام امامت پر فائز ہوئے تو ان کو بواطن زمین و آسمان آیات ارضی و سماوی دکھلائی گئیں۔ اور انہوں نے بہت سے معجزے امت کو بتلائے اور اس سے ان کی امت کا مرتبہ و مقام معلوم ہوا اور مقام ختمی میں فرمایا "اسریٰ...... من آیٰتنا الخ (اللہ اپنے پیارے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک لے گیا تاکہ ہم اپنی آیات اُسے دکھادیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے) پس ثابت ہوا کہ خاتم النبیین آیات کبریٰ کے حامل ہیں۔ ارشاد ربانی ہے قسم ہے نجم ہدایت کی، تمہارا پیغمبر نہ بھٹکا ہے نہ بہکا ہے اور نہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات کہتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے وحی کہتا ہے۔ اس کو سب سے قوی ذات نے پڑھایا ہے (الرحمن علم القرآن) وہ بڑی قوت والا ہے اور سب پر حاوی ہے۔ اس نے اپنے بندے کو وحی کی۔ وہ سب نمونۂ اوصاف جمال وجلال الٰہی ہیں۔ شق القمر اعجاز کی دلیل ہے۔ عصائے موسیٰ، موسیٰ کا معجزہ ہے۔ یہ مرتبہ و مقام "خلافت الٰہیہ"

کا آخری درجہ ہے کہ عالم کون وفساد (دنیا) میں تصرف بھی رکھتا ہے۔ یہ ولی مطلق چاہتا ہے تو جماد (سنگریزوں) کو گویا کر کے دکھلا دیتا ہے۔ چاہتا ہے تو درخت باتیں کرتے ہیں۔ سوکھی لکڑیاں نوحہ کرتی ہیں۔ درندے نبوت کی شہادت دیتے ہیں۔ انگشت مبارک سے چشمے جاری ہوتے ہیں۔ درخت اس کے آگے سجدۂ تعظیم دیتے ہیں۔ ہر شجر ہر حجر سے اسلام علیک یا رسول اللہ کی صدا بلند ہوتی ہے۔ اندھے لعاب دہن سے اچھے ہوتے ہیں۔ تصرفات آدمی سے لے کر عیسیٰ بن مریم تک سب تحت تصرفات محمدی نظر آتے ہیں اور کل اوصاف انبیاء ذات محمدی میں جمع ہوئے ہیں امام متقین علی ابن ابی طالب کا ارشاد ہے کہ محمد حجاب اللہ محمد حجاب الٰہی ہے۔

۱۰۔ انی جاعلک للناس اماما اور " قال و من ذریتی ،قال لا ینال عھدی الظالمین"

ابراہیم کو عہدۂ امامت بعد نبوت ورسالت عطا ہوا ہے۔ اللہ نے بشارت دی۔ '' اب میں تجھے تمام لوگوں کا امام (پیشوا) بنانے والا ہوں۔ آپ نے خوش ہو کر عرض کیا۔ میری ذریت کو بھی یہ عہدہ عنایت ہوگا۔ حکم ہوا کہ عہدۂ امامت ظالمین کو نہ پہنچے گا''۔ آیت میں '' ظالمین'' کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ امام حق کا کردار کس معیار کا ہونا چاہئے۔ یعنی امام کا عہدہ ظالموں میں نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم سے پہلے انبیاء اللہ، مرسلین وغیر مرسلین خلیفۂ خدا، نبی اللہ رسول اللہ تھے۔ بعض ان میں سے صاحبان شریعت بھی تھے۔ مگر امام خلق نہیں کہلاتے تھے۔ وہ ہدایت خلق کرتے تھے۔ کل محققین علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ عہدہ حضرت ابراہیمؑ سے ہی جاری ہوا اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ ابراہیم یہ عہدہ و منصب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی ذریت واولاد میں باقی چھوڑ گئے۔ بلکہ اس کو ملت بنا گئے۔ اور ملت ابراہیمی کبھی بدل نہیں سکتی۔ دوسرے یہ کہ '' ظالمین'' کی قید نے یہ عہدہ معصومین وصالحین کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ ہر نامناسب شے ظلم ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا گناہ ظلم ہے۔ فرمان الٰہی ہے کہ ہم نے گنا ہگاروں پر عذاب آسمانی نازل کیا۔ کفر چونکہ بڑا گناہ ہے۔ بڑا ظلم ہے۔ شرک اس سے بڑا گناہ ہے۔ سب سے بڑا ظلم ہے۔ آیۂ امامت میں ظالمین کا لفظ مطلقاً استعمال ہوا ہے۔ کوئی قید کسی ظلم کی نہیں ہے۔ اس لئے جہاں کوئی بھی صادق آئے وہ ظالم کہلائے گا۔ غرضیکہ جس سے بھی کوئی گناہ ہو چکا ہے وہ امامت کے لائق نہیں۔ معصوم کے سوا کوئی بھی خلیفۂ رسول نہیں ہو سکتا ہے۔ **لا ینال عھدی الظالمین** کی تشریح شیخ ناصر الدین بیضاوی نے اپنی تفسیر انوار التنزیل میں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ دعائے ابراہیم کی قبولیت ہے اور اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ دعا قبول ہے اور تمہاری ذریت میں امامت رہے

گی۔ لیکن تمہاری ذریت میں گنہگار بھی ہوں گے اور نیکو کار بھی۔ ظالم بھی ہوں گے اور عادل بھی۔ طالح بھی ہوں گے اور صالح بھی۔ اس لئے ساری ذرّیت امام نہیں۔ بس عہد امامت امانت خدا ہے۔ اس میں خیانت نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ امامت رسالت پر اضافہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ زمین و آسمان کا علم باطنی حضرت ابراہیم کو عطا کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے خلفاء اللہ وانبیاء کو یہ علم نہ تھا۔ پس امام کو علاوہ ان علم ضروریہ کے جو اس زمانے میں ضروری ہوں علم باطن بھی ضرور ہونا چاہئے۔ خصوصاً امام مطلق و آیت مطلقہ میں۔ کیونکہ بغیر علم ملکوت ارض وسمائے باطن زمین و آسمان کا تصرف دشوار بلکہ محال ہوگا۔ اور تصرف ہی حقیقت خلافت الٰہیہ ہے اور امامت چونکہ فوق نبوت ہے اس لئے ضروری ہے کہ تصرف امام فوق نبی ہو۔ تصرف امام کی سند خود قرآن میں موجود ہے۔ یعنی اے ابراہیم لوگوں کو حج کے لئے پکارو۔ آواز ابراہیم ہر ایک کے کان میں پہنچی۔ معلوم ہوا کہ امام ہر ایک کی سنتا ہے اور اس کی صدا سب کو پہنچتی ہے۔ امام چیونٹی کی آواز سن سکتا ہے (نمل) اگر امام میں یہ تصرف نہیں تو امام خلق نہیں ہو سکتا۔ امام کو چاہئے کہ وہ مشکل کشائے خلق ہو اور مشکل کشا کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب کے کام آ سکے۔ جہاں اس کو پکاریں پہنچ سکتا ہے اور اس تصرف اور ریاست عامہ سے وہ مشکلکشائے خلق بن سکتا ہے۔ اس وقت سے جبکہ وہ عالم جسمانی میں آیا بھی نہیں ہے اور جہاں اس کو "یا فارس الحجاز ادرکنی" کہہ کر پکارو، وہ تصرف دیاری کے لئے موجود ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ اسی عالم روحانی میں ہر نبی کی نصرت کر سکتا ہے۔ خصوصاً وہ امام جو اس نبی کی جگہ آئے جس کی شان یہ ہو کہ بطور فخر کہہ سکے کہ "میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم کا پتلا بھی نہ تھا" اور جس کی نبوت بعد مرنے کے بھی تا قیام قیامت باقی ہو۔ اس کے قائمقام کی شان بھی یہی ہو گی۔ اور تینوں زمانوں کو شامل ہوگی اور کہہ سکے گا "میں نے کل انبیاء کی پوشیدہ طور پر عالم ارواح میں نصرت کی ہے اور محمد عربی کی کھلم کھلا میدان میں نصرت کی ہے۔ ایسے ہی وجود کو ولی اللہ المطلق کہتے ہیں اور اسی تصرف کا نام شاہ ولایت ہے اور امام کی ریاست عامہ اسی ولایت کا اثر ہے۔ ورنہ ریاست عامہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔

غرض نبی امت پر شہید ہے۔ اور جانشین نبیؐ بھی اس طرح امت پر شہید ہے۔ اور امت نبیؐ میں نبی الجان بھی شامل ہیں۔ پس ضروری ہے کہ خلیفۂ رسولؐ ان پر شہید ہو۔ اور اُس کی قوت ان سے بڑھی ہوئی ہو۔ اور ایسا وجود جو جنوں بلکہ دیگر روحانیت سے قوی تر ہو اور اپنی روحانیت سے تمام عوالم کی سیر کر سکے۔ اور اس نورانیت کی روشن شعاعوں میں عالم کا مشاہدہ کر سکے۔ وہ سوائے نفس رسولؐ و نور محمدؐ کی، عترت و ذرّیت پیغمبریؐ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ پس یہی بعد رسولؐ کل جن وانس پر اور

کل عوالم پر حجت خدا ہیں۔

مشہور ہے کہ امام جن وانس علیؑ ابن طالب اور دیگر ائمہ جنوں کی بھی مشکلکشائی فرماتے تھے۔ایک روز جناب علی مرتضیٰ کوفہ میں منبر رسولؐ پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ عظیم الشان اژدہا مسجد میں داخل ہوا۔حضرت نے فرمایا کہ اس کو آنے دو۔اور راستہ دے دو۔لوگ ہٹ گئے۔وہ قریب منبر آیا اور تین مرتبہ سانس لیا۔حضرت سے کچھ عرض کیا اور حضرت سر اللہ فی العالمین نے جواب دیا اور وہ واپس چلا گیا۔لوگوں نے اس راز کی حقیقت پوچھی۔تو آپ نے فرمایا کہ یہ جن ہے۔انصار میں سے ایک شخص نے جس کا نام "جابر بن سبیع" ہے بلا کسی اذیت کے اس کے بچے کو مار ڈالا ہے۔یہ فریاد لے کر آیا تھا۔میں نے قاتل کے حق میں اس کے بچے کا خون اس سے بخشوالیا۔یہ سن کر ایک لمبے قد کا آدمی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ ہاں فلاں مقام پر میں نے ایک سانپ مار ڈالا اور جب سے اس کو مار ڈالا ہے ہر جگہ جہاں میں جاتا ہوں چیخ پکار کی آواز سے ٹھہر نہیں سکتا ہوں اور اس کو ایک ہفتہ ہو گیا۔اب میں جامع مسجد میں آکر ٹھہرا ہوں۔آپ نے فرمایا اسی مقام پر جا کر اپنا اونٹ ذبح کر دے۔پھر تجھ پر کوئی خوف نہیں ہے۔

یہاں علامہ کا ایک شعر یاد آتا ہے۔جس میں انہوں نے جناب علیؑ کی روحانی اور جسمانی طاقت کا مظاہرا پیش کیا۔پہلے مصرعہ میں اژدر کی تلمیح ہے۔جس کا واقعہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے شعر

ہزار خیبر و صد گونہ اژدر است ایں جا
نہ ہر کہ نان جویں خورد حیدری داند

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حوالی مکہ میں ایک نہایت زبردست اور طویل اژدہا آگیا۔اور اس نے تباہی مچا دی۔ایک لشکر نے اُسے مارنے کی کوشش کی۔مگر کامیاب نہ ہوا۔ایک دن وہ اژدہا مدینہ کی طرف چلا۔جب قریب پہنچا تو شہر مدینہ میں ہلچل مچ گئی۔لوگ گھروں کو چھوڑ کر باہر بھاگنے لگے۔اتفاقاً وہ اژدہا خانہ حضرت ابوطالبؑ میں داخل ہو گیا۔وہاں مولائے کائنات گہوارے میں فروکش تھے۔اور ان کی مادر گرامی کہیں باہر تشریف لے گئی تھیں۔جب وہ اژدہا گہوارے کے قریب پہنچا تو "یداللہ" نے اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر دو پارہ کر دیا۔رسولؐ خدا نے مسرت کا اظہار کیا۔عوام نے داد شجاعت دی۔ماں نے واپس آکر ماجرا دیکھا اور اپنے نور نظر کا نام حیدر رکھا۔ اس کا ذکر مرحب کے مقابلے میں خود علیؑ نے بھی فرمایا ہے

انا الذی سمتنی امی حیدرہ
ضرغام آجام و لیث قصورہ

علامہ کی یہ رباعی قابل ذکر ہے ۔

جمال عشق و مستی نے نوازی   جلال عشق مستی بے نیازی
کمال عشق و مستی ظرف حیدرؑ   زوال عشق و مستی حرف رازی

ذیل کا شعر بھی قابل ذکر ہے جس میں مسلمانوں کی قوت و بے بسی کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے علیؑ کی تعلیمات اور کردار و سیرت کو فراموش کیا ہے ۔

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرؑ کرار بھی ہے؟

شاہ مفتی علی ہارون وارثی اپنی کتاب (ارمغان فلاح ۱۹۹۱، ۸۹) میں لکھتے ہیں کہ:

''بعض انسانوں کے سلسلہ میں کسی مفکر کی یہ رائے بالکل سچ ہے کہ ان کے نام زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر رکھے جاتے ہیں۔ آسمان پر رکھے جانے والے نام یعنی مشیت ایزدی کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ تاریخوں سے اس بات کی سند ملتی ہے کہ ابوالصوفیا امام طہارت وکرامت مولائے کائنات کا نام ماں نے حیدرؑ رکھا تھا۔ مگر پیغمبر نے فرمایا کہ مجھے پیغام ملا ہے کہ بچے کا نام آسمان پر علی رکھا گیا ہے اور آسمان پر رکھے جانے والے نام نے وقت پیدائش ہی منشائے قدرت کا اعلان کر دیا کہ یہ بچہ ہر میدان میں علی ہوگا۔''

ایسے متعدد واقعات جناب امیرؑ کے متعلق ہیں جو زمانہ رسولؐ میں رونما ہوئے تھے انہی میں بیر العلم کی جنگ بھی ہے۔ اسی طرح کربلا میں روز عاشورا زعفر جنی کا نمودار ہونا بھی مشہور ہے۔

مقامات صبر: جس طرح پیغمبر یا امام کے لئے علم لدنی ضروری ہے۔ اسی طرح صبر کرنا بھی ضروری ہے۔ قرآن میں ہے کہ پیغمبر اور امام تابع حکم الٰہی ہیں۔ جس وقت مقابلہ وقتال پر مامور ہوتا ہے اس وقت اگر سارا عالم اس کے مقابلے پر آجائے تو خوف نہ کرے گا۔ ہرگز نہ بھاگے گا۔ اگر بھاگے تو نبی اور امام نہیں بلکہ گنہگار ہوگا۔ جس وقت مقابلہ وقتال پر مامور نہیں۔ اس وقت اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی حفاظت کرے یا اپنے کو چھپائے یا کوئی معجزہ ظاہر کر کے دشمن کو رد کرے اور دشمن کو ضرر پہنچائے۔ جیسا کہ بعض اوقات حضرت ختم مرتبتؐ سے ظاہر ہوا کہ دشمن قتل کے ارادے سے آیا ہے اور ہاتھ اٹھایا ہے تو ہاتھ خشک ہوگیا۔ مگر پیغمبر و امام ہر وقت آیات و معجزات ظاہر کرنے پر مامور نہیں۔ اگر آیہ استیصال ظاہر کرے کہ سب کے سب فنا ہو جائیں تو تبلیغ کس کو کرے

گا اور حجت خدا کس طرح تمام ہوگی۔ شدائد و ابتلات میں پیغمبر یا امام نے کبھی خوف نہیں کھایا اور بھاگے نہیں بلکہ اس کے دفع کے لئے دعا بھی نہیں کی۔ بعض انبیاء سے ایسا ظاہر ہوا ہے کہ انہوں نے رفع شدائد کے واسطے دعا کی۔ اس بارے میں حضرت ایوبؑ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ انہیں جب ناموس کا خیال آیا تو کہا اب یہ صدمہ مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا ہے۔ انبیاء اولوالعزم کا صبر غیر اولوالعزم سے بڑا ہوا ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت ختمی مرتبت کے لئے حکم ہوا کہ انبیاء اولوالعزم کا سا صبر کرو۔ سورۂ انبیاء میں ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اور ادریسؑ صابرین ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ اسماعیل صابر تھے کہ اپنے پدر بزرگوار کے استفسار کے جواب میں کہا کہ انشاء اللہ مجھے تم صابر پاؤ گے۔ ابراہیم کو یہ مژدہ سنایا گیا کہ وہ اسی لئے امام بنائے گئے کہ انہوں نے صبر کا مظاہرا کیا۔ سورۂ والعصر میں ہے کہ تمام انسان خسارے میں ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو وصیت بالصبر کرتے ہیں۔ ان آیات سے ثابت ہے کہ یہ صبر خاصۂ نبوت و امامت ہے اور امام کی شناخت صبر سے ہوتی ہے۔

جن آیات میں صبر کا ذکر آیا ہے ان میں لفظ "مِن" موجود ہے۔ یعنی "من الصابرین" ہے۔ اسی طرح جہاں کہیں "صالحین" کا ذکر ہے۔ وہاں بھی یہی حال ہے۔ یعنی "من الصالحین" اسی طرح "مسلمین" کا حال ہے۔ وہاں بھی "من المسلمین" ہے۔ حضرت نوحؑ کہتے ہیں و انا من المسلمین "یعنی میں مسلمین میں سے ہوں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صابر اول، و صالح اول کوئی اور موجود ہیں۔ کہ جن میں سے انبیاء علیہم السلام اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں۔ پس دیکھنا چاہئے کہ صابر اول و صالح اول و مسلم اول کون ہے

بعض کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم اول مسلم ہیں۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ حضرت نوحؑ ان سے پہلے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "انا من المسلمین" پس حضرت نوحؑ سے پہلے وہ مسلمین موجود ہیں۔ لہٰذا اول مسلمین حضرت ابراہیم نہیں بلکہ اول مسلمین وہ ہے جو فرماتا ہے "امرت لان اکون اول المسلمین۔ یعنی اول المسلمین سوائے ذات بابرکات حضرت رسالت مآبؐ اور کوئی نہیں ہے۔ وہ جناب فرماتے ہیں انا اول المسلمین۔ پس وہی اول صابرین و صالحین ہیں۔

صبر موافق مقدار علم ہوتا ہے۔ جس قدر جس کا علم وسیع ہوگا اسی قدر اس کا صبر وسیع ہوگا۔ غرض صبر مراحل علم سے ہے اور صابر مطلق خدا۔ ثبوت یہ ہے کہ فرعون اس کے مقابلے میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور خدا اس کو چار سو سال تک مہلت دیتا ہے۔ اور انتقام نہیں لیتا۔ اور مظہر اس صبر مطلق کا ذات مقدس محمدیؐ ہے۔ گوناگوں شدائد و مصائب پر قوم کے حق میں دعا کرتے تھے نہ کہ بد

دعا۔ جنگ احد میں آپ کے لب و دندان شہید ہوتے ہیں مگر شکایت نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کا علمی احاطہ نہایت وسیع ہے۔ غرض بے صبری نتیجۂ بے علمی ہے اور اس میں حسب مراتب علمیہ کمی و بیشی ہوتی ہے۔

ابراہیمؑ کا ذکر تو کیا ہی گیا ہے۔ انہوں نے بحکم خدا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ اور بیٹے (اسماعیل) کی محبت میں آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اسماعیل بھی پیغمبر تھے اور دونوں باپ بیٹے انجام سے واقف تھے اور علم احاطی رکھتے تھے۔

علیؑ نے جس صبر کا مظاہرا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ۲۳ سال تک خانہ نشینی اختیار کی۔ شدید مصائب میں گرفتار رہے۔ چونکہ باب العلم تھے اف تک نہیں کی اور لوگوں کی مشکل کشائی کرتے رہے۔ علمی احاطہ لامحدود تھا۔ جب دشمن نے بحالت سجدہ زہرآلود تیغ کا وار کیا تو فرمایا ''فزت برب الکعبہ'' قسم ہے رب کعبہ کی میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا ہوں۔ چونکہ سینہ علم اللدنی سے لبریز تھا اس لئے قاتل کی مشکیں کھلوا دیں اور شربت پلایا۔

جو صبر فرزند رسولؐ امام عالی مقام حسینؑ ابن ابی طالبؑ نے کیا وہ نہ تو کسی نبی سے ہو سکا اور نہ وصی نبی سے۔ وہ صبر مظہر محمدؐ کی ہے۔ اگر تمام پیغمبروں کے صبر جمع کر کے صبر حسینی سے موازنہ کیا جائے تو صبر حسینی بدرجہا راجح ہوگا۔ ابراہیمؑ اور جناب اسماعیلؑ سے استفسار کرتے ہیں کہ مجھکو خدا کا حکم اس طرح سے پہنچا ہے کہ میں تمہیں ذبح کروں۔ تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔ حسینؑ کے صبر کو دیکھئے کہ استفسار نہیں فرماتے اور کوئی مشورہ نہیں لیتے۔ بلکہ اول ہی فرماتے ہیں "یا نبی تقدم۔ جوان بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے اسلحہ باندھا۔ عمامہ سر پر رکھا۔ اور فرمایا میدان جنگ میں شہید ہونے کے لئے جاؤ۔ صبر محمدؐ کی کا ایسا کمال دکھایا کہ گھر لٹ گیا۔ تمام انصار و اقارب چند گھنٹوں کے اندر داغ مفارقت دے گئے۔ نماز عصر ادا کی۔ سر بسجود ہوئے ۔

نہ موسئے نہ ایسے نہ کثرۃ الناسے نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است

۱۱۔ یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (اسرائیل)

(ترجمہ) یوم قیامت ہر ایک شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیگے۔

آیت مذکور میں ضرورت امام پر زور دیا گیا ہے۔ اگر یہ شخص (امام) از جانب خدا ہے تو اس کی پیروی اور اقتدا کرنے والا جنت سے بہرہ ور ہوگا اور اگر از جانب خدا نہیں ہے بلکہ از طرف شیطان اور خود ساختہ امام ہے تو اس کو آتش جہنم میں ڈالے گا۔ آیت سے ثابت ہے کہ امام دو قسم کے

ہیں۔امام حق اور امام باطل۔امام باطل سے مراد وہ امام ہیں جو لوگوں کو آتش جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور بندگان خدا کو گمراہ کرتے ہیں۔دوسرے وہ امام ہیں جو اللہ کے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں اور ہمہ وقت تابع مشیت الٰہی رہتے ہیں۔اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے ہیں اور وہی راہ مستقیم دکھلانے والے اور اصل مقصد پر پہنچانے والے اور خدا سے ملانے والے ہیں۔ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے ان میں سے امام بنادئے ہیں جو ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ہم نے ان کو فعل خیرات اور اقامت الصلوٰۃ وایتاء زکوٰۃ کی وحی کی ہے اور وہ ہماری عبادت کرتے ہیں۔اس آیت کے تحت وحی شرط امامت ہے اور ہر فعل امام وقول امام تحت وحی الٰہی ہوتا ہے۔ان دونوں قسم کے اماموں میں فرق وامتیاز ضروری ہے کہ بہشت میں پہنچانے والا کون ہے اور دوزخ میں لے جانے والا کون ہے۔یہاں امام سے مراد امام جمعہ یا امام مفتی نہیں ہے بلکہ وہ امام جس کی اطاعت اللہ نے لازم قرار دی ہے۔قرآن پکارتا ہے کہ یوم حشر ہر شخص کو اپنے امام کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔حدیث رسول مسلمانوں میں باتفاق آرا موجود ہے کہ **من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیہ** (جس نے امام زمانہ کو نہیں پہچانا اور مرگیا وہ جاہلیت کی موت مشرک یا منافق مرا)۔بلا معرفت امام نہ توحید صحیح ہے نہ اعتقاد نبوت۔اسی وجہ سے ہر ایک شخص اپنا کوئی امام (پیشوا) رکھتا ہے اور اللہ اور رسولؐ کے بعد اولی الامر کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے۔اس کا اظہار متعدد احادیث میں بھی کیا گیا ہے۔حدیث الثقلین اور حدیث سفینہ ملاحظہ ہوں۔

علامہ اقبال امام حق اور امام زمانہ کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است ۔۔۔ بر عناصر حکمراں بودن خوش است
نائب حق ہمچو جان عالم است ۔۔۔ ہستی او ظل اسم اعظم است

از رموز جزو و کل آگہ بود
در جہاں قائم بامر اللہ بود

ذیل کے اشعار میں امام حق اور امام باطل (آخری شعر) کا فرق دکھاتے ہیں ۔

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے ۔۔۔ حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق ۔۔۔ جو تجھے حاضر و موجود سے بے زار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست ۔۔۔ زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے　　فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

یہ شعر بھی قابلِ ذکر ہے۔

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گذر، ایسے امام سے گزر

دنیا کو امام برحق کی تلاش ہے۔

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اُن کا شمار عالم اسلام کے برگذیدہ صوفیائے کرام میں ہوتا ہے۔ برصغیر میں ان کے لاکھوں معتقدین موجود ہیں جو ہر سال ان کے آستان عالیہ پر سر جھکاتے ہیں۔ موصوف آل رسولؐ کی مدحت سرائی میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ ذیل میں مزید کچھ قرآنی آیتیں درج کی جاتی ہیں جو جناب علی مرتضٰی کی شان اقدس میں نازل ہوئی ہیں۔ خواجہ صاحب نے فارسی میں ان کا منظوم ترجمہ کیا ہے

نعت می گویم بنام سید ہر دوسرا　　بعد ازاں دارم ہوائے مدحت شاہ ولا
آن شاہ بوترابؑ اسد اللہ بوالحسن　　عالی علیؑ ، ولی خداوند کبریا
جرأت مگر کہ بندہ بیاں می کند بہ نظم　　خرے ازاں صفات رواں بخش و جانفزا

ہم ترجمہ کلام خداوند ذوالجلال
ہم شرح از حدیث نبیؐ می کنم ادا

سورہ الحمد ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ......اَلۡمُسۡتَقِیۡمَ ۔

آن است مقتدا کہ بہ انعمت منعم است
ز انعام او خزانہ جہاں یافتہ عطا

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ۔

مغضوب ضالین کہ بود دشمن علیؑ
کایشان خلاف راہ بدند از رہ جفا

غَیرِ المَغضُوبِ عَلیہِم وَلَا الضالین

در یومنوں تکہ کن و بالغیب آں کہ ہست
در حق شاہ متقیاں کاشف الغطا

البقرہ ۳۔ ھدی المُتقین الذین یومنون با لغیب

آنہا کہ راستند دریں راہِ راستگار
بیشک و شبہ شیعۂ شاہ اند در جزا

البقرہ ۵۔ اُولٰئک علیٰ ھُدی...... ھم المُفلحُون

ذریت دعائے خلیل خدا نجواں
از لاینال عہد جوابش بکن ادا
تا گرددت یقین کہ امامت نہ لائق است
آں را کہ بُود بیشترین عمر در خطا

قَالَ ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین (البقرہ ۱۲۴)

مرضات حق کہ ہست؟ کہ بخشید سر بخصم
آن سرور یکہ ہست سر جملہ انبیاءؑ

البقرہ ۲۰۷۔ وَمِنَ الناس من یشرَیٰ...... مرضات اللہ

باللیل و النہار و اسراً علانیہ
مثلِ کہ کرد؟ بال خود اندر رہ خدا
آں شاہ شیر دل اسد اللہ کہ روز حرب
لا خوف بود وحزن نبودش گہہ وغا

البقرہ ۲۷۴۔ الّذین اَموالھُمَ...... ولا ھم یحزنُون

زاں راسخوں بجواں کہ بتاویل عالمند
تا آں کہ بود؟ جز اسداللہ مرتضیٰؑ

وما یعلم تاویلہ الا اللہ و الرسخون فی العِلم (ال عمران ۷)

الصابرین شنیدی و الصادقین نگر
در حق اوست ایں ہمہ آیات دل کشا

آل عمران ۱۷ ۔الصابرین و الصادقین و المنفقین۔۔۔۔۔ بالا سحار

عمران و آل او کہ خدا برگزیدہ شاں

ذریت علیؑ است کہ شاہند و پیشوا

آل عمران ۳۳ ،۳۴ ۔وَ آلِ عِمران علی العالمین۔۔۔۔۔ من بعض

بنگر بہ" قل تعالوا ابنائنا" بہ خواں

بنگر کہ کیست" انفسنا با نسائنا"

پیغمبر است و دختر و داماد و دو پسر

کایشاں بدند برہمہ خلق مقتدا

آل عمران ۶۱ ۔قل تعالوا ابنائنا و ابنائکم وَنِساء نا ۔۔۔۔۔ وانفسکم

در سورۂ نساء بہ اولی الامر درنگر

تا طاعتے کہ فرض شد؟ از رب ذوالعلا

النساء ۵۹ ..اطیعو الله و اطیعو الرسول و اولی الامرمنکم

اکملت دینکم بہ کہ شد دین حق تمام

از نعمت امامت آں شاہ اولیاء

المائدہ ۳ الیوم اکملت لکم دینکم ۔۔۔۔۔ علیکم نعمتی

گر انما و لیکم الله خواندۂ

فرصت بود ولائے ولی والی ولا

المائدہ ۵۵ ۔۔۔۔۔ انما ولیکم الله والذین ۔۔۔۔۔ وہم راکعون

بر خواں خطاب" بلغ یا ایہا الرّسول

تبلیغ راچنیں کہ چہ چیز است در ادا؟

المائدہ ۶۷ .یا اہاالرسول۔۔۔۔۔ رسالت والله یعیصک الناس

طوبیٰ "لہم وحسن مآب" از برائے کیست

آرے برائے شیعۂ حیدر بود بجا

الرعد ۲۹ ۔الذین آمنو و عملو الصالحات طوبیٰ لہم و حسن مآب

پیش کہ بود علم کتاب؟ از برائے کیست

فرقے کہ داشت افسر تشریف" قل کفا"

الرعد ۴۳۔قُل کَفا بِاللہِ شَھِید.....عِلمُ الکتاب

چوں روز حشر ہر کس امامے طلب کند

مارا بجز علیؑ ولی نیست مقتدا

بنی اسرائیل ۷۱۔یَوْمَ نَدعُو کُلَّ اناسٍ بِاِمامِھِمْ

گر بحر صبر گردد و اشجار ہا قلم

ہفت آسماں ورق شود جن و انس را

تا حشر معنی کلمات خدا ہنوز

از صد یکے نوشتہ نہ گردد بہ قرن ہا

دانی کہ چیست آں کلمات خدا بہ حق

وصف علیؑ است شاہ سلونی و انما

الکہف ۱۰۹۔قل لوکان البحر مداد الکلمات ربی لَنفِدَ البحر

در آیت "لیذھب" گر بنگری شود

معلوم پاکی ولی اللہ و اقربا

الاحزاب۔۳۳۔اِنَّما یُرِید اللہ لِیُذھِبَ عَنکُم الرِّجس الخ

الصادقین صدق اگر با خبر شوی

وزنور دیں شمع ولت رادہد ضیاء

صادق محمدؐ است و صدق علی بود

کایشاں بدند گوہر دریائے اہتداء

الزمر ۳۳۔وَالَّذِیْ جاء بالصدق بہ اولٰئکَ ھُمُ المُتقُون ۔

"قل" راتجواں ز"اسالکم" بہرہ مند شو

تا مزد اجرا رسالت را شناسی بہ مجتبیٰ

الشوریٰ ۲۳۔قُل اَسئلکم عَلَیہِ اَجراً.....فی القُربا

"تا ختم الرسول" ہمیں تا کہ صدقہ داد

آں شاہ ہر شجاعت و سلطان اتقیا

المجادلہ ۱۲۔ یا ایها الذین آمنو اِذانا جیتُم الرّسول الخ

آں صالحے کہ یاور و مولائے مصطفیٰ ست

غیر از علی کہ بود؟ اگر ہست و انما

التحریم ۴ ھُوَ اتوَلاہُ و جبریل صالح المومنین

"ابرار یشربون" اگر بشنوی زحق

ساقی کوثر آمد و اولاد او تھا

الدھر ۵ (ھل اتیٰ) اِنّ الابرارَ یَشرَبُون مِن کَاسٍ الخ

بر گو وفائے نذر کہ ابود؟ درصیام

قوتے سہ شب کہ داد یتیم و اسیر را

الدھر ۷۔ یُو فُونَ بالنّذرِ و یَخا فُون الخ

تالا جرم خدائے تعالیٰ جزائے آں

تشریف کردشاں بہ کرم خلعت رضا

الدھر ۱۲۔ وَجَزَاھم بما صَبرو و جنة حَریرا۔ الخ

داری خبر از آں "نباء" کاں "عظیم" بود

سرّ ولایت نبی اللہ شنود ما

النبا ۱۔ ۲، عم یتساءلون من النباء العظیم۔ الخ

خیر البریہ "شیعہ" شاہند روز حشر

کایشاں بوند خازن گنجینۂ صفا

البینہ ۷۔ اوُلٰئکَ ھُمْ خیرُ البرِیہ

کوثر ازاں کیست؟ چہ چیز است باز گو

آں بحر عصمت است ز درج اصطفا

الکوثر ۱۔ انّا اَعطَینٰکَ الکَوثَرَ

ربع کلام وصف امام است بے شکے

آں کس شک آورد کہ بود منکر خدا

جناب بختیار کاکی نے منظوم آیات قرآنی کے بعد متعدد احادیث رسول منظوم فرمائی ہیں۔ ذیل میں چند درج کی جاتی ہیں۔

بعضے بیان کنم از حدیث نبیؐ کنوں
کز وے رسد بہ آئینہ جان و دل صفا

۱ اول حدیث "لحمک لحمی" شنیدۂ	کش نفس خواند خویش چو ہارون اوصیا
۲. در حجۃ الوداع چہ گفتش نبیؐ بجمع	"من کنت" می دہد خبر از مولی و الا
۳. پیغمبراں دعا کہ فرو خواندہ فہم کن	تا حق از آں کیست؟ دے دیدہ برکشا
۴. بنگر حدیث "طیر" و دعا کردن رسول	کتراین مالک است روایت پچنیں ولا
۵. خورشید شرع دین نبیؐ بود بعد ازو	بدر سپہر فضل علی والی ولا
۶. ازوبہ ہدیۂ کہ فرستادہ ذوالفقار	جبرئیل در مدیح کہ آورد ولافتیٰ
۷ احباب کیست؟ "موسن" و "مرتاض" و "متقی"	اعدائے کیست؟ از کافرو از جمع اشقیاء
۸ حیدرؓ در مدینۂ علم رسولؐ بود	باب مدینہ داشت ازیں گونہ یا بہا
۹ نور محمدؐ و علی از اصل چوں یکے ست	کہ ہر دو جست ہمہ خلقند و پیشوا
۱۰ دانی؟ کہ طاعت پدر و مادر است فرض	بس در رہ نبیؐ و علی باش دائما
۱۱ خیر البشر محمدؐ حیدرؓ کہ بود بہ حق	کافر کسے کہ می کند ایں قول را ابا

اُردو کے مشہور ادیب، دانشور اور صحافی جناب محمد طفیل صاحب مرحوم نے ادارۂ نقوش لاہور سے "رسول نمبر" ۱۴ جلدوں میں ۱۹۸۴ میں شائع کئے۔ جلد نہم شمارہ ۱۳۰ (مطبوعہ جنوری ۱۹۸۴ء) میں "حضرت علیؓ اور رسولؐ خدا" کے زیر عنوان حضرت علیؓ کی شان میں بے شمار حدیثیں درج ہیں۔ ذیل کی حدیثیں اسی مضمون سے ماخوذ ہیں:

۱۔ علی دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں۔ ۲۔ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ میری طرف سے ادائے فرض یا تو میں کرسکتا ہوں یا علی۔ ۳۔ علی میرے لئے ایسے ہیں جیسے میرا سر میرے بدن کے لئے۔ ۴۔ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ ہر مومن کا ولی ہے۔ ۵۔ علی میرے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کریں گے اور میرے قرضوں کو ادا کریں گے۔ ۶۔ علی ابن ابی طالب کو مجھ سے ایسا رشتہ ہے جیسے میری روح کو میرے بدن سے ہے۔ ۷۔ علی مومنین کے سردار ہیں۔ ۸۔ علی باب حطہ جیسے ہیں جو شخص اس میں داخل ہوا وہ مومن اور جو اس سے باہر نکلا وہ کافر۔ ۹۔ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ۔ یہ ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں۔ ۱۰۔ علی تمام انسانوں میں افضل ترین ہیں۔ جس نے شک کیا وہ کافر ہوا۔ ۱۱۔ علی روز قیامت میرے حوض کے مالک ہوں گے۔ ۱۲۔ علی ہم سب میں بہترین فیصلہ کرنے والے

ہیں۔ ۱۳۔ علی کی شکایت نہ کرو کہ خدا کی قسم خدا کے بارے میں یا راہ خدا میں علی بہت سخت ہیں ۱۴۔ علی کی محبت آتش جہنم سے رہائی ہے۔ ۱۵۔ علی سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا ہے اور سب سے پہلے مجھ سے حوض پر قیامت کے روز مصافحہ کرے گا۔ ۱۶۔ میں حکمت کا گھر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں۔ ۱۷۔ جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ علی عمار اور سلمان ۱۸۔ اے خدا جو علی کی عزت کرے تو بھی اُسے عزت دے۔ ۱۹۔ تمہارے ناموں میں سزاوار تر نام ابوتراب ہے۔ ۲۰۔ میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ جو شخص مدینہ میں آنا چاہے وہ پہلے دروازے پر آئے۔ ۲۱۔ میرے بعد تمام امت میں سب سے بڑھ کر عالم علی ابن ابی طالب ہیں۔ ۲۲۔ تمام صحابہ میں بہتر فیصلہ کرنے والا علی ہیں۔ ۲۳۔ خداوندا۔ مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے اور ذلیل وخوار کر اُسے جو علی کی مدد سے گریز کرے۔ ۲۴۔ خداوندا! حق کو ادھر گردش دے جدھر علی گردش کریں۔ ۲۵۔ خداوند عالم نے ہر نبی کی ذریت اس کے صلب میں ودیعت کی ہے اور میری ذریت علی کے صلب میں قرار دی۔ ۲۶۔ علی حق کے ساتھ ہے۔ ۲۷۔ میں نبیوں کا خاتم اور علی وصیوں کے خاتم۔ ۲۸۔ میں اور علی بندگان خدا پر خدا کی حجت ہیں۔ ۲۹۔ میں اور علی ایک درخت سے ہیں۔ ۳۰۔ سب سے پہلے میرے ساتھ علی نے نماز پڑھی۔ ۳۱۔ اگر علی پیدا نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔ ۳۲۔ جس نے علی سے حسد کیا اس نے مجھ سے حسد کیا اور جس نے مجھ سے حسد کیا وہ کافر ہوا۔ ۳۵۔ اے علی اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد کے مومنین پہچانے نہ جاتے۔ ۳۵۔ رسولؐ نے مسجد نبوی کے اندر تمام لوگوں کے گھروں کے دروازوں کو بند کر دیا۔ مگر علی کا دروازہ مسجد کی طرف باقی رہا۔ ۳۶۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تمام اصحاب میں سب سے زیادہ بچا تلا فیصلہ کرنے والے علی ابن ابی طالب ہیں۔ یعنی میرے اصحاب میں سب سے بڑے عادل علی ہیں ۳۷۔ میرا ہاتھ اور علی کا ہاتھ عدل میں برابر ہیں۔ ۳۸۔ ہر نبی کے لئے ایک وصی اور وارث ہوا کرتا ہے اور علی میرے وصی اور میرے وارث ہیں۔ ۳۹۔ حضرت علی کو چار خصوصیتیں ایسی حاصل ہیں جو کسی کو نصیب نہیں ہوئیں۔ آپ اہل عرب اور اہل عجم دونوں میں پہلے وہ شخص ہیں جس نے پیغمبرؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ ہر جنگ میں علم لشکر آپ کے ہاتھ میں رہا اور اس موقعہ پر جبکہ سبھی پیغمبر کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ آپ ہی بس پیغمبر کے پاس موجود رہے اور آپ نے پیغمبرؐ کو غسل وکفن دیا اور قبر میں اتارا۔

کتب خانہ شبلی نعمانی (ندوہ) لکھنو میں حضرت علی پر متعدد کتابیں عربی، فارسی اور اُردو میں موجود ہیں۔ ایک فارسی کتاب جس کا نام "شخصیت علی علیہ السلام" شعبۂ سوانح میں موجود ہے۔ کتاب مؤلف نے مولانا ابوالحسنات علی میاں ندوی مرحوم کو ارسال کی تھی۔ مولانا مرحوم نے

اسے اپنے دستخط کے ساتھ کتب خانہ کے لئے مخصوص فرمائی ہے۔اس میں جو احادیث رسول جناب علی کی شان میں لکھی گئی ہیں ان کے ساتھ مستند حوالے موجود ہیں۔ہم ذیل میں من وعن چند احادیث نقل کرتے ہیں:

''حدیث تحت...... ''عبور از پل با جازۂ علی علیہ السلام'' صفحہ ۲۳'' در کتاب (صواعق محرقہ) تالیف ابن حجر ہیتمی شافعی متولد سال ۹۰۹ ہجری متوفی سال ۹۷۴ھ۔چاپ مصر بہ سال ۱۳۰۸ (صفحہ ۷۸) گفتہ کہ ابن سمان روایت نمودہ کہ ابو بکرؓ بہ وے (علیؑ) گفت:

''شنیدم رسول خدا می فرماید
ہیچ کس از صراط در نمی گذرد۔مگر آں کہ علی برائیش جواز بنویسد''

(۲) در کتاب صواعق محرکہ صفحہ ۱۰۸ آمدہ کہ گفتہ است:

''ابو بکرؓ۔زیاد بہ چہرۂ علیؑ نگاہ می کرد۔عائشہؓ سببش را پرسید۔ابو بکر گفت شنیدم رسول خداؐ می فرماید۔'' نگاہ بہ چہرۂ علیؑ عبادت است''

(۳) (مقایسہ علیؑ با پیغمبر) صواعق محرکہ صفحہ ۱۸

''از ابن عباس آوردہ کہ چوں ابو بکرؓ و علیؑ شش روز پس از وفات پیغمبرؐ برائے زیارت قبرش آمدند'' در ہنگام ورود بہ حجرہ ای کہ قبر شریف در آں بود'' (بعنوان تعارف) علی بہ ابو بکر گفت۔'' پیش رو'' ابو بکر گفت'' ہرگز پیشی نمی گیرم بر مردے کہ خودم در بارہ اش از پیامبر شنیدم می فرماید:

''علیؑ برائے من ہمشابہ من از برائے خداست''

یہ حدیث اس طرح بھی ہے۔

''علیؑ از من بمنزلہ پروردگارم ہست''

(۴) در کتاب'' مناقب خطیب'' موفق بن احمد خوارزمی در صفحہ ۹۷ بسندش خودش از شعبی است کہ گفت در حالے کہ ابو بکرؓ رو بروئے علی ابن ابی طالب بود بروئے نگریست و گفت:

''ہر کہ دوست دارد کہ بنگرد بہ نزدیک ترین مردم بر رسول خدا و بہترین مردم از نظر مرتبہ و تختی در راہ خدا پس بایں مرد بنگرد و اشارہ کرد بہ علی بن ابی طالبؑ زیرا من شنیدم از رسول خداؐ کہ می فرماید:

''او (علیؑ) ہر آئینہ نسبت بہ مردم مہربان و دوست نالان بردبار''

(۵) در مناقب خطیب موفق پسر احمد خوارزمی حنفی صفحہ ۲۰۶ بہ سند خودش از یونس پسر سلیمان تمیمی از پدرش از زید پسر یثیع آوردہ کہ شنیدم ابو بکری گوید، رسول خدا را دیدم خیمہ ای بر پا داشتہ و بر کمانی عربی تکیہ زدہ است و علیؑ و فاطمہ و حسن و حسین در خیمہ بودند۔پس رسول خدا فرمود:

"یا معشر المسلمین انا سلم لمن سالم اھل ھذہ الخیمہ و حرب لمن حار بھم و ولی لمن و الا ھم و عدو لمن عاداھم لا یحبھم الا سعید الجد طیب المولد و لا یبغضھم الا شقی الجد ردی المولد"

''اے گروہ مسلمانان! من درحال مسالمت وآشتی ہستم باہر کس کہ با اہل این خیمہ در آشتی باشد ودر حال جنگم کہ باہر کس کہ با ایشان را دوست نمی دارد۔ مگر کسے کہ در منتہاے خوش بختی باشد و زادگاہش پاکیزہ باشد وکینہ شان بہ دل نہ گیرد مگر کسے کہ در نہایت بدبختی باشد وزادگاہش تباہ باشد''

(۶) (ریاض النضرۃ ج ۲ ص ۱۲۳ زیر عنوان وذکر اختصاص نسبت بہ پیغمبرؐ بہ منزلہ ہارونؑ بہ موسیٰ'' ۔

حدیث منزلت را از جمعی صحابہ وتابعین ذکر کردہ است ودر عنوان دیگرے از عمر نقل می کند کہ چوں شنید مردے علیؑ را سب می کند (عمر بآں مرد) گفت تو را از منافقان می پندارم۔ زیرا از پیغمبرؐ شنیدم کہ بہ علیؑ می فرماید'' انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی''

(تو برائے من بمنزلۂ ہارون از موسیٰ ہستی جز اینکہ پس از من پیامبری نخواہد بود (ابن سمان ایں حدیث را اخراج نمودہ است)

(یہ حدیث مولانا کوثر ندوی صاحب نے اپنی کتاب'' مناقب اہلبیت'' صفحہ ۱۵۶ میں ''شان ومنزلت'' کے عنوان سے مسلم وترمذی کے حوالے سے اس طرح لکھی ہے:

''اے علیؑ تم کو میری طرف سے وہی منزلت حاصل ہے جو موسیٰ کی طرف سے ہارون کو حاصل تھی۔ البتہ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔

علامہ اقبال نے بھی اس حدیث کا اکثر ذکر اپنے کلام میں کیا ہے

(۷) ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۶۳ گفتہ است:

واز قول عمر پسر خطاب آمدہ است کہ شنیدم رسول خدا می فرماید!

''علیؑ دارای سہ خصلت است، ہر آئینہ دوست می داشتم کہ یکے از آنہا برائے من می بود۔ من وابوعبیدہ وابوبکر وجماعتی از یاران پیغمبر محضورش نشستہ بودیم۔ کہ دست بہ زانوئے علی زد و فرمود''

''یا علی انت اول المومنین ایمانا واول المسلمین اسلاما وانت بمنزلۃ ہارون موسیٰ''

تو علی نخستین کس ہستی از مومنان کہ ایمان آوردی ونخستین کس ہستی کہ اسلام آوردی وتو برایم بمنزلہ ہارون از موسیٰ ہستی'' محب الدین طبری شافعی (۵۸) نے بھی اس حدیث کی تائید حضرت عمر

سے کی ہے کوثر ممدوی کی کتاب "مناقب اہلبیت" میں ذیل کی حدیثیں بھی ترمذی، نسائی ابن ماجہ کے حوالوں سے درج ہیں۔

"اے علی تم سے وہی محبت رکھے گا جو مومن ہے اور تم سے وہی بغض رکھے گا جو منافق ہوگا"

ایک بار نبی حضورؐ کے پاس چڑیا کا گوشت آیا تو آپ نے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! تیری مخلوق میں جو سب سے بڑھکر تیرا محبوب ہے اسے بھیجدے کہ میرے ساتھ یہ گوشت کھائے۔ اس کے بعد حضرت علی آئے اور یہ گوشت تناول فرمایا" مولف کتاب نے اس حدیث کا حوالہ سنن ترمذی جلد۲ صفحہ ۲۱۳ سے نقل کیا ہے



حواشی

۱۔ تفسیر طبری عن انس جلد ۱۰ ص ۵۹، اسباب النزول واحدی ص ۱۸۲، قرطبی جلد ۸ ص ۹۱، رازی جلد ۴ صفحہ ۴۲۲، منقول از اہل بیت ص ۳۹

۲۔ واضح رہے کہ از روئے حدیث رسولؐ علی ازل ہی سے مسلمان اور مومن تھے۔ رسولؐ اور علی ایک ہی نور سے تھے۔



اقبال اور عشقِ اہلبیت رسالتؑ

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

دو مستقل مفہوم جب ایک ساتھ ذکر ہوتے ہیں تو ان کا مقصود دونوں کے درمیان مثبت اور منفی رابطوں کی تلاش ہوتی ہے۔ اقبال اور اہلبیتؑ بھی دو جدا جدا مفہوم ہیں۔ ان دونوں کے درمیان دوری اور قربت کی تاریخ کافی تفصیلی بحث ہے۔ کیونکہ اقبال پہلے عام مسلمانوں کی طرح اپنے نبی حضور اکرمؐ کی نظروں سے دور تھے۔ پھر ایکا ایکی قریب ہوئے تو فلسفۂ عقل و عشق کے علمبردار بنکے سامنے آ گئے پہلے ایسا کیوں تھا؟ اور پھر ایسا کیوں ہو گیا۔ یہ دونوں سوال بہت اہم ہیں اور ہر اس شخص پر ان سے روشناس ہونا ضروری ہے جو اقبال کے فلسفۂ عشق سے متاثر ہو۔ اس سلسلے میں ہم کو پہلے تاریخ اسلام میں مسلمانوں اور اہلبیت رسالتؐ کے روابط تلاش کرنا ہوں گے۔ تاکہ ایک محقق کو یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائے کہ اہلبیتؑ سے مسلمانوں کو ربط رکھنا کیوں واجب سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ بات بھی سمجھ میں آسکے گی کہ اقبال کا سمت سفر کیوں اور کیسے بدلا۔ چونکہ اقبال کے نزدیک تخلیق کائنات کا مرکز پرکار دراصل عشق ہے اور ان کے عقیدے میں۔

کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

گویہ عشق پہلے "اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ" سے عالم کیف میں آیا اور اصل مقصود باری بن کر رمز وجود سرّ موجودات بن گیا۔

صد جہاں مثل جہان جزو کل
روید از کشت خیال او چو گل

اس کے بعد تکوین کی تمام منزلیں عشق ہی کے ہاتھوں اقبال نے آراستہ کی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نغمۂ کن کا ارتعاش بھی عشق ہی کا رہین منت ہے اور پھر آخر حاصل عشق وصال "اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ" "حبیبِ اول محبوبِ کل" کی ذاتِ اقدس کو مدارِ خلق تسلیم کیا ہے اور مقصودِ حرف کن فیکان تسلیم کیا

مدعائے علم الاسما ستے | سرِ سبحان الذی اسرا ستے
ذات او توجیہ ذات عالم است | از جلال او نجات عالم است
جلوہ ہا خیزد ز نقش پائے او | صد کلیم آوارۂ سینائے او

ہستی مکنونِ او رازِ حیات
نغمۂ نشنیدۂ سازِ حیات

لہٰذا یہ بات بالکل صاف ہے کہ جب تک عشق کی گرمی سرگرم کائنات ہے وجود و شہود ظہور پذیر ہے۔ اقبال اسی عشق کے سہارے خدا سے چلے اور ان **کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله** کے ذریعہ حضور اکرم تک بڑی آسانی سے خوش خوش پہنچ گئے۔ پس معلوم ہوا کہ اب مرکز عشق و سرمایۂ عشق وہ ذات وحدہٗ لاشریک تھا جو بطفیل اتباعِ رسولؐ ہی ممکن تھا اسی عشق کی سرمستی کا اظہار کرتے ہوئے اقبال یوں نغمہ ریز ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ پیکر ما آفرید
و ز رسالت در تن ما جاں دمید

حرف بے صوت اندریں عالم بدیم | از رسالت مصرعِ موزوں شدیم
از رسالت در جہاں تکوین ما | از رسالت دین ما آئین ما
از رسالت صد ہزار ما یک است | جزو ما از جزو ما لاینفک است
آں کہ شانِ اوست یہدی من یرید | از رسالت حلقہ گرد ما کشید
قوت و قلب و جگر گردد نبیؐ | از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

دین فطرت از نبیؐ آموختیم
در رہ حق مشعلے آموختیم

اور پھر اس نتیجہ تک پہنچ ہی گئے کہ

ہر کہ پیماں با ہو الموجود بست | گردنش از بند ہر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است | عشق را ناممکن ما ممکن است

لیکن اس منزل پر پہنچنے کے بعد اقبال خود عقل کے دام میں گرفتار ہو گئے۔ عشق کا تقاضا تھا کہ اگر ھُوالموجود سے عہد و پیان باندھنا ہے تو بحکم قرآنی " فاتبعونی یُحببکم الله " رسولؐ اکرم کا اتباع ضروری ہے کیونکہ بغیر اتباع رسولؐ خود اللہ تعالیٰ سے عشق کا دعویٰ تو ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عشق کا جواب یُحببکُم الله کی صورت میں ناممکن ہے لیکن عقل جس کا سرمایہ بیم و شک ہے اتباع کے معنی میں الجھا رہی تھی کیونکہ۔

"عقل مکار است دوامے می زند"

چنانچہ عقل اقبال سے کہہ رہی تھی۔ "شاد شو آباد شو" اور عشق تقاضا کر رہا تھا "بندہ شو آزاد شو" اتباع رسول کر اور عشق کا مزہ لے۔

عشق را آرام جاں حریت است

ناقہ اش را ساربان حریت است

آخر کار عشق اور عقل کی معرکہ آرائی میں عشق نے اقبال کو سہارا دیا۔ اور وہ ان کو در اہلبیتؑ تک لے آیا۔ اسی عشق نے اقبال کو اللہ تعالیٰ کے عشق کا راستہ سمجھایا تھا اور یہ عشق ہی تھا جس نے موصوف کو رسول اللہ کا شیدائی بنایا تھا۔ یقیناً اسی عشق نے اقبال کو آواز دی ہوگی کہ اب جن سے خود حضور اکرمؐ کو عشق تھا ان کے در تک بھی چلو۔ علامہ در اہلبیتؑ پر پہنچے تو جلال و جمال الٰہی کے نقشے ہی کچھ اور نظر آنے لگے۔ یعنی یہ کہ آل رسولؐ ہی کی بدولت اسلام میں حضورؐ کا حقیقی جمال و کمال باقی ہے اور قرآن کی آیات باقی ہیں۔ حقیقی فرمودات و ارشادات ضائع ہونے سے محفوظ ہیں۔ نتیجہ میں آل رسول کی قربانیوں کے طفیل اسلام زندہ ہے۔ علامہ نے اس نکتہ کو بڑی اہمیت کے ساتھ جانچا اور پرکھا اور سمجھ گئے کہ واقعاً اگر اہلبیتؑ حفاظت اسلام کے لئے کمربستہ نہ ہو جاتے اور بیش بہا قربانیاں نہ دیتے تو حقیقی اسلام کا نام باقی نہ رہتا۔

علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست

اصل سنت جز محبت ہیچ نیست

با تو گویم سرّ اسلام است شرع

شرع آغاز است انجام است شرع

یہاں یہ راز کھل گیا کہ اقبالؔ کو آل رسولؐ سے مودت و محبت کیوں تھی۔ دراصل ان کی نظر میں ساری شریعت اہلبیت رسالتؐ کی قربانی کی وجہ سے کافی تھی اور باقی ہے۔

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا اللہ گردیدہ است

ظاہر ہے کہ جن اہلبیتؑ کی وجہ سے حقیقت ذات صمدیت باقی رہ گئی، حقیقت ذات محمدیت مسخ نہ ہو سکی۔ حقیقت قرآن مٹنے سے محفوظ ہو گئی۔ ان اہلبیت سے ایک سچا مسلم جتنی بھی محبت کرے کم اور ایک دشمن اسلام ان اہلبیت سے جس قدر دشمنی کرے کم ہے۔ کیونکہ انہی اہلبیت کی وجہ سے دشمنان اسلام کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی سازش تباہ ہو گئی۔ اور نتیجہ میں تمام خارجی طاقتیں تمام نفاقی قوتیں اور تنظیمیں مل کر اہلبیت رسالت کی دشمن ہو گئیں۔ ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ جب تک اہلبیت دنیا میں باقی رہیں گے اسلام پر آنچ نہیں آسکتی۔ جب تک اہلبیتؑ زندہ ہیں اسلام کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ لہذا انھوں کر اہلبیت کو ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا۔" اپنی تلواریں ان کے خلاف بلند کیں اور ظاہر بظاہر میدان میں چمکیں۔ مسلمان ان خارجی (صیہونی اور یہودی) طاقتوں کا احساس نہ کر سکے اور منافقین کے ساتھ وہ بھی اہلبیتؑ کے مقابلے پر میدان میں آ گئے۔ لیکن آخر وہ بھی سمجھ گئے کہ اس میں خارجی ہاتھ کام کر رہے ہیں اور ایک زبان ہو کر بول اٹھے کہ یہ لوگ خارجی ہیں۔ مسلمان نہیں ہیں۔ خارجیوں نے بھی **لا حکم الا اللہ** کا نعرہ بلند کر کے اس کا ثبوت فراہم کر دیا کہ یہ لوگ وہی ہیں جو **لا اللہ الا اللہ** کے قائل ہیں۔ مگر محمد الرسول اللہؐ کے قائل نہیں ہیں۔ یہ خوارج وہی خارجی طاقتیں تھیں جو بے نقاب ہو کر اہلبیتؑ کو ختم کر ڈالنے کا عزم کر چکی تھیں۔ ان کو مسلمانوں نے خارجی اور خوارج ان ہی معنی میں کہا تھا کہ یہ خارج کی نصرانی اور یہودی طاقت کے پروردہ اور سدھائے ہوئے ہیں۔ لیکن جب یہ راز افشا ہو گیا تو یہودی اور خوارج کے معنی بدل دیئے تاکہ مسلمان پھر مغالطہ میں گرفتار ہو کر خارجی خفیہ طاقت کی طرف سے بے خیال ہو جائیں۔ اس لئے وہ لوگ خوارج کے معنی حکومت کے خلاف خروج کرنے والے کا نام خارجی رکھ کر مسلمانوں کے ذہن کو اپنی طرف سے ہٹانے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ اور پھر نہروان سے کربلا اور کربلا سے آج تک خارجیوں کے حملے اہل بیتؑ پر کبھی بنام یزید کبھی بنام شمر اور کبھی بنام وہابی جاری ہیں اور حق تو یہ ہے کہ جب یزیدیت منش عناصر کے عقائد کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو یہ لوگ کبھی یزیدیت اور کبھی خارجیت بلکہ دونوں کے اکھٹا ورثہ دار نظر آتے ہیں۔ اہلبیتؑ کے نام ہی سے ان کو چڑ محسوس ہوتی ہے۔ صرف اور فقط اس لئے کہ اگر اہلبیتؑ نہ ہوتے تو ان کا اپنا من مانا قرآن اور احادیث کا انبار اور اپنا خود ساختہ اسلام ہوتا اور خود ہوتے۔

علامہ اقبال نے ان تمام گوشوں پر بڑی گہری نظر ڈالی اور اشاروں ہی اشاروں میں اپنے

خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا۔ آج سے سو سال قبل انہوں نے یکم مارچ ۱۹۰۳ کو انجمن حمایت اسلام لاہور کے اٹھارھویں اجلاس میں ایک چونکا دینے والی نظم فریادِ ملت کے عنوان سے سنائی۔ نظم بہت طویل اور بارہ بندوں پر مشتمل ہے۔ اس زمانے میں لوگ حد درجہ متعصب اور تنگ نظر تھے۔ اور ایک نئے پیغمبر کی تبلیغ کا پانی سر سے گذر رہا تھا۔ صیہونی طاقتیں امنڈ کر آئی تھیں۔ اقبال اس کا مشاہدہ بچشم خود خاموشی سے کر رہے تھا۔ آخر کب تک۔ آخر کار قید خامشی کی کڑیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور دل کے درد نہاں نے برملا کہنے پر مجبور کیا۔

دل میں جو کچھ ہے نہ لب پر اسے لاؤں کیوں کر
جو چھپانے کی نہ ہو بات چھپاؤں کیوں کر

یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگ کھلم کھلا صیہونی طاقت کے سہارے حضرت عیسیٰؑ پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علیؑ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔ ذیل میں نظم کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

واعظوں میں یہ تکبر کہ الٰہی توبہ — اپنی ہر بات کو آواز خدا کہتے ہیں
غیر بھی ہو تو اسے چاہئے اچھا کہنا — پر غضب ہے کہ یہ اپنوں کو برا کہتے ہیں
آہ جس بات سے ہو فتنۂ محشر پیدا — یہ وہ بندے ہیں اسے فتنہ ربا کہتے ہیں
جن کی دینداری میں ہو آرزوئے زر پنہاں — آکے دھوکے میں انہیں راہ نما کہتے ہیں
لاکھ اقوام کو دنیا میں اجاڑا اس نے — یہ تعصب کو مگر گھر کا دیا کہتے ہیں
خانہ جنگی کو سمجھتے ہیں بنائے ایماں — مرض الموت ہے جو اس کو دوا کہتے ہیں
یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علیؑ شیعوں کا — ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں
مقصد تحک تھی پہ کھلی ان کی زبان — یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں
تیرے پیاروں کا جو حال ہوا اے شافع محشر — میرے جیسے کو تو کیا جانے کیا کہتے ہیں

بغض للہ کے پردے میں عداوت ذاتی
دین کی آڑ میں کیا کرتے ہیں کیا کہتے ہیں

جب اقبال کی نظر میں وسعت اور خیالات میں تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پختگی اور استواری آگئی تو انہوں نے گویا پوری تاریخ صیہونیت و عیسائیت اور ان کی کارگزاری، ریشہ دوانی اور سازشی حملوں کو اپنے فلسفے میں سمو دیا۔ ان کا یہ شعر۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

پوری تاریخ اسلام اور روئداد اسلام ہے اور بقائے اسلام کے لئے فرزند رسول امام حسینؑ ۔

خاست آں سر جلوۂ خیر الامم	چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
برزمین کر بلا بارید و رفت	لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد	موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است	پس بنائے لاالہ گردیدہ است
مدعا یش سلطنت بودے اگر	خود نہ کردے باچنیں ساماں سفر
سر ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود	یعنی آں اجمال را تفصیل بود

تیغ بہر عزت دین است وبس
مقصد او حفظ آئین است و بس

یہ سب اس "چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت" کا ردعمل بلکہ حل ہے۔ اب کون ہے جو اقبال پر مداحی اہلبیت کا اعتراض کرے گا۔ اگر کرے گا تو وہ یزیدی اور خارجی یعنی وہابی ہوگا۔

لوگوں کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ اقبال فضائل اہلبیتؑ سے متاثر ہو کر محب اہلبیتؑ بن گئے۔ اس لئے کہ فضائل تو برابر سنتے چلے آ رہے تھے۔ مگر ابھی عشق سے محروم تھے۔ لوگوں کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ دنیاوی لالچ میں کسی منفعت کی اُمید میں مدحت اہلبیتؑ کی طرف مائل ہو گئے۔ کیونکہ خوشامدانہ مدح میں دراصل ایسا کچھ نہیں ہے۔ بلکہ اقبال اپنے فلسفۂ عشق میں خود گرفتار ہو کر اہلبیتؑ کے گرویدہ ہو گئے۔ تب ان کو آل رسولؐ کے فضائل میں حق اور حقیقت کے جلوے نظر آنے لگے۔ اقبال کے فلسفۂ عشق کے اعتبار سے کوئی بندہ اللہ کا عاشق ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ اللہ کو خود جس سے عشق ہے۔ اس سے عشق نہ رکھے۔ لہٰذا اقبال کے فلسفہ کی بنا پر اللہ کا سچا عاشق وہ ہے جو اللہ کے حضور اکرمؐ سے عشق رکھتا ہو۔ جن پیاروں سے رسول اللہؐ عشق رکھتے۔ جن کے لئے وہ نعم الجمل بن جاتے تھے۔ جو خود اقبال کی نظر میں

"امام عاشقاں پور بتولؑ" تھے

اور پھر فلسفۂ اقبال کی بنیاد پر حضور اکرمؐ کا سچا عاشق وہی ہو سکتا ہے جو حضورؐ کی اس چہیتی بیٹی سے والہانہ عقیدت رکھتا ہو۔ جس بیٹی سے رسولؐ خدا کو ایسا عشق تھا کہ جب جب بیٹی اپنے بابا پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں آتی تھی تو رسالت مآبؐ تعظیم کے لئے سراقد کھڑے ہو جاتے تھے۔ بیٹی کو گلے لگاتے تھے۔ پیشانی کا بوسہ دیتے تھے اور اپنی جگہ مسند پر بٹھلاتے تھے۔ لہٰذا علامہ اقبال کے فلسفۂ عشق کی رو سے وہ شخص حضورؐ کا جھوٹا عاشق ہے جو جناب فاطمۃ الزہراؑ خاتون جنتؑ اور حسنینؑ جوانان

جنت کو چھوڑ کر عشق رسول کا دعویٰ کرے۔ یعنی مرکز پرکار عشق اور کاروان سالار عشق کی محبت کے بغیر عشق کا دعویٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اور پھر جناب سیدہ یعنی "نور چشم رحمۃ العالمین" اور ان کے دونوں شہزادوں (حسنینؑ) سے عقیدت و عشق کا دعویٰ کرنے والا وہ شخص بھی بالکل جھوٹا ہے جو مولائے کائنات حضرت علیؑ ابن طالبؑ سے عشق نہ رکھتا ہو۔ دریں حالات علامہ اقبال خود کو سچا عاشق رسولؐ سمجھنے کے لئے مجبور تھے کہ وہ پہلے مولائے کائنات سے عشق و محبت کا اظہار کر کے حضورؐ کی بیٹی اور دونوں نواسوں کی خوشنودی حاصل کریں۔ اس کے بعد خود حضرت رسالت مآبؐ کی خوشنودی سے سرفراز ہو جائیں۔ بلکہ عشق رسولؐ کے صدقے میں عشق خدا کی واقعی چاشنی سے لطف اندوز ہو کر مراقبہ کر سکیں کہ اللہ و پنجتنؑ میں کون واقعتاً مرکز پرکار عشق ہے۔ یقین ہے کہ علامہ اقبال اپنے مراقبہ میں اسی نتیجہ پر پہنچے کہ خدا اور رسولؐ تک پہنچنے کا اصل وسیلہ اہلبیت رسالت یعنی علیؑ و فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام ہیں۔ ان کے بغیر نہ معرفت خدا حاصل ہو سکتی ہے اور نہ معرفت رسولؐ۔ چنانچہ علامہ کو اس کا اقرار کرنا پڑا ۔

مسلم اوّل شہ مرداں علیؑ عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ
از ولائے دودمانش زندہ ام از جہاں مثل گہر تابندہ ام
نرگسم وارفتۂ نظارہ ام در خیابانش چو بو آوارہ ام

زمزم ار جوشد ز خاک من ازوست
مے اگر ریزد ز تاک من از وست

خود علامہ اقبال کی نظر اس حدیث پر پہنچی ہوگی " **لا یومن عبدٌ حتّیٰ اَکُوْنَ احب اِلَیْہِ مِن نفسہٖ و تکون عِترتی احب الیہ من عِترتہ و تکون اھلی احب الیہ من اھلِہٖ** " (نہیں مومن ہو سکتا کوئی بندہ جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور میری عترت کو اپنی عترت سے زیادہ محبوب نہ رکھتا ہو) (مناقب امیر المومنین صفحہ ۷ تخلیص ابو عبد اللہ محمد ابن یوسف ابن محمد الگنجی شافعی)

علامہ جو اب تک حقیقت محمدیہ کو بشریت کی عینک سے دیکھ رہے تھے اب اہلبیت رسالتؐ کے صدقہ میں رموز اسرار رسالت تک پر نظر ڈالنے لگے۔ اب انہیں حضور اکرمؐ کے نقطۂ مصدریت کی تلاش تھی۔ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ موجود اول وجود اول سے کون سا ربط اور رشتہ رکھتا ہے۔ آیا رہیں کن ہے؟ یا معین کن؟ اور آخر کار در اہلبیتؑ پر یہ راز بھی حل ہو گیا اور بے ساختہ پکار اٹھے ۔

فطرتش معمور و می خواہد نمود
عالمے دیگر بیارد در وجود
صد جہاں مثل جہانِ جزو و کل
روید از کشتِ خیالِ او چو گل

لہذا جس در سے اس حکمت کی دنیا میں داخل ہوئے اس کو پکارے بغیر نہ رہ سکے۔ کبھی اپنی صبح کی مناجات میں فرماتے ہیں ۔

اے باب مدینۂ محبت — اے نوحِ سفینۂ محبت
اے ماحیِ نقشِ باطلِ من — اے فاتحِ خیبرِ دلِ من
اے سرِّ خطِ وجوب و امکاں — تفسیرِ تو سورہ ہائے قرآں
اے مذہبِ عشق را نمازے — اے سینۂ تو امینِ رازے
اے سرِّ نبوتِ محمدؐ — اے وصفِ تو مدحتِ محمدؐ
از ہوش شدم مگر بہ ہوشم — گوئی کہ نصیریؔ خموشم
دانم کہ ادب بہ ضبطِ راز است — در پردۂ خامشی نیاز است

اما چہ کنم کہ ے تولا
تند است بروں فتد ز مینا

اور کبھی کہتے تھے ۔

مرسلِ حق کرد نامش بوتراب — حق ید اللہ خواند در ام الکتاب
ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست
سرِّ اسمائے علیؑ داند کہ چیست

اقبال کا ایک شعر ہے ۔

اے کہ ہمنامِ خدا، باب دیار علم تو — امیِّ بودی و حکمت را نمایاں کردۂ

یعنی علی اور اعلیٰ (خدا) کا نام ایک ہی ہے۔ علی کو خدا نے تعلیم کیا اور وہ حکیم ہیں۔ اقبال کی مراد ہے کہ جو شخص قرآن کا پورا پورا عالم ہو وہ انسان سچا حکیم اور کل حقائق کا جاننے والا ہے اور جس میں کتاب حکمت کے حقائق کا علم گن گن کر ودیعت کیا گیا ہے وہ امام مبین ہے اور وہ امام مبین جو کتاب اللہ کا بتعلیم الٰہی بہ وراثتِ محمدیؐ عالم ہے اور جس میں یہ کل حقائق موجود ہیں وہ علی حکیم ہی ہے اور اس کے حکیم ہونے میں کوئی ذی عقل مسلمان شبہ نہیں کر سکتا۔ اس کی تصریح پروردگار عالم یوں

فرماتا ہے" وَ اِنَّہٗ فِی اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْم " (بے شک شان یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ام الکتاب میں علی حکیم ہے۔ یا ام الکتاب میں ہمارے نزدیک علی ہی حکیم ہے۔ حضرت صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے اور ان کے سوا کون عنداللہ حکیم ہو سکتا ہے۔ وہ علی ہے اور علی اعلیٰ سے مشتق ہے۔ وہ حکیم ہے کہ حکمت اللہ کا حقیقی عالم ہے اور کل حقائق بطور ملکات اس کے سینے میں اور کتاب حکمت اس کو عطا کی گئی ہے۔" فی صدو ر الذین اُو تو العلم " سے پڑھے ہوئے عالم علم لدنی علیؑ ہیں۔ پیغمبرؐ کا کام تعلیم کتاب و حکمت ہے۔ لہٰذا بعد پیغمبرؐ تعلیم کتاب حکمت دینے والا اور علم الٰہی پڑھانے والا علیؑ ہیں۔ علی کا سینہ علم لدنی اور الہامات الٰہیہ سے لبریز تھا۔ اور صاحب وحی و الہام و معلّم بہ تعلیم الٰہی ہی کل علوم پر احاطہ کر سکتا ہے۔ اقبال ایسے عالم و معلّم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است — بر عناصر حکمراں بودن خوش است
از رموز جز و کل آگہ بود — در جہاں قائم بامراللہ بود
پختہ سازد فطرت ہر خام را — از حرم بیروں کند اصنام را
نوع انسان را بشیر و ہم نذیر — ہم سپاہی ہم سپہگر ہم امیر
خشک سازد ہیبت او نیل را — می برد از مصر اسرائیل را
از قم او خیزد اندر گور تن — مردہ جانہا چوں صنوبر در چمن
ذاتِ او توجیہہ ذات عالم است — از جلال او نجات عالم است
باز در عالم بیار ایام صلح — جنگجویاں را بدہ پیغام صلح

از وجود تو سر افراز یم ما
پس بہ سوز ایں جہاں سوزیم ما

اقبال اور شارحین اقبالیات نے ذات علی مرتضیٰ کو ہی نائب الٰہی قرار دیا ہے۔ علی صاحب وحی اور اولی الامر منکم تھے۔ ان کی معرفت سے سلمان فارسی، ابوذر غفاری، جناب میثم اور عمار بن یاسر وغیرہ فیضیاب ہوئے تھے۔ یہ علیؑ ہی تھے جنہوں نے دوش رسولؐ پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا تھا۔ فلسفۂ اقبال میں علیؑ ہی انسان کامل تھے اور انسان کامل وہ ہے جو جامع جمیع مظاہر الٰہیہ مظہر اکمل و اتم ہو۔ اور وہ انسان کامل جو مظہر کامل ہے ہمارا نبیؐ اور اس کا وارث و نائب علیؑ ہے اور اس انسان کامل کو بعد پیغمبر تمام انسانوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

جز عشق حکایتے نہ دارم — پروائے ملامتے نہ دارم

از جلوۂ عام بے نیازم
سوزم ، گریم ، تپم گدازم

اقبال نے علی کی شان میں جو مناجات لکھی اور جس کو وہ عقیدہ کے طور پر روزانہ نماز فجر کے بعد مصلی پر ورد زبان کرتے تھے وہ پوری نظم علی کی محبت و مودت اور عشق علی کا واضح ثبوت ہے۔ بقول اقبال، علی اسوۂ محمدی کے آئینہ تھے جس میں محمد کی تصویر جھلکتی تھی۔ بے شک جس کو آنحضرتؐ سے معیت حاصل ہو وہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ پھر معیت بھی کیسی؟ تقدم خلقت میں معیت، نورانیت میں، روحانیت میں، جسمانیت، عالم ارواح میں، عصمت میں، علم وحکمت میں، عالم اجسام میں، دعوت حق میں، طہارت میں، شجاعت میں، ہدایت فطری میں، نزول ملائکہ میں، ولایت میں، محبت و مودت میں، صوم وصلوٰۃ میں، حرمت صدقات میں۔ ہر عالم میں رسول اللہ کے ساتھ رہے۔ بچپن سے رسول اللہ کی گود میں کھیلے، سفر وحضر میں رسول کی معیت میں رہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں اسوۂ حسنہ محمدی پائی جاتی تھی۔

چونکہ اس اسوۂ حسنہ کے لئے بھی استعداد و قابلیت کی ضرورت ہے۔ اور علی چونکہ عصمت و طہارت و نورانیت میں نبیؐ سے اتحاد رکھتے ہیں اس لئے جو قابلیت اسوۂ حسنہ کی ان میں ہے اور کسی میں نہیں اور جس کو اسوۂ حسنہ محمدی حاصل ہو وہی محبوب خدا و رسول ہے اور بعد رسول اللہؐ وہی مطاع ومقتدائے خلائق رسول اللہ کی جگہ خلیفہ مستخلف کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ علی وہ شخص ہیں جن کو محبوب خدا و رسول کی سند خدا اور رسولؐ کی طرف سے ملی ہوئی ہے۔

علی علم وشجاعت میں بعد محمد کل انسان میں افضل تھے۔ خود قدرت نے حکمت اللہ پڑھائی تھی۔ ماں کے پیٹ سے نہیں۔ جب سے نور خلق کیا علم عطا کر کے بھیجا۔ ہر ایک جنگ کو علی کے ہاتھ پر فتح کیا۔ اقبال کہتے ہیں ؎

پنجۂ حیدرؓ کہ خیبر گیر بود — قوت او از ہمیں شمشیر بود
عشق با نان جویں خیبر کشاد — عشق در اندام مہ چاکے نہاد
پیش او نہ آسماں نہ خیبر است — ضربت او از مقام حیدر است

ایک اور جگہ کہتے ہیں ؎

از خود آگاہی ، یداللہی کند
از یداللہی شہنشاہی کند

اللہ نے علی کو اپنی قدرت کا مظہر کامل بنا کر بھیجا تھا۔ کیا دنیا میں کوئی ہے جو علم وشجاعت

میں علی کا مقابلہ کر سکے۔ اور ملک شرعی و سیاست دینی کا مالک و مستحق بن سکے؟۔ دنیا علی کی تلوار کا لوہا مانے ہوئے ہے۔ کل علماء علی کے متبحر علمی کے مقر اور معترف ہیں۔ اور کل علوم اسلامیہ علی کی طرف منسوب ہیں۔ خلافت الٰہیہ کا دارومدار علم و شجاعت پر ہے۔ نہ مال و دولت پر۔ اس کے لئے مظہر خدا اور رسول کی ضرورت ہے۔ مظہر علم و قدرت کی ضرورت ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب علامہ ستمبر ۱۹۰۵ میں یورپ کے لئے سوار ہوئے تو انہوں نے خواجہ نظام الدین اولیا کی درگاہ میں حاضری دی۔ جب جولائی ۱۹۰۸ میں واپس آ گئے تو لاہور جانے سے قبل درگاہ میں دوبارہ حاضر ہوئے۔ یہاں ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ خواجہ صاحب کی زیارت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ خواجہ صاحب خود اپنے کو حضرت علی کا ادنیٰ غلام سمجھتے تھے۔ ان کا کلام میرے سامنے ہے۔ اس میں خواجہ صاحب کی ایک منقبت ہے۔ جس کے آخر میں یہ شعر ہیں ۔

نظام الدین حیا دارد کہ گویم بندۂ شاہم
ولیکن قنبر او را کمینہ یک گدا باشد

میان کعبہ و زمزم ہزاراں عمر بگذاری   گرت مہر علی نبود ہمہ عمرت خطا باشد

شفیع جنت و دوزخ امیر المومنین باشد
اگر خواہی کہ در محشر شفیعت مصطفیٰ باشد

خواجہ نظام الدین مقطع میں فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے آپ کو غلام شاہ ولایت کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ البتہ حضرت قنبر غلام خاص حضورؑ کے در اقدس کا ایک ادنیٰ گداگر ہوں۔ اور پھر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنی ساری عمر حرم کعبہ میں اور زمزم کے کنارے بھی گذاردو گے تو بھی تمہارا کوئی عمل کیا زہد، کیا تقویٰ کیا صوم کیا صلوٰۃ کیا زکوٰۃ، کیا زیارت اور کیا حج تمہیں مفید نہیں ہو سکتا، جب تک علی کی محبت تمہارے دلوں میں نہ ہو۔ یہ سب اعمال ضائع ہو نگے۔

ارشاد ربانی ہے کہ "قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (کہہ دو اے پیغمبر اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو، اس کی محبت کے قائل ہو۔ اس کے محب صادق ہو، تو میری پیروی کرو۔ خدا تمہیں محبوب کرے گا۔ وہ محبوب خدا ہو جائیگا۔ مفہوم آیت یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ پیغمبر ہمارا محب صادق ہے۔ اگر تم بھی محب ہو تو اس کے قدم بقدم چل کر دکھلاؤ۔ اور چونکہ محب خدا خدا کی مرضی کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کی رضا میں خوش ہوتا ہے اس لئے وہ محبوب خدا ہے۔ کیونکہ خدا اسی کو دوست رکھتا ہے۔ جو اس کی رضا میں راضی ہو۔ یقیناً اسوۂ حسنۂ محمدی کی محبوبیت خدا کی موجب ہے۔ جو آنحضرت کا مطیع، تابع، پیرو اور کل اعمال و اخلاق میں حضرت کے قدم بہ

قدم ہوگا وہی اول اسوۂ محمدیؐ کا مصداق ہوگا اور وہی بعد رسولؐ پیروی کا مستحق ہوگا۔ اور جس کی نسبت خدا اور رسولؐ کی سند وتصدیق ہو کہ وہ محبوب خدا ومحبوب رسولؐ خدا ہے تو وہ یقیناً رسول کا سچا پیرو، اسوۂ حسنہ محمدیؐ بدرجہ اکمل واتم رکھنے والا خدا اور رسول کا سچا محبّ بلکہ عاشق ثابت ہوگا۔ خدا نے اپنے محبوبوں کے چند اوصاف بیان کئے ہیں۔ ان اللہ یحب المقسطین خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ان اللہ یُحِبّ المُتقین۔ خدا متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔ و اللہ یحب الصابرین۔ خدا صابرین کو دوست رکھتا ہے۔ واللہ یُحب المُحسِنین اور خدا نکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔ وَاللہُ یُحِبُّ المُطَّھِّرُون۔ خدا مطہرین وپاک وپاکیزہ نفوس کو دوست رکھتا ہے اور جن میں اوصاف ذیل ہوں، ان کو دشمن رکھتا ہے۔

بے شک خدا حد سے گزرنے والوں، حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والوں، فخر وناز سے چلنے والوں، خائن اور گنہگاروں، مال دنیا پر خوش ہونے والوں اور اترانے والوں، مفسدین، ظالمین، متکبرین اور کافرین کو دوست نہیں رکھتا ہے۔ اللہ دین میں اسراف کرنے والوں اور گنہگاروں کو محبوب نہیں رکھتا" ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہٖ صفا کانھم بُنیان مّرصُوص (صف ۴)" (بے شک خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح جم کر لڑتے اور جہاد کرتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی آہنی دیوار ہیں۔

علی ابن ابی طالبؑ ان کل اوصاف سے متصف ہیں جو حب الٰہی کی شرائط ہیں۔ وہ متقی ہیں منصف وعادل ہیں، محسن ونکوکار ہیں، بلکہ معصوم برحق ہیں۔ مطہر وپاک وپاکیزہ ہیں اور ان کل اوصاف سے بری ہیں جو عدم حب الٰہی کا موجب ہیں۔ نہ وہ متکبر ہیں نہ وہ مفسد ہیں، نہ وہ دنیا پر اترانے والے ہیں نہ وہ مسرف وگنہگار ہیں نہ وہ ظالم وجبار ہیں نہ وہ خائن وآثم ہیں۔ خدا ان کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں جم کر لڑتے ہیں اور کبھی میدان سے قدم نہیں ہٹاتے ہیں یہ وہ صفت ہے کہ جس میں کوئی مومن کوئی صحابی علیؑ کے مقابل میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ وہ صرف علیؑ ہی ہیں جو کبھی کسی معرکے سے نہیں بھاگے۔ کوئی اس وصف میں ان کا شریک وسہیم نہیں ہے اور اسی وجہ سے جنگ خیبر کے موقعہ پر رسولؐ خدا نے اس کی تصدیق کی ہے کہ" میں کل علم اسلام ورایت دین اس کو عطا کروں گا جو کرار غیر فرار ہے۔ کبھی فرار نہیں کیا ہے اور اس صفت میں وہ منفرد ہیں۔ اگر کوئی دوسرا بھی اس صفت میں ان کا شریک ہوتا تو یہ وصف ان کی تمیز کا موجب نہ ہوتا۔ حدیث رسولؐ سے واضح اور ثابت ہے کہ علیؑ ہی کرار غیر فرار ہیں اور وہی محبوب خدا اور محبوب رسولؐ ہیں اور حدیث کا فقرہ اسی طرح موجود ہے کہ وہ ایسا کرار غیر فرار ہے کہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ اس کو

دوست رکھتے ہیں۔ وہ اس وقت تک اب قلعہ خیبر سے نہ مڑے گا، جب تک کہ خدا اس کے ہاتھ پر فتح نہ دیگا۔ یہ ایک نہایت زبردست سند ہے علیؑ کے محبوب خدا اور رسولؐ ہونے کی۔ اور یہی سند ہے آپ کے اسوۂ حسنہ محمدیؐ میں کامل واکمل ہونے کی اور یہی سند ہے علیؑ کو نبیؐ کے ساتھ معیت تامہ حاصل ہونے کی۔ کیونکہ اسوۂ حسنہ کے معنی سوائے معیت تامہ کے اور کچھ نہیں ہیں اور ان لوگوں کے اوصاف جو نبیؐ کے ساتھ ساتھ قدم بقدم چلنے والے اور اس کی تام وکامل معیت میں ہوں۔ یہ ہیں "محمد رسول الله...... اجرا عظیماً (سورۂ الفتح ۲۹) (محمد رسول خدا ہیں۔ اور وہ لوگ جو ان کی معیت میں ہیں۔ وہ کفار پر بڑے سخت ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی ہی چاہتے رہتے ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر سجدہ کا نشان ہے۔ یہی ان کی مثال ہے۔ توریت میں بھی اور انجیل میں بھی۔ وہ سرسبز کھیتی کی مانند ہیں، جس کی سوئی نکلی اور مضبوط ہو کر اپنی ساق پر کھڑی ہوگئی تا کہ کفار ان سے رنجیدہ ہوں اور دیکھ کر جلیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں میں سے ان لوگوں سے جنہوں نے اعمال نیک کئے ہیں۔ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے) اس آیت میں ان لوگوں کے جو رسول کی مَعیت میں ہیں۔ چار وصف بیان کئے ہیں۔ اول وہ کفار پر سخت ہوتے ہیں۔ دوم آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں۔ تیسرے وہ نہایت درجہ عبادت گذار کہ جب تم انہیں دیکھو تو راکع وساجد ہی پاؤ گے۔ ان کی پیشانیوں پر سجدہ کا نشان ہوگا۔ چوتھے یہ کہ وہ ہمیشہ فضل خداوندی اور اس کی خوشنودی کے طالب رہتے ہیں اور سرسبز کھیتی کی طرح کفار کے حسد کے موجب ہوتے ہیں۔ اور اللہ نے مومنین صالحین کے لئے اجر کا وعدہ کیا ہی ہے۔ بے شک ایسے نفوس ہی خاص اجر الٰہی کے مستحق ہیں۔ حضرت علیؑ ان چار وصفوں میں کامل اترتے ہیں۔ کفار پر ان کی سختی وشدت نمایاں ہے اور کافروں کا کوئی گھر نہیں تھا جس میں علیؑ کی تلوار نے ماتم برپا نہ کیا ہو۔ اسی وجہ سے اکثر کینہ ور عرب اسلام سے منسوب ہونے کے بعد بھی علیؑ سے بغض وحسد اور کینہ رکھتے تھے۔ اور اولاد علیؑ کے دشمن تھے۔ علیؑ مومنین کے ساتھ نہایت درجہ مہربان تھے۔ راتوں کو طعام پشت پر رکھ رکھکر غریبوں اور مسکینوں کو پہنچاتے تھے۔ آپ پیاسے رہتے تھے۔ دوسروں کو پلاتے تھے۔ آپ نہیں پہنتے تھے، دوسروں کو پہناتے تھے۔ ایک شب میں دو دو ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ ہر دم خوشنودی خدا کے طالب رہتے تھے اور اس کی رضا کے لئے جان تک بھی عزیز نہ رکھتے تھے۔ غرض یہ اوصاف علیؑ میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔

یہ تھی شان، اقبال کے انسان کامل، مرد مومن، باب العلم، جناب علی ابن طالب کی۔ اقبال لکھتے ہیں

شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد ایں گل تاریک را اکسیر کرد

مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است — بوتراب از فتح اقلیم تن است
زیر پاش اینجا شکوہ خیبر است — دست او آنجا قسیم کوثر است

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب

یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔ جو مرد کامل کے تناظر میں ہیں۔

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز — اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا مقام بلند اس کا خیال عظیم — اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز
ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفریں کارکشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل — اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو — رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

نقطۂ پرکار حق مرد خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے — وہ کیا تھا زور حیدرؓ فقر بوذرؓ صدق سلمانیؓ

ولایت، پادشاہی علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن — گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایۂ جبریل امیں بندۂ خاکی — ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے — دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم — دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن

علیؑ کی شجاعت

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر   حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے   اُسے بازوئے حیدرؑ بھی عطا کر

ایک اور جگہ اقبال کہتے ہیں ۔

مرسلِ حق کرد نامش بوترابؑ
حق یداللہ خواند در ام الکتاب

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ علی مرتضیٰ کی شانِ اقدس میں قرآن مجید میں بے شمار آیتیں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ رسول کی کثیر التعداد حدیثیں بھی محفوظ ہیں۔ یہ ایسے عظیم الشان فضائل ہیں کہ امام شافعی کو کہنا پڑا کہ علی تو وہ ہیں جن کی خدائی میں شبہ ہو رہا ہے۔ نصیری علی کو خدا تو کہتے ہی تھے۔ اس شبہ نے علامہ اقبال کو بھی وسوسے میں ڈال دیا تھا۔ کہتے ہیں ۔

از ہوش شدم مگر بہ ہوشم
گوئی کہ نصیری خموشم

جب بھی علی، کسی بڑے معرکے کو سر کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو مرضی الٰہی اور رسولِ اکرمؐ کی دعائیں ہمیشہ ان کے شاملِ حال رہتی تھیں۔ علی مظہرِ اکمل تھے۔ انسانی کمال یہ ہے کہ وہ خدا سے قریب تر ہو۔ اور جو خدا سے قریب تر ہوگا۔ اسی قدر اس میں انعکاس انوارِ جلال و جمال الٰہی زیادہ ہوگا۔ اسی قدر اس میں تجلیاتِ صفاتِ جلالیہ و جمالیہ ہوں گی۔ علیؑ چونکہ منتہائے کمال اور انتہائی قرب پر بعد رسول اللہ پہنچے ہوئے ہیں۔ اس قدر تشابہ ہو گیا ہے کہ لوگ خدائی کا شبہ کر بیٹھے اور بعض نے اپنی جہالت سے خدا مان لیا۔ حدیث قدسی میں ہے کہ بندہ برابر نوافل کی مواظبت سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں کہ وہ اس سے سنتا ہے۔ میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں کہ وہ اس سے دیکھتا ہے۔ میں ہی اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں کہ اس سے حملہ کرتا ہے۔ میں اس کا پیر بن جاتا ہوں کہ وہ اس سے چلتا ہے۔ یہ محض عبادت کاملہ کا اثر ہے۔

جو شخص خلقت و عبادت و کرامت و شرافت میں سب سے مقدم ہو۔ وہ کیا ہوگا؟ پھر علی کے عین اللہ، اذن اللہ، ید اللہ ہونے میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے؟ شافعی نے کوئی نادر بات نہیں کہی۔ فضیلت کا اظہار کیا۔ اقبال بھی علی کی شان میں رطب اللسان رہے۔ بے شک علی ید اللہ تھے۔ وجہ اللہ تھے

اور لسان اللہ تھے۔ خود رسول اللہ نے حدیث خیبر میں تصدیق فرمائی ہے کہ علی دست خدا ہے۔ کیونکہ آخری فقرے میں حضرت نے فرمایا ہے کہ "وہ کرار غیر فرار اس وقت تک واپس نہ ہوگا، جب تک کہ خدا اس کے ہاتھ پر قلعہ کو فتح نہ کرے گا۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس وقت تک واپس نہ ہوگا جب تک وہ فتح نہ کرے گا۔ مطلب صاف ہے کہ فتح خدا کرے گا۔ فتح خدائی ہوگی۔ ہاتھ پر علی کے ہوگی اور جو فتح علی کے ہاتھ پر ہوگی، وہ خدا کی طرف منسوب اور خدائی فتح کہلائے گی۔ پس علی دستِ خدا ہے۔ خدا اپنے ہاتھ سے فتح کرتا ہے۔ یقیناً علی مثل رسولؐ، فوق مخلوق و تحت خالق ہے۔ اس کا مقابلہ کس سے کیا جائے۔ صرف علی ہی نہیں بلکہ کل ائمہ طاہرین وجہ اللہ اسی شان کے ہیں۔ شیخ سعدی کہتے ہیں ؎

ما علی را خدا نمی دانیم
و ز خدا ہم جدا نمی دانیم

میر بھی یہی کہتے ہیں ؎

ہم علی کو خدا نہیں مانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

غزوات: پیغمبر اسلام کو مشرکین قریش اور یہودیوں کے ساتھ جو لڑائیاں (غزوات) لڑنی پڑیں۔ ان کی تعداد ۲٦ ہیں۔ ان میں بدر، احد، خندق، خیبر اور حنین بہت مشہور ہیں۔ یہ سب لڑائیاں علی کے ہاتھ فتح ہوئیں۔ ان کی تلمیحات کلام اقبال میں موجود ہیں۔

میرے سامنے مولانا عزیز الحق کوثر ندوی صاحب کی کتاب موجود ہے۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ شبلی نعمانی (ندوہ) لکھنو میں زیر نمبر ۱۰۹۷۰۸/۵۰۸۳ موجود ہے۔ کتاب نایاب ہو چکی ہے۔ اس لئے مذکورہ کتب خانے سے میں نے اس کا عکس حاصل کیا ہے۔ کتاب میں غزوات علی کی تفصیلات نایاب حوالوں کے ساتھ درج کی گئی ہیں۔ ذیل میں ان غزوات کا خلاصہ مولف کتاب کے الفاظ میں اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ کلام اقبال میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

"غزوہ بدر میں شیر خدا کا کارنامہ"

"وحی الٰہی کے مطابق حضور اکرمؐ تین سو تیرہ جانبازوں کو لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اسلامی جھنڈا شیر خدا کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے نہایت حسن و خوبی سے اس کام کو انجام دیا۔ سترہویں رمضان المبارک ۲ھ کو میدان بدر میں کفر و اسلام کی پہلی جنگ ہوئی۔ لشکر قریش کا سپہ سالار عتبہ (جو امیر معاویہ کا نانا تھا) اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں اترا اور

مبارز طلبی کی۔ حضور نے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث کو مقابلے پر بھیجا۔ ولید شیر خدا پر حملہ آور ہوا۔ مگر شمشیر حیدری نے واصل جہنم کیا۔ شیبہ نے حضرت عبیدہ پر حملہ کیا اور زخمی کر دیا۔ لیکن شیر خدا نے جھپٹ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ شیر خدا نے صفوں کی صفیں الٹ دیں۔ شمشیر حیدری اس شان سے چلتی تھی کہ اعدائے دین آن واحد میں منتشر ہو جاتے۔ جدھر اللہ کے شیر نے جھپٹ کر حملہ کر دیا ادھر مطلع صاف۔ کسی میں دم نہ تھا کہ سامنے آتا۔ آپ اس سرے سے لے کر آخری صف تک چیرتے اور حملہ کرتے نکل جاتے۔ پھر وہاں سے باندازِ حیدری حضورؐ کی خدمت میں نگرانی کے لئے پہنچ جاتے۔ حضورؐ کی حفاظت کی خدمت انجام دے کر پھر اعدائے دین پر حملہ کرتے۔ یہ دونوں کام انجام دینا (حفاظت رسولؐ کی نگرانی بھی اور فوج کفار پر حملہ بھی) حضرت علیؑ کا بڑا ہی اہم کارنامہ ہے۔ جسے ابن سعد اور امام بیہقی نے بھی (خصائص کبریٰ سیوطی جلد ا صفحہ ۲۰۰) غزوہ بدر میں شیر خدا کے عظیم ترین فاتحانہ کارنامہ کی بنا پر ان کو فتوحات اسلامیہ کا فاتح الباب کہنا تاریخ اسلام کی ایک اہم حقیقت ہے۔ اس غزوہ میں آپ کے ساتھ تحفظ الٰہی کا یہ اہتمام تھا کہ حضرت جبرئیل آپ کے ساتھ تھے اور غزوات میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ اس قسم کا ملکوتی معاملہ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ آپ کی شہادت کے بعد سیدنا امام حسن علیہ اسلام نے جو تاریخی خطبہ دیا ہے اس میں صراحت فرمائی ہے:

''لوگو! کل ان کا ارتحال ہوا ہے۔ جن سے اگلے لوگ نہ بڑھ سکے۔ اور پچھلے لوگ ان کے مقام تک نہ پہنچ سکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب ان کو کسی مہم کے لئے روانہ فرماتے تو انہیں کو جھنڈا دیتے۔ پھر وہ بلا فتح کئے واپس نہ لوٹتے۔ جبرئیل ان کے داہنے جانب ہوتے اور میکائیل بائیں جانب'' (کنزل العمال جلد ۶ صفحہ ۳۶۲)

غزوہ بدر کے حیدری کارنامہ سے حضرت علیؑ کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور مشرکین مکہ کے دلوں میں ایسا رعب جم گیا کہ شاعران قریش آپ کے قتل کرنے کی پر جوش تحریک کرنے لگے۔ اور اس سلسلے میں نہایت پر جوش اور حمیت آفرین شعر کہے۔ اسید بن ایاس کے اشعار اسد الغابہ وغیرہ میں درج ہیں۔ جن میں وہ قریش کے بہادروں اور نوجوانوں کو قومی عار دلاتا ہے اور جوش ابھارتا ہے۔ چند اشعار کا مفہوم یہ ہے:

''فاطمہ بنت اسد کے بیٹے نے تم لوگوں کو حد درجہ ذلت دی ہے۔ حالانکہ وہ ابھی نو خیز ہے۔ اس نے تمہاری قوم کو فنا کر دیا۔ اس نے کس طرح تم کو قتل کیا ہے۔ تم لوگ اس کے وار سے بچ بچ کر بھاگتے تھے۔ یہ تم نے کیسی ذلیل حرکت کی ہے۔ تمہارے وہ اساطین قوم جن سے مشکلیں حل

ہوتی تھیں اوران سے وادی بطحا کی زینت تھی ۔ ان لوگوں کو اس نے فنا کر دیا ۔ اس کی تلوار کی دھار نے کسی کو معاف نہیں کیا"

غرضیکہ اس جنگ میں علیؑ کے ہاتھوں چھتیس کفاران قریش موت کے گھاٹ اتارے گئے ۔ اور ستر گرفتار ہوئے تھے ۔

جنگ احد اور علیؑ: ۳ ہجری یکم شوال کو لشکر اسلام مشرکین کے حملہ اوران کی تیاری کی خبر سن کر کوہ احد کے قریب پہنچ گیا ۔ لشکر اسلام کے تین علم تھے ۔ ایک علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا گیا ۔ ایک سعد بن عبادہ کو ملا ۔ تیسرا حباب بن منذر کو ۔ طلحہ ابن ابی طلحہ کفار کے لشکر کا علمدار تھا ۔ ابوسفیان سردار کفار پورا مسلح اور لشکر کثیر جمع کر کے آیا ہے ۔ اسلامی لشکر صرف ایک ہزار نفوس پر مشتمل تھا ۔ جنگ شروع ہوئی ۔ دشمن کے لوگ قتل ہوئے ۔ مسلمان مال غنیم پر ٹوٹ پڑے ۔ خالد بن ولید نے پیچھے سے حملہ کر دیا ۔ مسلمانوں کے حواس باختہ ہو گئے ۔ اور بھاگنا شروع کر دیا ۔ قرآن میں ہے اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ...... اُخْرٰىكُمْ (آل عمران ۱۵۳ آیت ۔ ترجمہ یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم بھاگے ہوئے پہاڑیوں پر چڑھے جاتے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھتے تھے ۔ حالانکہ رسولؐ تمہیں پکار رہا تھا") آخر علیؑ اور ابودجانہ باقی رہ گئے ۔ رسولؐ مقبول بنفس نفیس جنگ میں مصروف تھے ۔ زخمی ہو چکے تھے ۔ دندان مبارک پر ضرب لگی ۔ خون جاری ہوا ۔ ابودجانہ انصاری بھی جان توڑ کر لڑے اور خوب داد شجاعت دی مگر زخموں سے چور ہو کر آخر گر پڑے ۔ علیؑ نے ان کو اٹھا کر رسولؐ کے پاس ڈال دیا ۔ میدان میں خون برس رہا تھا ۔ رسولؐ کو کفار چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے ۔ کفار خوش تھے کہ آج اسلام اور رسولؐ اسلام کا خاتمہ کر کے چھوڑیں گے ۔ ان کی آنکھ میں کھٹکنے والا صرف ایک ہی کا نٹا رہ گیا تھا ۔ علیؑ مگر علیؑ سے پہلے وہ پیغمبرؐ اسلام کا خاتمہ چاہتے تھے اور یہی ان کی غلط فہمی تھی ۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ علیؑ کی زندگی میں وہ رسولؐ پر فتحیاب ہو سکیں ۔ عجیب رن پڑ رہا تھا ۔ علیؑ ہر طرف فوج کو ڈھکیلتے اور مارتے چلے جاتے تھے ۔ ہر طرف حملہ کرتے تھے ۔ مگر رسولؐ تنہا تھے ۔ واپس آتے اور رسولؐ کو دیکھ جاتے ۔ رسولؐ نے سوال کیا ۔ "اے علیؑ! تم کیوں نہیں بھاگے؟ فرمایا" لاکُفْرَ بَعْدَ الْاِیمان (ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاؤں) مجھے آپ سے اقتداء ہے نہ ان لوگوں سے ۔ اسی موقعہ پر حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹی تھی ۔ اور اللہ کی طرف سے ذوالفقار عطا کی گئی تھی (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ و تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵۸) ۔ ایک روایت کے مطابق نادعلی کا نزول بھی اسی جنگ میں ہوا تھا "لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار" پس جوان مرد علیؑ ہی ہے ۔ اسی جنگ میں لب قدرت سے صدا آئی ۔ دیکھو! بھائی (علیؑ) بھائی (رسولؐ) کے ساتھ کیسی

غمخواری کر رہا ہے۔ جبرئیل آتے ہیں اور کہتے ہیں "ھٰذہِ الْمُوَسَا" بے شک ہمدردی و غم خواری اسی کا نام ہے۔ رسولؐ فرماتے ہیں۔ کیوں نہ ہو "اِنَّہٗ مِنِّی وَ اَنَا مِنْہُ" وہ مجھ سے ہے۔ میں اس سے ہوں۔ ایک نور، ایک خون، ایک گوشت ایک پوست۔ جبرئیل عرض کرتے ہیں "وَ اَنَا مِنْکُمَا" میں تم دونوں سے ہوں۔ اس جنگ میں ذوالفقار علیؑ نے خوب جوہر دکھائے تھے۔ اسی جنگ میں حضرت امیر حمزہؓ شہید ہو گئے تھے۔ ہندہ معاویہ کی ماں نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجا نکالا اور چبا ڈالا۔ جنگ احد میں رسولؐ نے انتہائی صبر کا مظاہرہ کیا اور علیؑ نے ثابت قدمی سے رسولؐ کی حفاظت کی تھی۔ اقبال کہتے ہیں ؎

قوت دین مُبیں فرمودہ اش
کائنات آئیں پذیر از دودہ اش

جنگ خندق اور حضرت علیؑ

اسے جنگ احزاب بھی کہتے ہیں اور اس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ بلکہ پورے سورے کا نام احزاب ہے۔ رسولؐ مقبول نے حضرتؓ سلمان فارسی کے مشورہ سے خندق کھدوائی۔ خندق تیار ہوئی تو کفار کی فوج ابوسفیان کی کمان میں دس ہزار کے نفوس پر مشتمل صف آرا ہوئی۔ اتنا بڑا لشکر دیکھ کر مسلمانوں پر سناٹا چھا گیا اور وہ دشمن کے مقابلے میں خوفزدہ ہو گئے۔ یہ سلسلہ ۲۰ روز تک جاری رہا۔ ایک دن عرب کا سب سے بڑا قوی ہیکل جو ایک ہزار پہلوانوں کے برابر تھا نمودار ہوا اور پیغمبرؐ خدا کو للکارنے لگا۔ یہ عمر بن عبدود تھا۔ اس نے رسولؐ سے کہا کہ ہے کوئی جو مجھ سے نبرد آزما ہو جائے۔ علیؑ مقابلے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ رسولؐ نے ان کو یہ کہکر بٹھا دیا کہ یہ عمر ابن عبد ود ہے۔ پھر رسولؐ نے مجمع سے کہا کہ ہے کوئی ایسا تم میں جو اس دشمن دین سے لڑے گا۔ علیؑ پھر کھڑے ہو گئے کہ میں تیار ہوں۔ رسولؐ نے اپنے لشکر سے تیسری مرتبہ فرمایا۔ سب خاموش رہے۔ بجز علیؑ کے۔ وہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ مجھے لڑنے کے لئے اجازت دیجئے۔ آخر کار علیؑ کو جنگ کرنے کی اجازت مل گئی۔ روانہ ہونے سے پہلے رسولؐ نے علیؑ کو ہتھیار سے آراستہ کیا۔ اپنا عمامہ ان کے سر پر رکھا اور دعا فرمائی کہ خداوندا یہ میرا بھائی ہے۔ جنگ بدر میں عبیدہ اور احد میں امیر حمزہ کا نذرانہ پیش کر چکا ہوں۔ جب علیؑ لڑنے کے لئے روانہ ہو گئے تو حضورؐ نے فرمایا۔ آج کُل ایمان کُل کفر کے مقابلے میں جاتا ہے۔ اس واقعہ کو تمام مورخین نے بیان کیا ہے۔ اس جنگ کے سر ہونے پر رسولؐ کی یہ حدیث مشہور ہے کہ آج کی ایک ضربت علیؑ جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔

کتب تواریخ میں مرقوم ہے کہ جب علیؑ نے عمرو کو قتل کیا تو اس کا قیمتی ہتھیار اس زمانے کے رواج کے مطابق اس کے جسم سے نہیں اتارا۔ چنانچہ جب عمرو کی بہن نے اپنے بھائی کی لاش پر آ کر دیکھا کہ قاتل نے عمرو کا سامان نہیں لیا بلکہ بدستور رہنے دیا تو کہنے لگی کہ عمرو کا قاتل کوئی عالی دودمان شخص ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ عمرو کا قاتل کون ہے؟ لوگوں نے کہا علیؑ ابن ابی طالبؑ: یہ سن کر اس نے دو شعر موزوں کر کے پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ اگر عمرو کا قاتل علیؑ کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں عمر بھر رویا کرتی۔ مگر یہ معلوم کر کے میرے دل کو تسکین ہوئی کہ عمرو کا قاتل وہ بے عیب شخص ہے جس کو لوگ ہمیشہ بیضۃ البلد کہتے ہیں۔ معارج النبوۃ اور روضۃ الصفا میں ہے کہ فتح کے بعد جب حضرت علیؑ واپس ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اٹھ کر آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

چوں علیؑ درساز باتان شیر
گردن مرحب شکن خیبر گیر

جنگ خیبر اور علیؑ: جنگ خیبر کا واقعہ ۷ ہجری میں ہوا۔ کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ اگر علیؑ کے ہاتھ پر جنگ فتح نہ ہو جاتی تو اسلام کو سخت ترین مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔ ان دنوں رسول اللہ کو درد شقیقہ کا عارضہ ہوا تھا۔ علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ اسی لئے اسلامی لشکر کو متواتر کئی دن تک ہزیمت اٹھانا پڑی۔ جب حضورؐ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو رنجیدہ ہوئے اور فرمایا۔ "**لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَداً رَجُلاً كَرَّاراً غَيْرَ فَرَّارٍ يُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ عَلٰى يَدَيْهِ**" (کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ وہ بغیر فتح کئے واپس نہ آئے گا۔ یہ سن کر تمام اصحاب نے اس خوشی میں رات بسر کی کہ کل روز فتح ہے۔ جب صبح ہوئی تو بعد نماز رسولؐ تشریف لا کر کھڑے ہوئے اور علم کو منگایا۔ اس وقت ہر صحابی اسی فکر و تمنا میں تھا کہ علم اسی کو ملے۔ اتنے میں حضور اکرمؐ نے علیؑ کو بلایا۔ لعاب دہن ہاتھ میں لے کر ان کی آنکھوں میں پھیرا اور انہیں علم عطا کیا۔

مدارج النبوۃ (جلد ۲۔ صفحہ ۲۹۲) میں لکھا ہے کہ پھر علیؑ علم لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ قموص کے نیچے پہنچ کر ایک تودے پر گاڑ دیا۔ یہ دیکھ کر قلعے کے اوپر سے ایک یہودی عالم نے پکار کر اپنی قوم سے کہا کہ قسم ہے توریت کی تم مغلوب ہوئے۔ یہ شخص فتح کئے بغیر واپس نہ جائے گا۔ وہ یہودی حضرت علیؑ کی شجاعت سے واقف تھا اور آپ کے اوصاف توریت میں دیکھ چکا تھا۔ قصہ کوتاہ اولاً مرحب کا بھائی حارث قلعہ سے باہر نکلا۔ جس کے نیزے کی سنان تین سیر کی تھی۔ اس نے آتے

ہی چند اسلامی بہادروں کو شہید کیا۔ یہ حال دیکھ کر حضرت علیؓ اس کی جانب بڑھے اور ایک ہی ضرب میں اس کو داخل جہنم کیا۔ جب مرحب کو حارث کے قتل کی خبر ہوئی تو وہ دیگر شجاعان خیبر کے ساتھ مسلح ہو کر بھائی کا انتقام لینے قلعے سے باہر آیا۔ تاریخ اسلام میں درج ہے کہ مرحب تمام خیبریوں میں ایک ایسا بلند قامت چہلتن اور بہادر جنگجو تھا کہ اپنوں میں نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس روز وہ دو زرہ پہنے ہوئے اور دو تلواریں حمائل کئے ہوئے اور دو عمامے باندھے ہوئے اور ان عماموں پر خود رکھے ہوئے رجز گویاں معرکہ جنگ میں آیا۔ اہل اسلام میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ اس سے جنگ کرنے کو میدان قتال میں جائے۔ مرحب بھی ایک ہزار پہلوانوں کی طاقت رکھتا تھا۔ پس علیؓ رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابل ہوئے۔ مرحب نے پیش دستی کر کے چاہا کہ تلوار کا وار کرے۔ مگر علیؓ نے اس کا موقعہ نہ دیا اور ذوالفقار کی ایسی ضرب اس کے سر پر لگائی کہ خود اور عماموں کو کاٹتی ہوئی حلق تک اور بروایتے رانوں تک اور پھر قابوس زین تک اتر آئی اور مرحب دو ٹکڑے ہو کر قتل کیا گیا۔ راقم الحروف نے جناب راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں حملہ حیدری کے کئی نایاب قلمی نسخے دیکھے ہیں۔ ان میں کئی تصویریں ایسی ہیں جن میں ذوالفقار حیدری کا وار دکھایا گیا ہے۔ یعنی مرحب کا جسم برابر دو حصوں میں گھوڑے پر نظر آتا ہے۔ زین کا دانت بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ زمین پر حضرت جبرئیلؑ کے پر دہائی دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جنگ کی حالت میں اچانک ایک یہودی نے جناب علیؓ کے ہاتھ پر ایسی ضرب لگائی کہ سپر ہاتھ سے گر پڑی اور اس کو ایک دوسرا یہودی لے کر بھاگا۔ یہ دیکھ کر جناب امیر غضب میں آئے اور بقوت ربانی آپ خندق سے جست کر کے باب قلعہ پر پہنچ گئے۔ اور آپ نے اس کے آہنی پھاٹک کا ایک پلہ نکال کر بجائے سپر ہاتھ میں لے لیا اور بدستور جنگ میں مصروف ہوئے۔ اس دروازے کا وزن معارج النبوت میں آٹھ سو اور روضۃ الصفا میں تین ہزار من درج ہوا ہے۔ علیؓ کی انگلیاں اس در میں اس طرح در آئیں جیسے موم میں لوہا در آتا ہے۔ غرضیکہ اس قیامت خیز جنگ میں آپ نے دشمن کا صفایا کر کے اسلام کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اقبال کہتے ہیں ؎

پنجۂ حیدرؓ کہ خیبر گیر بود
قوتِ او از ہمیں شمشیر بود

جنگ حنین ...... ''معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق''

جنگ حنین کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ حنین مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر طائف کی طرف ایک وادی کا نام ہے۔ فتح مکہ کی خبر سے بنی ہوازن، بنی ثقیف بنی جشم اور بنی سعد

سب شکست خوردہ لوگوں نے باہمی اجتماع میں فیصلہ کیا کہ سب مل کر مسلمانوں سے لڑیں۔ ان کا سردار لشکر مالک ابن عوف نفری اور علمبردار "ابوجرول" تھا۔ یہ لوگ پانچ ہزار کی تعداد میں حنین اور طائف کے درمیان "اوطاس" پر جمع ہو گئے۔ جب آنحضرت کو اس اجتماع کی اطلاع ملی تو آپ بارہ یا سولہ ہزار کا لشکر لے کر جس میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے، ۶ شوال ۸ ہجری کو دلدل پر سوار ہو کر مکہ سے نکل پڑے۔ حضرت علی حسب معمول علمبردار لشکر تھے۔ بعض مسلمان اس پر نازاں تھے کہ ہم کثرت سے ہیں اس لئے آج شکست نہیں کھا سکتے۔ دشمن نے ایسا سخت حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور فرار ہونے لگے۔ رسولؐ پکار رہے تھے کہ "اے بیعت رضواں والو! کہاں جا رہے ہو، لیکن کوئی نہ سنتا تھا۔ جب لوگوں میں بھگدڑ مچی تو دشمن رسول کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی نے دشمن کو روکا۔ رسولؐ بہ نفس نفیس لڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ مگر حضرت عباسؓ نے لجام فرس تھام لی۔ اس حال میں گھمسان کا رن پڑا اور حضرت علی نے علمبردار لشکر کفار کو ایک ہی وار میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس جنگ میں چار مسلمان اور ستر کافر قتل ہوئے۔ علی کے ہاتھوں چالیس جنگجو کام آئے۔ حنین کی لڑائی میں اسلام کو غیبی امداد ملی تھی۔ جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔

جنگ حنین کے تعلق سے مولانا عزیز الحق کوثر ندوی نے اپنی کتاب "مناقب اہلبیت" (صفحہ ۱۹۸۔۱۹۹) میں ذیل کا عنوان درج کیا ہے!

"غزوۂ طائف میں حضور کی حضرت علی سے طویل سرگوشی اور حضور کا ارشاد کہ علی سے اللہ کی سرگوشی ہے۔ یعنی باذن الٰہی ہے"

کفار نے غزوۂ حنین میں شکست کھا کر طائف میں پناہ لی اور جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ اس سلسلے میں حضور اکرم نے بڑی دیر تک حضرت علی سے سرگوشی فرمائی جس میں اور بھی اہم معاملات رہے ہوں گے۔ اس پر بعض لوگوں کو رشک ہوا اور بالآخر بول اٹھے۔

ترجمہ: "آپ نے اپنے چچیرے بھائی سے بڑی طویل سرگوشی کی ہے"

اس پر حضورؐ نے فرمایا:

"میں نے ان سے سرگوشی نہیں کی، بلکہ اللہ نے کی"

امام ترمذی اس حدیث کو لکھ کر فرماتے ہیں:

"اللہ نے ان سے سرگوشی کی" اس کا مطلب یہ ہوا۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان سے سرگوشی کروں (سنن ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۴)

اس سلسلے میں یہ بات بھی یاد آجاتی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کو اللہ تعالیٰ نے "امین راز"

بنایا ہے۔ نیز اپنے نبی کو ان سے رازدارانہ گفتگو کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ کی اس فضیلت کو اس قدر نمایاں فرمایا ہے کہ گیارہ بارہ ہزار آدمیوں کی موجودگی میں آپ سے رازدارانہ گفتگو کرنے کے لئے حضور کو مامور فرمایا ہے۔ تاکہ آپ کا یہ اعزاز سب لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آجائے اور پوری اُمت آپ کی اس خصوصیت سے واقف ہو جائے''

اقبال کہتے ہیں ؎

اے سر خط وجوب و امکاں   تفسیر تو سورہ ہائے قرآن
اے مذہب عشق را نمازے   اے سینۂ تو'' امین رازے''

علیؑ کے جہاد کی خصوصیت

علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

خیز و قانون اخوت ساز دہ
جام صہبائے محبت باز دہ
باز در عالم بیار ایام صلح
جنگجویاں را بدہ پیغام صلح

اسلام تلوار سے نہیں پھیلایا جاتا اور کبھی اسلام نے ملک فتح کرنے کے لئے جہاد نہیں کیا۔ تلوار حفظ دین ہے۔ اسلام نے کشور گیری کو حرام قرار دیا ہے دنیاوی بادشاہ دنیا کو آخرت پر مقدم سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ دنیا کو دین پر ترجیح دیتا ہے اور دل میں ذرہ برابر خوف خدا نہیں رکھتا ہے۔ وہ رعایا پر مظالم ڈھاتا ہے اور اپنی خواہشات نفسانیہ پوری کرتا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ہر دور کے بادشاہ نے لوگوں پر قہر نازل کر کے کس طرح کشت و خون کو روا رکھا۔ اسلام میں اس قسم کی فاسق و فاجر حکومتیں یزید کے دور سے شروع ہوئیں۔ اقبال کہتے ہیں ؎

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت   حریت را زہر اندر کام ریخت

ایسے حکمرانوں کے بارے میں اقبال مزید کہتے ہیں ؎

قحط و طاعوں تابع شمشیر او   عالمے ویرانہ از تعمیر او
خلق در فریاد از ناداریش   از تہی دستی ضعیف آزاریش

آتش جان گدا جوع گداست
جوع سلطان ملک و ملت رافناست

اقبال نے اسرار خودی میں ایک باب شامل کیا ہے۔ جس کا عنوان یہ ہے:

"دربیاں ایں کہ مقصد حیات مسلم اعلائے کلمۃ اللہ است۔ وجہاد اگر محرک او جوع الارض (تسخیر ممالک) باشد در مذہب اسلام حرام است"

نظم کا آخری شعر قابل ذکر ہے۔

ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید
تیغ او در سینۂ او آرمید

مطلب یہ ہے کہ جس نے بھی تلوار سے اسلام پھیلانے کی کوشش کی۔ اللہ کی خوشنودی اس میں نہیں ہے۔ اسلام تلوار اور زور زبردستی سے نہیں، بلکہ حسن اخلاق سے پروان چڑھا۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ میں مکارم اخلاق کی دنیا میں تکمیل کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں دنیا کے ملک تہ تیغ کرنے آیا ہوں۔ اخلاقی وروحانی فتح مادی فتح سے کہیں بالا ہے۔ جب روح فتح ہوگی تو جسم آپ ہی مفتوح ہو جائیگا۔ خلیفۂ رسول کی نسبت بھی ہمیں اول یہی دیکھنا ہے کہ اس نے قلوب پر کہاں تک فتح پائی اور مکارم اخلاق محمدی کی دنیا میں کہاں تک تکمیل واشاعت کی؟ علیؑ تو اس میں سب سے افضل واکمل نکلتے ہیں۔ علیؑ کا جہاد ہمیشہ دفاعی رہا۔ اسلام کا آئین ہے کہ لڑائی میں سبقت نہ لی جائے۔ علیؑ اور اولاد علی نے لڑنے میں پہل نہیں کی۔ جب اسلام پر حملہ کیا گیا تو علی نے اسلام کو ہمیشہ بچالیا۔ اگر صبر وسکوت کی ضرورت پڑی تو اس سے بچایا۔ یعنی انہوں نے صبر وسکوت سے کام لے کر فتنے کو روکا۔ اور یہ ان کا خاموش جہاد تھا۔ اگر قربانی کی ضرورت ہوئی تو اس سے دریغ نہ کیا۔ اگر تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئے تو وہ اٹھائی۔ اور اس طرح حق حفاظت اسلام ادا کیا۔ اصل سیاست دین اسی کا نام ہے۔

علیؑ بادشاہ فقر تھے۔ مزدوری کر کے گذارہ کرتے تھے۔ یتیم، بے سہارا بیواؤں اور ضعیفوں کی مدد کرتے تھے۔ صاحب مال نہیں تھے۔ معذورین کے سوا جہاد سے بیٹھ رہنے والے مومنین اور جان ومال کے راہ خدا میں جہاد کرنے والے مساوی نہیں ہوتے ہیں۔ جہاد اور شہادت کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ علیؑ نے ہمیشہ جان کی بازی لگا کر قلعہ کفر کو زمین بوس کر دیا۔ ان کی ایک ضربت قیامت تک کے جن وانس کی عبادتوں سے افضل ہے۔ فرشتے ان کے جہاد اور جان بازی پر فخر کیا کرتے تھے۔

علیؑ کا جہاد قوانین الٰہی کی حفاظت کے لئے مخصوص تھا۔ انہوں نے کبھی دھوکے سے کسی پر تلوار نہیں چلائی۔ حالت جہاد میں ان کی نگاہ عصمت کافر کی سات پشتوں کو دیکھتی تھی کہ کسی کی پشت میں کوئی مسلمان نہ ہو۔ علی نے بھاگتے ہوئے کافر کو پشت سے وار نہیں کیا اور نہ کسی کے جسم سے اس کا قیمتی ہتھیار اتار دیا۔ ان کا جہاد محض رضائے الٰہی کے لئے ہوتا تھا۔ اسلام کی بقا کے لئے جتنی

جنگیں ہوئی تھیں ان سب کی تحمدی کا سہرا علیؓ کے سر ہے۔ علیؓ کے جہاد میں ذاتی جذبات اور انتقام گیری کا عمل دخل نہیں رہتا تھا۔ ملا رومی نے علیؓ کے جہاد فی سبیل اللہ کا اپنی مثنوی میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ جس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی ہے۔ عرب کا ایک جنگجو بہت مشہور تھا۔ اس کے نام سے مسلمان لرزہ براندام ہوتے تھے۔ وہ ایک ہزار ماہر جنگجوؤں کی طاقت رکھتا تھا۔ ایک دن وہ علیؓ سے نبرد آزما ہوا۔ علیؓ نے اس کو مغلوب کیا اور زمین پر پٹک دیا۔ پھر اس کے سینے پر سوار ہوئے۔ تلوار مارنے ہی والے تھے کہ اس نے انتہائی بدتمیزی کی۔ علیؓ نے تلوار نیام میں ڈالی۔ اس کے سینے سے اتر گئے۔ ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ رومیؒ نے اس جنگ کی پوری تفصیل بیان کی ہے۔ یہاں صرف چند شعر پیش کئے جاتے ہیں ۔

از علیؓ آموز اخلاص عمل	شیر حق را داں منزہ از دغل
چوں تو باب آں مدینہ علم را	چوں شعاعے آفتاب حلم را
در غزا بر پہلوانے دست یافت	زود شمشیرے بر آورد و شتافت
او خدو انداخت برروئے علیؓ	افتخار ہر نبیؐ و ہر ولی
در زماں انداخت شمشیر آں علیؓ	کرد او اندر غزائیش کاہلی
گشت حیراں آں مبارز در عمل	از نمود عفو و رحم بے محل
گفت بر من تیغ تیز افراشتی	از چہ افگندی مرا بگذاشتی
گفت من تیغ از پے حق می زنم	بندۂ حقم نہ مامور تنم

شیر حقم نیستم شیر ہوا
فعل من بر دین من باشد گوا

اُردو کے مشہور شاعر، ادیب، دانشور اور صحافی (ایڈیٹر زمیندار لاہور) مولانا ظفر علی خان نے مولانا رومیؒ کے ان اشعار کو اُردو منظوم کا لباس پہنایا۔ اُردو کے ایک نادر الوجود رسالہ "صوفی" پنڈی بہاء الدین گجرانوالہ پنجاب بابت فروری ۱۹۲۵ (صفحہ ۱۸) میں ملک محمد الدین آوان (ایڈیٹر صوفی) نے یہ اشعار شائع کئے۔ چونکہ اس نظم کا حوالہ راقم حروف کی نظر سے کہیں نہیں گذرا ہے۔ اس لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ محفوظ رہ سکے ۔

"اخلاق مرتضوی از مولانا ظفر علی خان"

روایت ہے کہ اک سرکش یہودی / ہوا جنگ آزما شیر خدا سے
نہ تھا اس امر سے شاید وہ آگاہ / یہ کشتی وہ لڑتا ہے قضا سے
جو اپنی جان کا ہو آپ دشمن / وہی الجھے علی مرتضیٰ سے
ہوا واقف وہ پہلی ہی پکڑ میں / علی کے زور مرحب آزما سے
زمیں پر آرہا گرتا ہے جس طرح / خزاں کا آخری پتا ہوا سے
کھڑی تھی موت اسکے سر پہ اس وقت / نہ تھا خس کو مفر سیل فنا سے
یہ رنگ ذوالفقار اس کے لہو کے / نظر آتے تھے عرش و فرش پیاسے
یہودی نے جب یہ دیکھا کہ ہرگز / نہیں ممکن ہے بچنا اس بلا سے
مقابل چاند تھا تھوکا اسی پر / طبیعت کے پرانے اقتضا سے
کہ نکلے آخری نفرت کی حسرت / اسی حیلے دل کفر آشنا سے
یہ گستاخانہ یہ بیہودہ حرکت / جونہی سرزد ہوئی اس ناسزا سے
معا روکا علی نے ہاتھ اپنا / وہ جو دو ہاتھ آگے تھا قضا سے
کیا خوں بھی معاف اور یہ خطا بھی / مے احساں سے تھے لبریز کاسے
جرائم سے نوازش کچھ سوا تھی / عطائیں بڑھتی جاتی تھیں خطا سے
یہودی بن گیا تصویر حیرت / امیر المومنیں کی اس ادا سے
لگا کہنے کہ اے سردار ذی جاہ / یہ سب کچھ کیوں ہے اور کس مدعا سے
مجھے کیوں آپ نے محروم رکھا / میرے مغلوب ہونے کی سزا سے
کیا کیوں میری اس حرکت سے اغماض / جو ہے مغضوب بڑھ کر انتہا سے
مکافات عمل کا یہ تصور / ہے بالا تر مری فکر رسا سے
جواب اس نکتۂ باریک کا یوں / ملا اس کو لب مشکل کشا سے
جو سچ پوچھے تو غصہ آگیا تھا / مجھے اس تیرے فعل ناروا سے
مگر یہ غصہ رکھتا تھا تعلق / فقط میرے ہی نفس فتنہ زا سے
میں اس حالت میں تجھ کو قتل کرتا / تو ہوتا سرخرو کیوں کر خدا سے
کہ میں جو کام بھی کرتا ہوں اس میں / غرض ہوتی ہے مولا کی رضا سے
یہودی سن چکا اچھی طرح جب / یہ ارشاد انتہا تک ابتدا سے

پکار اٹھا کہ ہے اسلام سچا ہے دنیا قائم اس دین بقا سے
تہی داماں رہا ہوں آج تک میں جنوں کا پھول اس بستاں سرا سے
مرا گھر شعلہ زار طور ہوگا اب اس شمع فروزاں کی ضیا سے
نہ سرتابی کروں گا آج کے بعد
خدا سے اور محمدؐ مصطفےٰ سے

علیؑ کا جہاد محض رضائے الٰہی کے لئے مخصوص تھا۔ کشور کشائی کے لئے نہیں۔ انہوں نے بقائے اسلام اور تحفظ ناموس رسالت کے لئے تلوار نکالی تھی۔ ان کا اور آل محمدؐ کا شمشیر بکف ہونا صرف اسلام کی سربلندی کے لئے تھا۔ علامہ اقبال نے درست فرمایا ہے

تیغ بہر عزت دین است و بس
مقصدِ او حفظ آئین است و بس

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب

رجعت شمسی جناب علیؑ کا مشہور معجزہ ہے جو کتب تواریخ میں تفصیل سے بیان کیا گیا اور جو فتح خیبر کے بعد رونما ہوا تھا۔ یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اگر علیؑ خیبر کی جنگ فتح نہ کرتے تو مکہ فتح نہ ہو جاتا۔ اور اسلام کا قدم عرب میں جمنا۔ دنیائے اسلام قیامت تک علیؑ کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ علیؑ نے بقول اقبال اقلیم تن کو تسخیر کیا تھا۔ اور یہ علیؑ کا خاموش جہاد تھا۔ نزول وحی کے لئے علیؑ کا اپنے زانوئے مبارک پر محمدؐ کا سر اقدس رکھنا جہاد اکبر تھا۔ بعد رسول اللہ امن اور حفاظت اسلام کے لئے خاموشی سے زندگی گزارنا بھی جہاد تھا اور اپنے علم کی بدولت لوگوں کی مشکلوں کو حل کرنا بھی جہاد تھا۔

تاریخ اسلام میں اظہار رسالت اور وقار امامت کی خاطر دو معجزے نہایت اہم ہیں۔ شق القمر رسولؐ کی طرف اور رجعت شمس علیؑ کی جانب منسوب ہیں۔ دونوں معجزے ایسے خاموش جہاد کی نشانیاں ہیں جن پر عالم اسلام ہمیشہ کے لئے فخر کر سکتا ہے۔

اقبال کے متذکرہ شعر میں دو تلمیحات ہیں۔ ایک ابوتراب اور دوسری رجعت شمس۔ ابوتراب کا پیارا لقب علیؑ کو رسولؐ کی طرف سے عنایت ہوا تھا۔ ابوتراب علامہ اقبال کو اتنا پسند تھا

کہ اس کا استعمال وہ اپنے افکار میں اکثر و بیشتر کرتے تھے۔ چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

مرتضیٰ کہ تیغ او حق روشن است　　بوتراب از فتح اقلیم تن است

مرسلِؐ حق کرد نامش بوتراب　　حق ید اللہ خواند در ام الکتاب

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال

یہ گنہگار بوترابی ہے

سولانا علی میاں ندوی نے ابوتراب کی وجہ تسمیہ کے متعدد حوالے اپنی کتاب میں دیئے ہیں وہ "المرتضیٰ" (صفحہ ۶۸) میں لکھتے ہیں!

"حضرت علی بے حد غریب تھے۔ یہودیوں کے باغ کو سینچتے تھے۔ ایک دن مزدوری کی تلاش میں گھر سے نکلے تا کہ اس سے انتظام کیا جائے کہ رسول کی ضرورت پوری ہو جائے۔ اس تلاش میں ایک یہودی کے باغ میں پہنچے اور اس کے باغ کی سینچائی کا کام اپنے ذمہ لیا۔ مزدوری یہ تھی کہ ایک ڈول پانی کھینچنے کی اجرت ایک کھجور۔ حضرت علی نے ۱۷ ڈول کھینچے۔ یہودی نے انہیں اختیار دیا کہ جس نوع کی کھجوریں چاہیں لے لیں۔ حضرت علی نے ۱۷ عجوہ (کھجور) لے لئے اور رسولؐ کی خدمت میں پیش کئے۔ فرمایا جناب یہ کہاں سے لائے۔ حضرت علی نے عرض کیا۔ یا نبیؐ اللہ! مجھے پتہ لگا کہ آج فاقہ درپیش ہے۔ اس لئے کسی مزدوری کی تلاش میں نکل گیا کہ کچھ کھانے کا سامان کرسکوں۔ رسولؐ نے فرمایا۔ تم کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے اس پر آمادہ کیا تھا؟ عرض کیا ہاں رسول اللہ۔ رسولؐ نے فرمایا "اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ایسا کوئی نہیں جس پر افلاس اس تیزی سے آیا ہو، جیسے سیلاب کا پانی اپنے رخ پر تیزی سے بہتا ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرے۔ اس کو چاہئے کہ مصائب کے لئے ایک چھتری بنالے، یعنی حفاظت کا سامان کرے۔ اس تنگی اور فقر و فاقہ کی زندگی کے باوجود علی رسول کی راحت رسانی اور آپ کو دعوت الی اللہ اور جہاد کے لئے یکسو رکھنے کی خاطر کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے اور کوئی سروسامان نہیں رکھتے تھے۔ غایت محبت اور دلار سے رسول اللہؐ حضرت علیؑ کو ابوتراب کہا کرتے تھے"۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت علی سیدہ فاطمہ کے پاس گئے۔ پھر واپس آ کر مسجد میں لیٹ گئے۔ ادھر رسولؐ اللہ حجرۂ فاطمہ کی طرف آ گئے اور حضرت فاطمہؑ سے پوچھا۔ ہمارے ابن عم کہاں ہیں؟ کہا مسجد میں۔ آپ مسجد تشریف لے گئے تو دیکھا کہ چادر ان کی پشت سے اتر گئی اور پیٹھ میں مٹی لگ گئی ہے۔ آپ اپنے دست مبارک سے ان کی پشت پر لگی ہوئی مٹی کو صاف کرنے لگے اور دو مرتبہ فرمایا قم ''یا اباتراب''

پروفیسر شفیق الرحمٰن ہاشمی (علی گڑھ میگزین بابت اپریل (۱۹۳۸) میں لکھتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ علیؑ نے ایک یہودی کے باغ میں کنویں سے پانی کھینچ کر باغ سیراب کرنے کا کام مزدوری پر کیا۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ اب انہیں مزدوری میں اتنی کھجوریں میسر آ جائیں گی جنہیں وہ شام کو جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے کھا سکیں گے۔ تو کام ختم کر دیا۔ یہودی نے پہلے سے دگنی مزدوری پر کام کرنے کی پیشکش کی۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا۔ جس ضرورت کے لئے میں نے مزدوری کی ہے وہ اتنی مزدوری سے پوری ہو جائے گی۔ غرض آپ نے پوری زندگی سادگی سے بسر کی اور ابوترابؑ کے ساتھ ساتھ حیدرؑ کرار غیر فرار بن گئے (اقبال کا تصور دین) علیؑ کا یہ فقر کبھی بدر و حنین میں رونما ہوا اور کبھی سرزمین کربلا میں حسینؑ کی آواز ''اللہ اکبر'' کی تکبیر سے ظاہر ہوئی

فقر عریاں گرمی بدر و حنین
فقر عریاں بانگ تکبیر حسینؑ

اقبال کے شعر کی دوسری تلمیح رجعت شمس کے بارے میں ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب آنحضرت لشکر سمیت جنگ خیبر سر کرنے کے بعد واپسی میں مقام وادی القریٰ کی طرف جاتے ہوئے مقام صہبا میں پہنچے اور وہاں قیام پذیر ہوئے تو ایک دن آپ پر وحی کے نزول کا سلسلہ ایسے وقت میں شروع ہوا کہ غروب آفتاب سے قبل ختم نہ ہوا۔ حضرت رسول کریم حضرت علیؑ کی آغوش میں سر رکھے ہوئے تھے۔ جب سلسلۂ وحی منقطع ہوا تو آنحضرت نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اے علیؑ تم نے نماز عصر پڑھی کہ نہیں؟ عرض کی، مولا نماز کیسے پڑھتا۔ آپ کا سر مبارک زانو پر تھا اور وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے دست دعا بلند کیا اور کہا کہ ''بار الہا! علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھا۔ اس لئے سورج کو پلٹا دے تاکہ یہ نماز عصر ادا کر لیں۔ چنانچہ سورج پلٹ

آیا (تذکرۃ الخواص الامہ صفحہ ۵۰ از ابن جوزی متوفی ۶۵۴ھ) رجعت شمس کا دوسرا واقعہ جنگ صفین میں ہوا تھا۔ حضرت علی کے معجزہ رجعت شمس کا ذکر علامہ اقبال سے صدیوں پہلے بہت سے شعرائے متصوفین نے کیا ہے۔ ذیل میں ان شعراء کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ۔

آسماں از راہ مغرب باز گشت اے موستاں تا بجا آورد امر خالق یکتا علی (شیخ سعدی)

قوت سر زتش زہبر نماز داشتہ چرخ راز گشتن باز

تا دگر بار بعی نشاند بہ زیں خسرو چرخ را تہمتن دیں (حکیم سنائی)

باطن احمدؐ علی مرتضی است ظاہر احمدؐ امام انبیاء است

آفتاب از حکم حیدرؓ باز گشت
مہر ومہ آرے بحکم مرتضی است

(شاہ نعمت اللہ ولی)

کنم از نبیؐ رودر بوتراب کہ مہ بگرم جلوۂ آفتاب (غالب)

یہ ہے اقبال فیض یاد نام مرتضی جس میں
نگاہ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے

علامہ اقبال فرقہ پرستی اور تنگ نظری سے بالا تر تھے۔ وہ بزرگان دین کا احترام کرتے تھے۔ ان میں رام، سوامی رام تیرتھ اور گرونانک بھی شامل تھے۔ مسلمانوں میں علامہ شیخ مخدوم ہجویری، بوعلی شاہ قلندر، خواجہ چشتی، میاں میر، شیخ سرہندی وغیرہ سے متاثر ہوئے تھے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ اقبال جب ستمبر ۱۹۰۵ میں اعلیٰ تعلیم کے لئے سفر یورپ پر روانہ ہوئے تو دہلی میں خواجہ نظام الدینؒ کی درگاہ میں حاضری دی۔ جب جولائی ۱۹۰۸ء میں واپس تشریف لائے تو لاہور جانے سے قبل دوسری مرتبہ خواجہ صاحب کی درگاہ میں حاضر ہوئے۔ خود خواجہ صاحب موصوف کا یہ حال تھا کہ انہیں حضرت علی کے غلام حضرت قنبر کے رتبے کا اتنا احساس تھا کہ اپنے کو قنبر کا غلام کہنے میں شرم آتی تھی ۔

نظام الدین حیا دارد کہ گویم بندۂ شاہم
ولیکن قنبر او را کمینہ یک گدا باشد

علامہ نے خواجہ صاحب کیساتھ گہری عقیدت مندی کے باوجود اپنے کو کبھی نظامی نہیں کہا اور نہ کبھی صوفیوں کے کسی سلسلہ کے ساتھ اپنے کو منسوب کیا۔ اگر کہا تو فخر و امتیاز سے یہی کہا ۔

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال
یہ بندہ بوترابی ہے

از ولائے دود مانش زندہ ام در جہاں مثل گہر تابندہ ام
نرگسم وارفتۂ نظارہ ام
در خیابانش چو بو آوارہ ام

۱۹۰۳ء میں اقبال انتہائی پریشان تھے۔ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد جو ان کی دیکھ بھال کر رہے تھے کسی فوجداری مقدمہ میں ملوث ہو گئے تھے۔ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے علامہ نے ایک دعائیہ نظم خواجہ موصوف کی درگاہ میں بطور نذر آویزاں کرائی تھی۔ اقبال نے آئیہ شفاعت کے مطابق نظم کی قبولیت کے لئے محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ دیا تھا۔ کہتے ہیں ۔

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغ عشق اہلبیت　　ڈھونڈتا پھرتا ہے ظل دامن حیدرؑ مجھے
رونے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں　　کیا دُر مقصد نہ دیں گے ساقی کوثر مجھے

اس میں شک نہیں کہ علامہ نے شعرائے متصوفین کے زیر اثر دل کی گہرائیوں سے اہل بیت رسالت مآب کی مدح و توصیف کرنا مذہبی فریضہ سمجھا تھا۔ ان کے ایک ایک شعر سے صدق وصفا کے دریا بہے جا رہے ہیں۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ اقبالؔ نے نواب فتح علی خان قزلباش لاہور اور علامہ شیخ عبدالعلی ہروی کی صحبت میں رہ کر مدحت آل رسول کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تھا۔ وہ علامہ ہروی کی مجلسوں میں شرکت کرنے کے بعد ان سے قرآنی نکات اور دیگر مذہبی امور پر بحث ومباحثہ کرتے تھے۔ اس زمانے میں اقبال کی عمر پچیس یا تیس سال کی ہوگی جب انہوں نے عالم جوانی میں جناب علی مرتضیٰ کی بارگاہ اقدس میں ایک معرکہ آرا نظم (مناجات) بعنوان "سپاس جناب امیرؑ" کہی تھی۔ ان کا معمول تھا کہ ہر روز اس مناجات کو نماز فجر کے بعد مصلیٰ پر بیٹھکر بطور وظیفہ خشوع و خضوع کے ساتھ ورد زبان کرتے تھے۔ نظم کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کو شاہ لافتیٰ اور نفس رسولؐ میں ایسے جمالات و کمالات نظر آتے تھے جو بعد رسولؐ اور کسی میں نہیں تھے۔ اسی لئے وہ علیؑ کو اولین و آخرین انسان کامل اور اسلامی ہیرو سمجھتے تھے۔ بقول اقبالؔ یہ علیؑ کی ہی معرفت تھی کہ جس سے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو پہچانا تھا۔ بہر حال مخزن کا مذکورہ شمارہ نادر و نایاب ہے اور میرے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ ذیل میں یہ مناجات من وعن درج کی جاتی ہے۔

سپاس جناب امیرؑ

"ذیل کی نظم درج کرکے آج ہم ان احباب کے تقاضوں سے سبکدوش ہوتے ہیں جو پروفیسر اقبال صاحب کے فارسی کلام کے لئے اکثر دفعہ بے حد اشتیاق ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فارسی نظمیں عموماً مخزن میں درج نہیں ہوتیں۔ تاہم احباب کے اصرار سے ہم اسے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہی نظم باظہار عقیدت شیخ صاحب صبح کے وقت پڑھا کرتے ہیں"

اے محو ثنائے تو زبانہا ۔۔۔ اے یوسف کاروان جانہا

اے باب مدینۂ محبت ۔۔۔ اے نوح سفینۂ محبت

اے ماحی نقش باطل من ۔۔۔ اے فاتح خیبر دل من

اے سر خط وجوب و امکاں ۔۔۔ تفسیر تو سورہ ہائے قرآں

اے مذہب عشق را نمازے ۔۔۔ اے سینۂ تو امین رازے

اے سر نبوت محمدؐ ۔۔۔ اے وصف تو مدحت محمدؐ

گردوں کہ بہ رفعت ایستادہ است ۔۔۔ اے بام بلند تو فتادہ است

ہر ذرۂ درگہت چو منصور ۔۔۔ در جوش ترانہ انا الطور

بے تو نتواں باو رسیدن ۔۔۔ بے او نتواں بتو رسیدن

فردوس ز تو چمن در آغوش ۔۔۔ از شان تو حیرت آئینہ پوش

جانم بغلامئ تو خوشتر ۔۔۔ سر بر زدہ ام ز جیب قنبر

ہشیارم و مست بادۂ تو ۔۔۔ چوں سایہ زپا فتادۂ تو

از ہوش شدم مگر بہوشم ۔۔۔ گوئی کہ نصیری خموشم

دانم کہ ادب بہ ضبط راز است ۔۔۔ در پردۂ خامشی نیاز است

اما چہ کنم کہ تولا ۔۔۔ تند است بروں فتد زمینا

ز اندیشۂ عاقبت رہیدم
جنس غم آل تو خریدم

سپاس جناب امیرؓ

ذیل کی نظم درج کر کے آج ہم اُن احباب کے تقاضوں سے سبکدوش ہوتے ہیں۔ جو پروفیسر اقبال صاحب کے فارسی کلام کے لئے اکثر دفعہ بیحد اشتیاق ظاہر کرتے رہے ہیں۔ گو ہم فارسی نظمیں عموماً مخزن میں درج نہیں کرتے تاہم احباب کے اصرار سے ہم اسے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہی نظم بہ اظہار عقیدت مخصوص صبح کے وقت پڑھا کرتے ہیں

اے محو ثنائے تو زبانہا — اے یوسف کاروان جانہا

اے باب مدینۂ محبت — اے نوح سفینۂ محبت

اے ماحی نقش باطل من — اے فاتح خیبر دل من

اے سر خط وجوب و امکاں — تفسیر تو سورہائے قرآں

اے مذہب عشق را نمازے — اے سینۂ تو امین رازے

اے سر نبوت محمد — اے وصف تو مدحت محمد

گردوں کہ برفعت ایستادہ است — اے بام بلند تو فتادہ است

ہر ذرہ درگہت چو منصور — در جوش ترانۂ انا الطور

بے تو نتواں باو رسیدن — بے او نتواں بتو رسیدن

فردوس ز تو چمن در آغوش — از شان تو حیرت آئینہ پوش

جانم بغلامی تو خوشتر — سر بزدہ ام ز جیب قنبر

ہشیارم و مست بادۂ تو — چوں سایہ ز پا فتادۂ تو

از ہوش شدم مگر بہوشم — گوئی کہ نصیری خموشم

دانم کہ ادب بہ ضبط راز است — در پردۂ خامشی نیاز است

اما چکنم کہ مے تولا — تند است بدل فتنہ ز مینا

زاندیشۂ عاقبت رہیدم
جنسِ غمِ آلِ تو خریدم

فکرم چو بجستجو قدم زد — در دیر شد و در حرم زد

در دشتِ طلب بسے دویدم — دامن چو گرد باد چیدم

در آبلہ خارہا خلیدہ — صد لالہ ترِ قدم دمیدہ

افتادہ گرہ بروئے کارم — شرمندۂ دامنے غبارم

پویاں بے خضر سوئے منزل — بردوش خیال بستہ محمل

جویائے مے و شکستہ جامے — چوں صبح بباد چیدہ دامے

پیچیدہ بخود چو موج دریا — آوارہ چو گرد باد صحرا

واماندہ ز دردِ نارسیدن — در آبلہ شکستہ دامن

عشقِ تو دلم ربود ناگاہ — از کار گرہ کشود ناگاہ

آگاہ ز ہستی و عدم ساخت — بتخانۂ عقل را حرم ساخت

چوں برق بجز منم گذر کرد — از لذتِ سوختن خبر کرد

برباد متاعِ ہستیم داد — جامے ز مے تحقیقتم داد

سرمست شدم ز پا فتادم — چوں عکس ز خود جدا فتادم

پیراہنِ ما و من دریدم — چوں اشک ز چشمِ خود چکیدم

خاکم بفراز عرش بردی — زاں راز کہ با دلم سپردی

واصل بکنار کشتیم شد — طوفانِ جمال زشتیم شد

جز عشق حکایتے ندارم — پروائے ملامتے ندارم

از جلوۂ علم بے نیازم
سوزم گریم تپم گدازم

اقبال

فکرم چو بہ جستجو قدم زد ۔۔۔ در دیر شد و در حرم زد

در دشت طلب بسے دویدم ۔۔۔ دامن چو گرد باد چیدم

در آبلہ خار ہا خلیدہ ۔۔۔ صد لالہ تہ قدم دمیدہ

افتادہ گرہ بروئے کارم ۔۔۔ شرمندۂ دامنے غبارم

پویاں بے خضر سوئے منزل ۔۔۔ بر دوش خیال بستہ محمل

جویائے مے و شکستہ جامے ۔۔۔ چوں صبح بباد چیدہ دامے

پیچیدہ بخود چو موج دریا ۔۔۔ آوارہ چو گرد باد صحرا

وا ماندہ ز درد نارسیدن ۔۔۔ در آبلہ شکستہ دامن

عشق تو دلم ربود ناگاہ ۔۔۔ از کار گرہ کشود ناگاہ

آگاہ ز ہستی و عدم ساخت ۔۔۔ بتخانۂ عقل را حرم ساخت

چوں برق بجز منم گذر کرد ۔۔۔ از لذت سوختن خبر کرد

برباد متاع ہستیم داد ۔۔۔ جائے بزنے ہمیشم داد

سرمست شدم زپا فتادم ۔۔۔ چوں عکس ز خود جدا فتادم

پیراہن ماؤمن دریدم ۔۔۔ چوں اشک ز چشم خود چکیدم

خاکم بفراز عرش بردی ۔۔۔ زاں راز کہ با دلم سپردی

واصل بکنار کشتیم شد ۔۔۔ طوفان جمال زشتیم شد

جز عشق حکایتے ندارم ۔۔۔ پروائے ملامتے ندارم

زجلوۂ علم بے نیازم

سوزم گریم تپم گدازم

ترجمہ: ”اے وہ ذات۔ جس کی تعریف میں مخلوق کی زبانیں مصروف ہیں اور اے وہ ذات جو روحوں اور جانوں کے قافلے کا یوسف یعنی سردار اور راہ دکھانے والا ہے۔ اے شہر محبت کے دروازے اور اے راہ خدا میں محبت کی کشتی کے نوح یعنی ناخدا۔ اے میرے باطل کے نقش مٹانے والے۔ اے میرے دل کے خیبر کے فتح کرنے والے۔ اے خالق و مخلوق کی درمیانی حد کے

راز، سارے قرآن مجید کے سورے آپ ہی کی تفسیر ہیں۔ اے عشقِ الٰہی کے مذہب کے لئے نماز ؑ اور اے وہ ذات جس کا سینہ رازِ خداوندی کا امانت دار ہے۔ اے نبوت حضرت محمدؐ کے اصلی چھپے ہوئے راز۔ اے وہ ذات جس کی تعریف حقیقت میں خود رسولؐ کی مدح ہے۔ یہ آسمان جو بلندی پر قائم ہے۔ آپ کی بلندی اور عظمت کے سامنے جھکا ہوا ہے۔ آپ کی بارگاہ کا ہر ذرہ انتہائی منور ہونے کی بنا پر سرخوش و سرمستی میں منصور حلاج کی طرح انا الطور کا نعرہ لگاتا ہے۔ بغیر آپ کے خدا تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور بغیر خدا کے آپ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ جنت آپ کے وجود کی وجہ سے ایک چمن لئے ہوئے ہے۔ اور آپ کی شان کے سامنے حیرت و تعجب آئینہ کی طرح کا لباس پہنے ہوئے ہے۔ میری جان آپ کی غلامی پر خوش ہے اور میں آپ کے غلام قنبرؓ کے گریبان سے سر نکالے ہوئے ہوں۔ اسی غلامی کے رشتے میں بندھا ہوا ہوں۔ میں آپ کی شرابِ محبت میں بے ہوش ہوں اور آپ کے پیروں کے نیچے اس طرح جیسے قدموں کے نیچے آدمی کا سایہ۔ میں ہوش میں نہیں رہا۔ مگر پھر ہوش میں ہوں۔ اگر تم کہو کہ میں نصیری ہو گیا ہوں تو یہ سن کر چپ ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ادب کا تقاضا یہی ہے کہ راز چھپا رہے اور خاموشی کے پردہ میں اظہارِ محبت ہو۔ لیکن کیا کروں کہ تولا کی شراب تیز ہے اور جام (یعنی میرے دل) سے اُبل پڑتی ہے۔ اب میں قیامت کے خوف سے اور ڈر سے آزاد ہو گیا ہوں۔ کہ میں نے آلِ رسولؐ کے غم کی جنس (یعنی غمِ حسینؑ) کو خرید لیا ہے۔ میری فکر نے تلاشِ معشوق کے لئے جستجو کے میدان میں قدم رکھا۔ چنانچہ کبھی وہ حصولِ مقصد کے لئے دیر میں پہنچا اور کبھی در کعبہ کو کھٹکھٹایا۔ میں نے جستجو کے جنگل میں بڑی تگ و دو کی اور بگولے کی طرح بیاباں کو چھان مارا۔ میرے پاؤں کے چھالوں میں کانٹے چبھ گئے اور خون نے زخموں سے جاری ہو کر زمین پر گلِ لالہ جیسے سرخ نشان ہر قدم پر اُگنے شروع کئے۔ باوجود اس جد و جہد کے میرا مقصد حاصل نہ ہو سکا اور میں سوائے ناکامی کی ندامت کے کچھ بھی حاصل نہ کر سکا۔ میری حاجتوں میں گرہ لگی ہوئی ہے اور میں اپنے غبارِ عصیاں کے دامن سے شرمندہ ہوں۔ میں اس تلاش اور جستجو میں منزل تک نہ پہنچنے کے غم سے شکستہ حال تھا کہ میری عقدہ کشائی کر دی۔ اور جو گرہ لگی ہوئی تھی کھول دی۔ آپ کے عشق نے مجھے فنا اور بقا کے راز سے واقف کر دیا۔ اور میری عقل و فکر کو حقیقت سے آشنا کر دیا۔ آپ کی محبت نے میری ہستی کو ہوا میں اڑا دیا۔ میں اس شرابِ عشق میں ایسا بدحواس ہو گیا جس طرح ہر چیز کا عکس اس سے الگ ہوتا ہے۔ میں حقیقت کو سمجھ گیا اور میری برائی اور بدصورتی حسن و جمال کا ایک طوفان بن گئی۔ اس عشق کے افسانے کے سوا اور میرے پاس کچھ نہیں۔ میں اس عشق میں کسی کی مذمت و ملامت کی کوئی پروا نہیں کرتا۔

میں اصل معرفت کی وجہ سے محبت کی حقیقی آگ میں جل رہا ہوں۔ آنسوں بہا رہا ہوں، تڑپ رہا ہوں اور پگھل رہا ہوں۔

"سرِّ اسمائے علیؑ"

علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کی بنیاد حضرت علی کی حدیث پر ہے۔ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے خدا کو پہچانا۔ اقبال کے روحانی مرشد مولانا رومی وغیرہ کی شاعری کا محور بھی یہی حدیث ہے۔ رومی علیؑ کو علوم محمدی کا خزانہ، نفس نبویؐ، مظاہر الٰہی اور "افتخار ہر نبی و ہر ولی" تسلیم کرتے تھے۔ وہ جمہور (دام و دد) سے مایوس ہو چکے تھے۔ اس لئے انہیں علی کے سے انسانِ کامل، شیر خدا کی تلاش تھی۔ اقبال نے رومی کی تقلید میں "اسرار خودی" کی ابتداء میں اسی لئے یہ شعر نمایاں جگہ پر نقل کیا ہے۔

زیں ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست

اقبال قرآنی آیت اولی الامر (پختہ کارے) کی پیروی پر زور دیتے ہیں۔ وہ بھی رومی کی طرح جمہور سے بے زار تھے۔ کہتے ہیں ۔

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

علامہ نے خودی کی تکمیل کے لئے فلسفۂ عشق پر زور دیا ہے۔ انہوں نے اسی عشق کی بدولت اپنے افکار میں نئی طرح ڈال کر محبت و مودت کے جذبے سے کام لیا ہے۔ ان کے قول کے مطابق یہی عشق محمدؐ و آل محمد کی معرفت کا سرچشمہ ہے۔ اقبال کو اسوۂ حسنۂ محمدیؐ میں علیؑ کا عکس نظر آتا ہے۔ اور اسی لئے علیؑ کو نائب حق (خلیفۂ الٰہی) تسلیم کرتے ہیں۔

نیابت الٰہی کے بلند ترین درجے پر فائز ہونے کے لئے علامہ نے اطاعت، اور ضبط نفس کے مرحلوں سے گزرنا ضروری قرار دیا ہے۔ یعنی وہی انسان نائب حق بن سکتا ہے جس میں علم، جہاد اور عشق تینوں خوبیاں موجود ہوں۔ کہتے ہیں ۔

نائب حق ہمچو جان عالم است ہستی او ظلِ اسم اعظم است
از رموز جزو کل آگہ بود
در جہاں قائم بامر اللہ بود

اقبال بخوبی رسول کی اس حدیث سے واقف تھے کہ "اگر میری امت میری اہلبیتؑ سے

متمسک رہیگی تو قیامت تک گمراہ نہیں ہوگی" اس حدیث کے زیر اثر اقبالؔ نے آلِ رسول کی تعلیمات کو اجاگر کرنا اپنا نصب العین بنایا تھا۔ انہوں نے نائب حق یعنی خلیفۂ الٰہی حضرت علیؑ کے فضائل و اثبات میں ایسی شاہکار نظم لکھی جو قبولیت کا تاج پہنے ہوئی ہے۔ اسرار خودی میں اس کا عنوان "در شرح اسرار اسمائے علی مرتضیٰ" ہے۔ ذیل میں پوری نظم ترجمہ کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

مُسلمِ اول شہِ مرداں علی	عشق را سرمایۂ ایماں علی
از ولائے دودمانش زندہ ام	در جہاں مثلِ گہر تابندہ ام
نرگسم وا رفتۂ نظارہ ام	در خیابانش چو بو آوارہ ام
زمزم ار جوشد ز خاکِ من ازوست	مے اگر ریزد ز تاکِ من ازوست
خاکم و از مہرِ او آئینہ ام	می تواں دیدن نوا در سینہ ام
از رخِ او فال پیغمبر گرفت	ملتِ حق از شکوہش فر گرفت
قوتِ دینِ مبیں فرمودہ اش	کائنات آئیں پذیر از دودہ اش
مُرسلِ حق کرد نامش بوترابؑ	حق یداللہ خواند در امّ الکتاب
ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست	سرِّ اسمائے علی داند کہ چیست
خاکِ تاریکے کہ نامِ او تن است	عقل از بیدادِ او در شیون است
فکرِ گردوں رس زمیں پیما ازو	چشم کور و گوش ناشنوا ازو
از ہوس تیغِ دو رو دارد بدست	رہرواں را دل بریں رہزن شکست
شیرِ حق ایں خاک را تسخیر کرد	ایں گلِ تاریک را اکسیر کرد
مرتضیٰ کز تیغِ او حق روشن است	بوتراب از فتحِ اقلیمِ تن است
مردِ کشور گیر از کراری است	گوہرش را آبرو خودداری است
ہر کہ در آفاق گردد بوترابؑ	باز گرداند ز مغرب آفتاب
ہر کہ زیں بر مرکبِ تن تنگ بست	چوں نگیں بر خاتمِ دولت نشست
زیرِ پاش اینجا شکوہِ خیبر است	دستِ او آنجا قسیمِ کوثر است
از خود آگاہی یداللّٰہی کند	از یداللّٰہی شہنشاہی کند
ذاتِ او دروازۂ شہرِ علوم	زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم
حکمراں باید شدن بر خاکِ خویش	تا مئے روشن خوری از تاکِ خویش
خاک گشتن مذہبِ پروانگی است	خاک را اب شو کہ ایں مردانگی است

سنگ شو اے ہمچو گل نازک بدن   تا شوی بنیادِ دیوارِ چمن
از گلِ خود آدمے تعمیر کن   آدمے را عالمے تعمیر کن
گر بنا سازی نہ دیوار و درے   خشت از خاکِ تو بندد دیگرے
اے ز جورِ چرخِ ناہنجار تنگ   جامِ تو فریادی بیدادِ سنگ
نالہ و فریاد و ماتم تا کجا   سینہ کوبیہائے پیہم تا کجا
در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات   لذتِ تخلیق قانونِ حیات
خیز و خلاقِ جہانِ تازہ شو   شعلہ در بر کن خلیل آوازہ شو
با جہانِ نا مساعد ساختن   ہست در میداں سپر انداختن
مردِ خودارے کہ باشد پختہ کار   با مزاجِ او بسازد روزگار
گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں   می شود جنگ آزما با آسماں
بر کند بنیادِ موجودات را   می دہد ترکیبِ نو ذرات را
گردشِ ایام را برہم زند   چرخِ نیلی فام را برہم زند
می کند از قوتِ خود آشکار   روزگارِ نو کہ باشد سازگار
در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست   ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست
آزماید صاحبِ قلبِ سلیم   زورِ خود را از مہماتِ عظیم
عشق با دشوار ورزیدن خوش است   چوں خلیل از شعلہ گل چیدن خوش است
ممکناتِ قوتِ مردانِ کار   گردد از مشکل پسندی آشکار
حربۂ دوں ہمتاں کین است و بس   زندگی را ایں یک آئین است و بس
زندگانی قوتِ پیداستے   اصلِ او از ذوقِ استیلاستے
عفوِ بے جا سردیِ خونِ حیات   سکتۂ در بیتِ موزونِ حیات
ہر کہ در قعرِ مذلت ماندہ است   ناتوانی را قناعت خواندہ است
ناتوانی زندگی را رہزن است   بطنش از خوف و دروغ آبستن است
از مکارم اندرونِ او تہی است   شیرش از بہرِ ذمائم فربہی است
ہوشیار! اے صاحبِ عقلِ سلیم   در کمیں ہا می نشیند ایں غنیم
گر خردمندی فریبِ او مخور   مثلِ حربا ہر زماں رنگش دگر
شکلِ او اہلِ نظر نشناختند   پردہ ہا بر روئے او انداختند

گاہ او را رحم و نرمی پردہ دار — گاہ می پوشد ردائے انکسار

گاہ او مستور در مجبوری است — گاہ پنہاں در تۂ معذوری است

چہرہ در شکلِ تن آسانی نمود — دل ز دستِ صاحبِ قوت ربود

باتوانائی صداقت توام است — گر خود آگاہی ہمیں جامِ جم است

زندگی کشت است و حاصل قوت است — شرحِ رمزِ حق و باطل قوت است

مُدعی گر مایہ دار از قوت است — دعوئی او بے نیاز از حجت است

باطل از قوت پذیرد شانِ حق — خویش را حق داند از بطلانِ حق

از کُنِ او زہر کوثر می شود — خیر را گوید شرے شر می شود

اے ز آدابِ امانت بے خبر — از دو عالم خویش را بہتر شمر

از رموزِ زندگی آگاہ شو — ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو

چشم و گوش ولب کشا اے ہوشمند

گر نہ بینی راہِ حق بر من بخند

ترجمہ:

’’علی مسلم اوّل ہیں۔ شہہ مردان ہیں۔ عشق و مستی کی دنیا میں سرمایۂ ایمان ہیں۔ ان کی اولاد کی محبت میں میں زندہ ہوں اور مثلِ گہر تابندہ ہوں۔ میں نرگس شہلا کی طرح چمن میں وارفتۂ نظارہ ہوں۔ اور خیابان علی مرتضیٰ میں مثلِ بو آوارہ ہوں۔ اگر زمزم میری خاک سے اُبلتا ہے تو صرف انہی کی وجہ سے۔ اور اگر تاکِ حیات سے میرے مے ٹپکتی ہے تو صرف انہی گرامی مرتبت کے طفیل سے۔ میں خاک ہوں لیکن مہر منور مرتضوی کی تابناک کرنوں سے مثالِ آئینہ روشن ہوں اور میرے دل میں جو نوا ہے انہی کے دم قدم سے ہے۔ انہی کے چہرے (کے اتار چڑھاؤ) سے پیغمبر خدا ؐ فال نکالتے تھے اور ملت مُسلمہ انہی صاحب شکوہ کے صدقے میں مفتخر اور ممتاز ہے۔ دین مبین کی قوت ان کا فرمان ہے اور کائنات کی آئین پذیری ان کے دم قدم سے ہے۔ مرسل حق نے انہیں ’’ابوتراب‘‘

کے لقب سے نوازا اور حق نے ام الکتاب میں انہیں "ید اللہ" کے نام سے
یاد کیا۔ ہر وہ شخص جو رموز زندگی سے آگاہ ہے اسے معلوم ہے کہ اسمائے
علیؑ کا راز سربستہ کیا ہے۔ خاک تاریک جس کا نام تن ہے، عقل جس کے
بیداد سے نوحہ کناں ہے۔ اسی تن کی آلائشوں کی وجہ سے فکر گردوں رس
زمیں پیما ہے۔ اور اسی تن کی آلودگیوں کے باعث انسانی آنکھ کور اور
انسانی گوش ناشنوا ہیں۔ اسی ہوس کی دو ہری تلوار سے دل کے رہزنوں
نے دل کے رہروں کو ہلاک کیا ہے۔ شیر حق علی مرتضیٰ نے اس خاک کو
تسخیر کیا۔ اور اس تاریک مٹی کو اکسیر بنایا۔ مرتضیٰؑ کی تیغ کی بدولت حق
روشن ہے۔ زمین کی فتح کے مقابلے میں تن کی فتح زیادہ برتر اور بلند تر
ہے۔ کشور گیر اور صاحب اقلیم، ابن آدم کراری کے زور سے ہوتا ہے اور
اس موتی کی آب اس کی اپنی خودی اور خودداری میں مضمر ہے۔ ہر وہ شخص
جو ابو تراب کی منزل پر ہے آفتاب کو مغرب سے پلٹانے کے قابل
ہے۔ جس نے تن کے مرکب پر زین کسی اور اس پر سوار ہوا۔ دراصل خاتم
دولت پر نگینہ کی طرح بیٹھ گیا۔ یہاں اسی (فاتح تن) کے پاؤں کے نیچے
شکوہ خیبر ہے۔ اور وہاں (آخرت میں) اس کے ہاتھوں میں تسنیم و کوثر
ہے۔ یعنی وہ تسنیم و کوثر کا تقسیم کرنے والا ہے۔ جس نے خود کو پہچانا،
ید اللٰہی کی اور جس نے ید اللٰہی کی اس نے شہنشاہی کی۔ علیؑ کی ذات
دروازہ شہر علوم ہے۔

انہی کے فرمان کے نیچے حجاز و چین و روم یعنی تمام عالم ہے۔ اسی خاک
یعنی تن پر حکمرانی لازم ہے۔ تاکہ تاک خویش سے مئے روشن پی سکے۔ پروانے
کا مذہب ہی خاکستر ہو جاتا ہے اور خاکستری ہی میں اس کی مردانگی ہے۔ اے
مٹی کی کمزور تن (انسان) مضبوطی میں سنگ بن جا، تاکہ تیری دیوار

چمن مضبوط و محکم بن سکے۔ اپنی مٹی سے نیا آدم تعمیر کر اور نئے آدم سے نیا عالم بنا۔ اگر تم نے اپنے دیوار و در کی بنا نہ ڈالی تو تیری خاک سے اوروں کے ایوانوں کی اینٹیں بنائی جائیں گی۔ اے تو، جو جور فلک سے تنگ ہے اور تیرا جام اس بیداد سنگ سے فریادی ہے، تاب کے نالہ و فریاد کرتا رہے گا اور کہاں تک مسلسل سینہ کوبی کرتا رہے گا۔ عمل میں مضمون حیات پوشیدہ ہے اور اسی میں قانون حیات کی تخلیق کی لذت ہے۔ اٹھ اور جہان ہائے تازہ کا خلاق بن جا اور خلیل عصر کی طرح شعلہ در بر ہو جا۔ جہان ناساعد پر راضی ہو جانا میدان جنگ میں ڈھال رکھ دینے کے مترادف ہے۔ مرد خود دار اور پختہ کار وہ ہے جس کے مزاج سے روزگار ہم آہنگی چاہتا ہے۔ اور اگر اس سے مزاج جہاں ہم آہنگ نہیں ہو پاتا تو وہ آسمان (خالق روزگار) سے نبرد آزما ہو جاتا ہے۔ وہ موجودات کی نئی بنیاد رکھتا ہے اور ذرات کو نئی ترکیب بخشتا ہے۔ وہ گردش ایام کو درہم و برہم کر دیتا ہے اور چرخ نیل فام کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ وہ اپنی ذاتی قوت سے آشکار ہوتا ہے اور روزگار کو اپنا سازگار بنا لیتا ہے۔ اگر کوئی مردوں کی طرح جی نہیں سکتا، تو کم از کم مردوں کی طرح جان دینا سیکھے۔ اے صاحب قلب سلیم! اس بات کو آزما اور اپنے زور کو مہمات عظیم سے برسر پیکار کر۔ عشق کی دشواریوں میں ڈالنا ہی زندگی ہے اور خلیل اللہ کی طرح عشق کی راہ میں شعلۂ گل چننا عین حیات ہے۔ مردان کار اپنی قوت کی ممکنات کا اندازہ اپنے کو پریشانی میں ڈال کر کرتے ہیں۔

کمزوری دوں ہمتوں کا حربہ ہے اور حقیقی زندگی کے لئے یہی آئین شافی و کافی ہے۔ زندگی میں قوت ذوق استیلا سے ہے۔ عفو بے جا سردی خوں ہے اور اس کی حیثیت بیت موزون حیات میں سکتہ کی سی ہے۔ ہر وہ شخص جو قعر مذلت میں رہتا ہے کمزوری کو قناعت کا سبق پڑھاتا ہے۔ کمزوری زندگی کے لئے رہزن ہے اور اس کے بطن سے خوف و دروغ پیدا ہوتے ہیں۔ مکارم سے اس کا اندروں تہی دامن ہوتا ہے اور اس کے شیر سے ذمائم فربہ ہوتے ہیں۔ اے صاحب قلب سلیم! ہوشیار ہو جا۔ کیونکہ کمیں گاہ میں غنیم بیٹھا ہوا ہے۔ اگر تو خردمند ہے تو اس کے فریب میں مت آ۔ اور گرگٹ کی طرح ہر وقت رنگ مت بدل۔ اس کی شکل کو دیکھنے والے نہیں پہچان پاتے اور اس کے رخ پر مزید پردے ڈال دیتے ہیں۔ گاہ اس کی رحم و نرمی سے پردہ داری کرتے ہیں۔ کبھی اسے انکسار کا لباس دیتے ہیں۔ گاہ اس کو مجبوری میں چھپاتے ہیں۔ گاہ اسے معذوری میں پناہ دیتے ہیں۔ چہرۂ انسان میں ظاہر (روشن) ہوتا۔ دل صاحب قوت کی طرف کھنچتا ہے۔ طاقت اور سچائی توام ہیں۔ اور تو اگر اپنے کو پہچان لے تو جام جم والی بات ہے۔ زندگی کشت ہے اور اس کا حاصل قوت ہے۔ رمز حق و باطل کی شرح قوت ہے۔ اگر دعویٰ کرنے والا قوت والا ہے تو اس کا دعویٰ ہر

حجت سے بے نیاز ہے۔ باطل کمزوری اور بطلان خویش سے قوت پاتا ہے۔ اسی چیز سے کوثر زہر بن جاتا ہے۔ اے وہ جو امانت سے بے خبر ہے، دو عالم کو اپنے سے کمتر شمار کر۔ زندگی کے رموز سے آگاہ ہو۔ اور اللہ سے دُور ظالم و جاہل نہ بن۔ اے ہوشمند! اپنے چشم و گوش و لب کو کھول اور پھر بھی تو اگر حق کو نہ پہچان پائے تو مجھ پر بخوبی خندہ زنی کر سکتا ہے"

ذیل میں علامہ اقبال کے مزید وہ متفرق اشعار درج کیے جاتے ہیں جو انہوں نے علی مرتضیٰؓ کے کردار کے زیرِ اثر نظم کیے اور جن سے ملّتِ اسلامیہ میں بیداری اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

پنجۂ حیدرؓ کہ خیبر گیر بود — قوتِ او از ہمیں شمشیر بود
اے پری ہا جوہر اندر قاف تو — ذوالفقارِ حیدرؓ از اسلاف تو
نعرۂ حیدرؓ نوائے بوذر است — گرچہ از حلقِ بلال و قنبر است
جلوہ در تاریکیِ ایام کن — آنچہ بر تو کامل آمد عام کن
پس خدا برما شریعت ختم کرد — بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
لا نبی بعدی ز احسانِ خداست — پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰؐ ست

عشق با نانِ جویں خیبر گشاد — عشق در اندامِ مہ چاکے نہاد
رحمتِ حق ہمتِ احرار بود — قہرِ یزداں ضربتِ کرارؓ بود
دل اگر بندد بہ حق، پیغمبری است — ور ز حق بیگانہ گردد کافری
علم را بے سوزِ دل خوانی شراست — نورِ او تاریکیِ بحر و براست
علم بے عشق است از طاغوتیاں — علم با عشق است از لاہوتیاں

کور را بینندہ از دیدار کن
بولہب را حیدرؓ کرار کن

بودہ ام در حضرتِ مولائے کل — آنکہ بے او طے نمی گردد سُبل
دانشِ افرنگیاں غارت گری — دیرہا خیبر شد از بے حیدری

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام — نے غلام او را نہ اُو کس را غلام
بندۂ حق مردِ آزاد است و بس — ملک و آئینش خدا داد است و بس

رسم و راہ دین و آئینش ز حق — زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
وحی حق بینندۂ سود همه — در نگاهش سود و بهبود همه
عادل اندر صلح و هم اندر مصاف — وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف
زیر گردوں آمری از قاهری است — آمری از ماسوا الله کافری است

برتر از گردوں مقام آدم است
اصل تهذیب احترام آدم است

جمال عشق و مستی نے نوازی — جلال عشق و مستی بے نیازی
کمال عشق و مستی ظرف حیدرؓ — زوال عشق و مستی حرف رازی

بده اورا جوانِ پاکبازے — سرورش از شراب خانه سازے
قوی بازوئے او مانند حیدرؓ — دل او از دو گیتی بے نیازے

امیر قافله سخت کوش و محنت کوش — که در قبیلۂ ما حیدری ز کراری است
می شناسی معنی کرار چیست؟ — ایں مقامے از مقامات علیؓ است
تا ز کراری نصیبے داشتند — در جهاں دیگر علم افراشتند
مرد میداں زنده از الله هوست — زیر پائے او جهانِ چار سوست

گلستانے ز خاک من بر انگیز — نم چشمم بخون لاله آمیز
اگر شاہاں نیم تیغ علیؓ را — نگاہے دہ چو شمشیر علیؓ تیز

فقر کار خویش را سنجیدن است — بر دو حرف لا اله پیچیدن است
فقر خیبر گیر با نان شعیر — بستۂ فتراک او سلطان و میر
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا — ما امینم ایں متاع مصطفیٰ ست
حکمت دیں دلنوازی ہائے فقر — قوت دیں بے نیازی ہائے فقر
فقر مومن چیست؟ تسخیر جهات — بنده از تاثیر او مولا صفات
فقر چوں عریاں شود زیر سپهر — از نهیب او بلرزد ماه و مهر

فقر عریاں گرمی بدرو حنین
فقر عریاں بانگ تکبیر حسین

مرد حق بیں جز بحق خود را ندید | لا الہ می گفت و درخوں می تپید
بہر ترسے کہ ایں کالا گیری سودمند افتد | بزور بازوئے حیدرؓ بدہ ادراک رازی را

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

زحیدریم من و تو زما عجب نبود | گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم
باوطن پیوست و از خود در گذشت | دل بہ رستم داد و از حیدرؓ گذشت
مسلم ہندی چرا میداں گذاشت | ہمت او بوئے کراری نداشت
گہے باحق در آمیزد گہے باحق در آویزد | زمانے حیدری کردہ زمانے خیبری کردہ
پیش او نہ آسماں نہ خیبر است | ضربت او از مقام حیدرؓ است
حکم حق را در جہاں جاری نہ کرد | نانے از جو خورد کراری نہ کرد
خانقاہے جست از خیبر رمید | راہبی ورزید سلطانی نہ دید

دین او آئین او سوداگری است
عنتری اندر لباس حیدری است

فاش گویم با توائے والا مقام | باج را جز با دوکس دادن حرام
یا اولی الامرے کہ منکم شان اوست | آیۂ حق حجت و برہان اوست
گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر | مرگ پور مرتضیؓ چیزے دگر

ہزار خیبر وصد گونہ اژدر است اینجا | نہ ہر کہ نان جویں خورد حیدری داند

اے کہ ہمنام خدا، باب دیار علم تو | اُنّے بودی و حکمت را نمایاں کردۂ

آیت قرآن ہے۔ ''وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ''

(ترجمہ: بے شک ہمارے نزدیک ام الکتاب میں علی حکیم ہے)

اشعارِ اردو

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللٰہی

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے

یا عقل کی روباہی یا عشق یداللٰہی یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

تری خاک میں ہے اگر شرر، تو خیالِ فقر و غنا نہ کر

کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے

وہی فطرتِ اسد اللٰہی وہی مرحبی وہی عنتری

مرے لئے ہے فقط زورِ حیدری کافی

ترے نصیب فلاطوں کی تیزیٔ ادراک

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی

کہ جس کے فقر میں ہے حیدری و کراری

ہے جرأتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی

بازوئے قوی جس کا وہ عشق یداللٰہی

نجف میرا مدینہ ہے مدینہ ہے مرا کعبہ

مجھے معذور رکھ میں مستِ صہبائے محبت ہوں

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ

سرمہ ہے آنکھ کا مری خاکِ مدینہ و نجف

جہاں سے پلتی تھی اقبالؔ روح قنبر کی

مجھے بھی ملتی ہے روزی اسی خزینے سے

ہمیشہ وردِ زباں ہے علی کا نام اقبال کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینے سے

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلبیت

ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِّ دامنِ حیدرؓ مجھے

یہ ہے اقبالؔ فیض یاد نام مرتضیٰؑ جس میں
نگاہ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے
کرم کرم کہ غریب اللہ یار ہے اقبال
مرید پیر نجف ہے غلام ہے تیرا
فیض اقبال ہے اسی در کا بندۂ شاہ لافتیٰ ہوں میں
سینۂ پاک علیؑ جن کا امانت دار تھا اے شہ ذی جاہ! تو واقف ہے ان اسرار سے
تیرے نصیب کا آخر چمک گیا اختر
علیؑ کے سینے میں جو راز تھا کھلا تجھ پر

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

حضرت فاطمۃ الزہراؑ، پیغمبر آخر الزمان، سید المرسلین اور جناب خدیجۃ الکبریٰ کی اکلوتی بیٹی، شیر خدا علی مرتضیٰؑ کی رفیقۂ حیات اور امام حسنؑ و امام حسینؑ، جناب زینبؑ و ام کلثومؑ کی مادر گرامی اور نو اماموں کی جدہ تھیں۔

جناب سیدۃ النساء کا سارا بچپن فقر و فاقہ اور تنگی و مصائب میں گذرا۔ امور خانہ داری میں جناب سیدہ اپنی مثال آپ تھیں۔ ۷ ہجری تک آپ کے پاس کوئی کنیز نہ تھی۔ اس لئے گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ جھاڑو دیتی تھیں، پانی بھرتی تھیں، چکی پیستی، آٹا چھانتیں اور روٹی پکاتی تھیں۔ جب چکی پیستے پیستے ہاتھوں سے خون ٹپکنے لگا تو رسولؐ نے ایک کنیز فضہ عنایت کی اور فرمایا کہ فاطمہؑ باری باری کام کرنا۔ یعنی جس دن تم کام کرو گی تو اس دن فضہ سے کام نہ لینا۔ ایک دن سرور عالم خانۂ زہراؑ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ سیدۃ العالمین گود میں بچے کو لئے چکی پیس رہی ہیں۔ فرمایا کہ بیٹی! ایک کام فضہ کے حوالے کر دو۔ عرض کی بابا جان! آج فضہ کی باری کا دن نہیں ہے (مناقب صفحہ ۱۱۴)

سیدۃ النساء کے بارے میں محدثین کا بیان ہے کہ خداوند عالم جناب سیدہ کو اپنی کنیز خاص جانتا تھا۔ اور ان کی بے حد عزت کرتا تھا۔ قرآن مجید ان کی عصمت و طہارت کی گواہی دیتا ہے۔ جب چکی پیسنے میں مصروف رہتی تھیں تو تلاوت قرآن کرتی تھیں۔ فرشتے ان کے بچوں کی گہوارہ جنبانی کرتے تھے۔

پیغمبر اسلام جناب فاطمہؑ سے انتہائی محبت رکھتے اور کمال عزت بھی کرتے تھے۔ فرمایا

کرتے تھے۔ فاطمہؑ مجھ سے ہیں اور میں فاطمہ سے ہوں۔ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔ فاطمہ کی محبت کا جذبہ یہ تھا کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں فاطمہؑ سے رخصت ہوتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہ زہراؑ کو دیکھنے تشریف لے جاتے تھے۔ عزت واحترام کا یہ عالم تھا کہ جب جناب فاطمہ رسولؐ اللہ کے پاس جاتی تھیں تو آپؐ تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ مورخین ومحدثین کا اتفاق ہے کہ نزول آیۂ تطہیر کے بعد سرور دو عالمؐ درِ ابوترابؑ پر نو ماہ مسلسل بوقت نماز صبح جا کر آواز دیا کرتے اور فرط مسرت میں فرمایا کرتے تھے کہ اے اہلبیت! خدا نے تمہیں ہر طرح کی گندگی سے پاک و پاکیزہ رکھا ہے۔ (زاد العقبیٰ ترجمہ مودۃ القربیٰ (تصنیف سید علی ہمدانی مودت ۱۱ صفحہ ۱۰۰)

علامہ اقبال نے جناب سیدۂ عالم کی بارگاہ مقدسہ میں جو شاندار خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ سے اخلاص ومحبت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ انہوں نے حضرت مریمؑ کے مقابلے میں جناب سیدہ کو افضل قرار دے کر مخدرات اسلام کے لئے ان کی پیروی کی تلقین کی ہے۔ ذیل میں پوری نظم ترجمہ کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔

"در معنی ایں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست برائے نسائے اسلام"

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز	از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
نور چشم رحمۃ اللعالمین	آن امامؑ اولین و آخریں
آں کہ جاں در پیکر گیتی دمید	روز گارِ تازہ آئیں آفرید
بانوئے آں تاجدار ہل اتیٰ	مرتضیٰؑ مشکل کشا، شیر خدا
پادشاہ و کلبۂ ایوان او	یک حسام و یک زرہ سامان او
مادر آں مرکز پرکار عشق	مادر آں کارواں سالار عشق
آں یکے شمع شبستان حرم	حافظ جمعیت خیرالامم
تانشیند آتش پیکار و کیں	پشت پا زد بر سر تاج و نگیں
واں دگر مولائے ابرار جہاں	قوت بازوئے احرار جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ

اہل حق حریت آموز از حسینؑ

سیرت فرزندہا از اُمہات | جوہر صدق و صفا از اُمہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتول | مادراں را اسوۂ کامل بتول
بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت | بایہودے چادرِ خود را فروخت
نوری وہم آتشی فرماں برش | گم رضائش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا | آسیاں گرداں و لب قرآں سرا
گریہ ہائے او زبالیں بے نیاز | گوہر افشاندے بدامان نماز
اشک او برچید جبریل از زمیں | ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں
رشتۂ آئین حق زنجیر پاست | پاس فرمان جناب مصطفیٰ است

ورنہ گرد تربتش گردیدمے
سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

ترجمہ: ''جناب مریمؑ صرف حضرت عیسیٰؑ کی ایک نسبت سے عزیز ومحترم ہیں۔ حضرت زہراؑ تین اعلیٰ وارفع نسبتوں سے قابل احترام وقابل تکریم ہیں۔ وہ رحمت اللعالمین کی نورنگاہ ہیں۔ جو امام اولین وآخرین ہیں۔ وہی (نبیؐ برحق) تو ہیں جنہوں نے پیکر گیتی کو حیات بخشی اور روزگار کے لئے قانون نو تخلیق فرمایا۔ وہ تاجدار **ھل اتیٰ علی مرتضیٰؑ** مشکل کشا، شیر خدا کی شریک حیات ہیں۔ وہی تاجدار **ھل اتیٰ** جس کے خانہ سعادت نشان میں ایک تلوار (ذوالفقار) اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ مکرمہ ومعظمہ جو مرکز پرکار عشق اور کاروان سالار عشق الٰہی حضرت حسنؑ کی مادر گرامی ہیں۔ وہی حسنؑ جو شمع شبستان حرم ہے اور حافظ جمعیت خیر الامم ہے۔ وہی جس نے اپنے پائے حقارت سر افتخار تاج ونگین پر رکھ دیئے تاکہ آتش پیکار وکیں ہمیشہ کے لئے سرد ہو جائے۔ دوسرے وہ عالی مرتبت حسینؑ جو ابرار جہاں کے مولا ہیں اور گروہ احرار کا قوت بازو نوائے زندگی کا سوز اسی حسینؑ سے ہے۔ اہل حق نے حریت اسی حسینؑ سے سیکھی ہے۔ یعنی وہ دنیائے انسانیت کے حق پرستوں کی حریت آزادی کے اولین وآخرین علمبردار ہیں۔

فرزندوں کی سیرت دراصل ماؤں کا عطیہ ہے اور ان کا جوہر صدق وصفا ماؤں کی بدولت ہے۔ مزرع تسلیم کا حاصل جناب بتول ہیں اور ماؤں کے لئے اُسوۂ کامل یہی خاتون مکرم ہیں۔ وہی تو ہیں جنہوں نے محتاج کی حاجت براری کے لئے اپنی چادر یہودی کے ہاتھ فروخت کر دی تھی۔ نور ونار انہیں کے زیر فرماں ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر کی رضا میں گم ہیں۔ وہی تو ادب پروردۂ صبر ورضا ہیں۔ وہ چکی پیسنے والی ہیں اور ان کے لب قرآن کریم میں مصروف ہیں۔ ان ہی خاتون

جنت کے آنسو ان کی اپنی بالیں سے بے نیاز ہیں۔ البتہ یہی موتی ان کے دامان نماز کی زینت ہیں۔ یہی وہ گوہر بے بہا ہیں۔ جنہیں جبرئیل جائے نماز فاطمہؑ سے اٹھاتے ہیں اور قطرۂ شبنم کی طرح گل عرش علی کی زینت بناتے ہیں۔ رشتۂ آئین حق میرے پاؤں کی زنجیر ہے۔ اور مجھے فرمان جناب مصطفیٰؐ کا پاس ہے۔ ورنہ جب بھی اس مقدسہ اور طیبہ کی تربت دیکھتا تو اس کا طواف کرتا اور اس خاک پر نور پر سجدہ ہائے نیاز کرتا"

علامہ اقبال نے جناب خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی سیرت کے نمونے اپنے کلام میں اسلامی خواتین کی رہبری کے لئے پیش کئے ہیں۔ ذیل کے شعر بھی قابل ذکر ہیں ۔

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند چشم ہوش از اسوۂ زہراؑ مبند
تا حسینے شاخ تو بر آورد موسم پیشیں بہ گلزار آورد

محافظِ اسلام: حسینؑ ابن علیؑ

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہے اسماعیلؑ

حسینؑ کی عظمت کے بارے میں ذیل میں اقبال کے افکار کی تشریح کرنا مناسب ہے۔

خدا نے جو شرف حسینؑ کو بخشا ہے وہ اولاد رسولؐ اور فرزندان علیؑ میں آل محمدؐ کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوا۔ یہ حضرات اگر پشت رسولؐ پر عالم نماز میں سوار ہو جائیں تو نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ نونہالانِ رسالتؐ پشت رسولؐ پر عالم نماز میں سوار ہو جایا کرتے تھے اور جب کوئی منع کرتا تو آپؐ اشارے سے روک دیا کرتے تھے۔ رسول اللہؐ گھر سے باہر جاتے تھے تو کونین کے دونوں شہزادوں کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے لوگوں سے دونوں کو پہچنواتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ دنیا والو! ان کو پہچان لو۔ اگر مجھے دوست رکھتے ہو تو میرے بچوں سے بھی محبت کرو۔ یہ دونوں شہزادے جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ کبھی فرماتے تھے "حسین منی وانا من

اَلْحُسَیْن "(حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں) اور کبھی یہ فرماتے: "خدا اُسے دوست رکھے جو حسینؑ کو دوست رکھے"۔

حسینؑ کی جب ولادت ہوئی تو رسولؐ نے حسینؑ نام رکھا۔ آنکھوں میں لعاب دہن لگایا۔ اپنی زبان مبارک کو ان کے منہ میں دے کر بڑی دیر تک چبایا۔ اس کے بعد داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ حسینؑ سرورِ کائنات کی پرورش و پرداخت اور آغوشِ مادر میں رہے اور کسبِ صفات کرتے رہے۔ نانا اور والدۂ گرامی کے انتقال کے بعد حسینؑ کو حضرت علیؑ نے تعلیماتِ الٰہیہ اور صفاتِ حسنہ سے بہرہ ور کیا۔ آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے سر پر ذمہ داری عائد ہوئی۔ حسینؑ ان کے ساتھ ہر قسم کی استمداد و استعانت خاندانی اور فیضانِ باری میں برابر کے شریک رہے۔ ان کی شہادت کے بعد امام حسینؑ صفاتِ حسنہ کے واحد مرکز بن گئے۔

یزید نے بنام خلیفہ حسینؑ سے بیعت چاہی۔ حسینؑ نے انکار کیا۔ یزید نے پوری طاقت کے ساتھ حسینؑ سے جنگ کی۔ حسینؑ نے یہ اصول اپنے خون کی سرخ روشنائی سے ثبت کر دیا کہ قانون شریعت خلیفۂ وقت کے عمل سے احکامِ شرع کے سمجھنے کی کوشش نہ کرنا اور دوسرے فرقوں کے لئے یہ کہ اگر تمہیں اسلامی تمدن اسلامی تعلیم اور اسلامی اخلاق کا مطالعہ کرنا ہو تو کسی دمشق یا قرطبہ کے قصر خضرا یا قصر حمرا میں نہ جانا بلکہ مدینہ کے ان ٹوٹے ہوئے کھنڈروں پر نظر ڈالنا جہاں بوسیدہ پردے اور کچی دیواریں نظر آتی ہیں۔ اس طرح حسینؑ نے قیامت تک کے یزید اور یزید منش انسانوں کو ان کے اصلی رنگ روپ میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اور غلط فہمی کے امکانات کو ختم کر دیا۔ حسینؑ کا یہ جہاد جو اپنی قوم ہی کے مقابلہ میں تھا اپنی نوعیت کے اعتبار سے جداگانہ تھا۔ وہ اسلامی جہاد جو غیروں کے مقابلے میں ہو، اس میں کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ مثلاً جہاد اسی وقت کیا جائے گا جب غلبہ کا امکان ہو۔ تعداد کافی ہو۔ پھر سپاہیوں کی عمر کے لحاظ کی بھی ایک مقدار مقرر ہے کہ اس سے زیادہ عمر نہ ہو۔ اسی طرح اور بھی پابندیاں ہیں۔ مثلاً حسینؑ نے جو جہاد کیا وہ اس جہاد سے بالکل مختلف تھا۔ قرآن میں حکم آیا ہے کہ بیس مسلمان دو سو کا مقابلہ کریں۔ لیکن جب یہ معیارِ عمل کی کسوٹی پر پورا نہ اتر سکا تو کہا گیا کہ اچھا سو اور دو سو کی نسبت سے مقابلہ کرو۔ وہ پہلا ہی معیار جو قرآن نے قائم کیا تھا جو عمل کی کمزوری کی بنا پر قابلِ قبول ثابت نہ ہو، زیادہ سے زیادہ بیس اور دو سو یعنی دس گنے کی نسبت سے تھا۔ لیکن کربلا میں جو جہاد کیا گیا تھا اس میں ادھر بہتّر (بقول اقبال "یزدان" کے ہم عدد) دوسری طرف کم از کم تیس ہزار فوج۔ اس میں جو نسبت کا فرق ہے وہ بدر جہا زیادہ ہے۔ پھر جہاد میں تعداد کا کافی ہونا ضروری چیز ہے۔ مگر کربلا کی جنگ میں تعداد کے بڑھانے کے بجائے گھٹانے کی

کوشش ہوئی۔ راستے میں جتنے لوگ کچھ امیدوں کی بناء پر ساتھ ہوئے تھے آپ نے شہادت مسلم کی خبر سننے کے بعد ان سے کہا کہ میں کسی فوج کشی یا حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لینے کی غرض سے نہیں جا رہا ہوں۔ وہ واپس جائیں اور اس طرح بہت سے لوگ چلے گئے۔ اس کے بعد کربلا میں بھی شب عاشور آپ نے اپنے ساتھ کے لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو جانا چاہے بخوشی چلا جائے۔

پھر عمر کی پابندیاں جہاد میں لازمی ہوئی ہیں۔ یہاں وہ بھی باقی نہیں رہیں۔ ۸۰ برس کے حبیب ابن مظاہر بھی ساتھ میں ہیں اور نابالغ بچے بھی۔ بلکہ چھ ماہ کا شیر خوار علی اصغرؑ بھی میدان جہاد میں ساتھ تھے۔

معلوم ہوا کہ غیروں کے ساتھ جہاد میں جو شرائط ضروری ہوا کرتے ہیں دین خدا کی حفاظت کیلئے اپنوں کے ساتھ جہاد کرنے میں ان کا بھی لحاظ نہیں کیا گیا۔ بلکہ تمام شدید ترین مصائب کو اس سلسلے میں برداشت کیا گیا۔ امام حسینؑ نے دنیا کو مشترکہ انسانی حقوق کی جو تعلیم دی ہے وہ موجودہ زمانے میں بھولی ہوئی انسانیت کی یاد دلانے کے لئے کافی ہے۔ پانی رسد کا اہم ترین جزو ہونے کی حیثیت سے خود حسینؑ کے لشکر کے لئے ضروری اور بیش قیمت تھا اور دشمن کو پانی پلا کر تقویت پہنچانا بظاہر اپنے کو کمزور کرنے کے مترادف تھا۔ لیکن امام حسینؑ نے فوج حرؑ کو پانی پلا کر ظاہر کیا کہ اگر چہ دشمن ہیں مگر نوع بشر کی فردیں ہیں اور پیاسے ہیں لہذا پانی ان سے عزیز نہیں کیا جا سکتا۔ بقول اقبال ؎

آدمی را احترام آدمی
با خبر شو از مقام آدمی

امام حسینؑ نے بہ نفس نفیس دشمن کو کھڑے ہو کر پانی سے سیراب کیا۔

کربلا کا جہاد جو صبح سے عصر تک رہا اور جس میں خاندان رسالت کا گلستان تہ تیغ کیا گیا محض دین اسلام کی بقا اور اس کی حفاظت کے لئے لڑا گیا۔ صبح عاشورا حسینؑ کے لخت جگر اور ہمشکل پیغمبرؐ علی اکبرؑ نے اذان دی۔ اسی اذان کے لئے علامہ اقبال لکھتے ہیں ؎

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

اسی اذان کو قیامت تک قائم رکھنے کے لئے امام حسینؑ نے جہاد کیا۔ یزید اور یزیدیت مثل

مسلمان اذان کو مٹانے کے درپے تھے۔ اگر جانشین رسول حسین ابن علی اپنے گھر اور اہل افراد کی قربانی دیکر اس کو بچانے کے لئے برسر پیکار نہ ہوتے تو ہمیشہ کے لئے دین اسلام ختم ہوتا اور اذان کا نام تک لوگ نہ سنتے۔ واقعہ کربلا کے زیر اثر اقبالؔ نے اپنے کلام میں فلسفۂ اذان **لا الہ الا اللہ** امام حسین کی قربانی سے واضح کیا ہے ۔

خودی کا سرّ نہاں لا الہ الا اللہ — خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تونے متاع غرور کا سودا — فریب سود و زیاں لا الہ الا اللہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

دیکھیے فلسفی اعظم علامہ اقبالؔ، براکب دوش رسولؐ، پروردہ آغوش فاطمہؑ، لخت جگر علی مرتضیٰ یعنی محافظ دین اسلام، امام عالی مقام سید الشہداؑ کی بارگاہ عالی شان میں دل کے ٹکڑے نچوڑ کر کس طرح نذرانۂ عقیدت پیش کرکے محبت اہلبیتؑ کا حق ادا کرتے ہیں۔ ذیل میں پوری نظم مع ترجمہ پیش کی جاتی ہے ۔

''در معنی حریت اسلامیه و سرّ حادثۂ کربلا''

ہر کہ پیماں با ھُوالموجود بست — گردنش از بند ہر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است — عشق را ناممکنِ ما ممکن است
عقل سفاک است و او سفاک تر — پاک تر چالاک تر بے باک تر
عقل در پیچاک اسباب و علل — عشق چوگاں باز میدان عمل
عشق صید از زور بازو افگند — عقل مکار است و دامے می زند
آں کند تعمیر تا ویراں کند — ایں کند ویراں کہ آباداں کند
عقل چوں باد است ارزاں در جہاں — عشق کمیاب و بہائے او گراں
عقل محکم از اساس چون و چند — عشق عریاں از لباس چون وچند
عقل می گوید کہ خود را پیش کن — عشق گوید امتحان خویش کن
عقل با غیر آشنا از اکتساب — عشق از فضل است و با خود در حساب
عقل گوید شاد شو آباد شو — عشق گوید بندہ شو آزاد شو
عشق را آرام جاں حریت است — ناقہ اش را سارباں حریت است
آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد — عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد

آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؑ
سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر ‌‌ معنیِ ذبحِ عظیم آمد پسر
بہرِ آں شہزادۂ خیر الملل ‌‌ دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل
سرخ رو عشقِ غیور از خونِ او ‌‌ شوخیِ ایں مصرع از مضمونِ او
درمیانِ اُمّت آں کیواں جناب ‌‌ ہمچو حرفِ قُل ہُوَاللہ در کتاب
موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید ‌‌ ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوتِ شبیریؑ است ‌‌ باطل آخر داغِ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت ‌‌ حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیر الامم ‌‌ چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت ‌‌ لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطعِ استبداد کرد ‌‌ موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است ‌‌ پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر ‌‌ خود نہ کردے باچنیں ساماں سفر

دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتُعد
دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

سرِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود ‌‌ یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزمِ او چوں کوہساراں استوار ‌‌ پائدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس ‌‌ مقصدِ او حفظِ آئین است و بس
ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست ‌‌ پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد ‌‌ ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید ‌‌ از رگِ اربابِ باطل خوں کشید
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت ‌‌ سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم ‌‌ ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت ‌‌ سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز ‌‌ تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشک ما بر خاک پاک او رساں

ترجمہ: "ہر وہ شخص جو ہوالموجود یعنی خدائے لم یزل ولایزال سے پیمان عجز و نیاز باندھتا ہے اپنی گردن ماسوا اللہ کی عبودیت سے آزاد کراتا ہے۔ مومن عشق سے ہے اور عشق مومن سے ہے۔ عشق ہر ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ عقل سفاک ہے اور عشق سفاک تر۔ اور یہی نہیں بلکہ پاک تر، چالاک تر اور بے باک تر ہے۔ عقل بیچاک اسباب و علل میں گم رہتی ہے اور اس کے مقابلے میں عشق چوگان باز میدان عمل ہے۔ عشق اپنے صید کو زور بازو سے اٹھاتا ہے۔ عقل مکار ہے اور اپنے صید کے لئے دام بچھاتی ہے۔ عقل کا سرمایہ خوف و شک میں مضمر ہے۔ جب کہ عشق کے لئے عزم و یقین جزولاینفک ہے۔ عقل تعمیر کرتی ہے تا کہ ویران کرے۔ عشق ویران کرتا ہے تا کہ آباد کرے۔ عقل مثل باد اس جہاں میں ارزاں ہے۔ جبکہ عشق بے بہا و کمیاب ہے۔ عقل کا استحکام اس کی چون و چند کی بنیاد پر ہے اور اس کے مقابلے میں عشق لباس چون و چند سے آزاد ہے۔ عقل کہتی ہے خود کو پیش کر، عشق کہتا ہے اپنے کو امتحان میں ڈال۔ عقل اکتساب کے عمل پر غیر آشنا ہوتی ہے، عشق ذاتی احتساب سے باخبر ہوتا ہے۔ عقل کہتی ہے شاد رہ، آباد رہ، عشق کہتا ہے بندہ رہ، آزاد رہ۔ عشق کی آرام جاں حریت ہے اور اپنے ناقہ کی ساربان ہے۔ کیا تو نے سنا ہے کہ ہنگام نبرد عشق نے عقل ہوس پرور کے ساتھ کیا کیا۔

جوش کا جایا امام عاشقاں حسینؑ بستان رسول کا سرو آزاد ہے۔ اللہ اللہ! اس علو مرتبت کا پدر گرامی "بائے بسم اللہ" ہے اور وہ خود "معنی ذبح عظیم" ہے۔ اس شہزادہ خیر الملل کے لئے دوش ختم الرسلینؐ "نعم الجمل" ہے۔ عشق غیور اسی صاحب شکوہ کے خون سے سرخ رو ہے۔ اور اس کے خون کی سرخی اس مصرع کے مضمون کی شوخی اور دلاویزی ہے۔ امت رسولؐ میں وہ کیواں جناب ہجوؒ "قل ھو اللہ" در کتاب ہے۔ موسیؑ، فرعون اور شبیرؑ و یزید ایسی دو متحارب قوتیں ہیں جو ہمہ وقت برسر پیکار رہتی ہیں۔ حق قوت شبیری سے زندہ ہے اور باطل کے مقسوم میں آخر داغ حسرت و ناامیدی ہے۔ جب خلافت نے قرآن سے اپنا رشتہ توڑا تو جسد آزادی طلت مسموم ہو گیا۔ اس علو مرتبت (انسان کامل) کا سر اقدس جلوہ گاہ خیر الامم ہے اور وہ مانند سحاب قبلہ ہے جو برسنے کے لئے آمادہ ہے۔ یہ سحاب کرم سرزمین کربلا پر برس کر نکل گیا اور ویرانہ میں لالہ ہائے حریت کی تخم ریزی کر گیا۔ اس عالی مقام نے قیامت تک کے لئے قطع استبداد کر دیا۔ اور اس کے موج خون نے چمن نو ایجاد کئے۔ حق کی خاطر وہ حریت پناہ خاک و خون میں غلطیدہ ہوا اور

"بنائے لا الٰہ" رکھ کر چلا گیا۔ اگر اس کا مدعا سلطنت حاصل کرنا ہوتا تو اس قسم کی بے سروسامانی کا سفر ہرگز نہ کرتے۔ اس کے دشمن ریگ صحرا کی طرح لاتعداد تھے اور اس کے دوست یزدان (خدا) کے ہم عدد یعنی بہتر تھے۔ وہ سر ابراہیم و اسمٰعیل تھا۔ یعنی وہ اجمال اول کی تفصیل تھا۔ اس کا عزم پہاڑوں کی طرح محکم و مضبوط تھا۔ اس کا ارادہ پائدار، تند سیر، اور کامگار تھا۔ اس کی تیغ صرف عزت و عظمت دین کے لئے کھنچی تھی اور اس کا مقصد محض حفظ آئین رسولؐ تھا۔ مسلمان ماسوا اللہ کا بندہ نہیں اور کسی فرعون کے سامنے اس کا سر جھک نہیں سکتا۔ اس عالی مرتبت کے خون نے اس اسرار کی تفسیر کی اور ملت خوابیدہ کو بیدار کیا۔ اس نے "لا" کی تیغ جب میاں سے کھینچی تو ارباب باطل کی رگوں سے خون نکال ڈالا۔ اس نے صحرائے کربلا پر "نقش الا اللہ" لکھ دیا اور ہمارے نجات کے عنوان کی پہلی سطر لکھ دی۔ قرآن کا رمز میں نے حسینؑ ہی سے سیکھا اور اسی کی آتش محبت میں شعلہ کی مانند جل رہا ہوں۔ شام کی شوکت اور بغداد کا تجمل دفن ہو گیا۔ غرناطہ کی سطوت ہماری یادوں سے محو ہو گئی۔ لیکن اس کے زخمہ سے ہمارا تار حیات آج بھی لرز رہا ہے۔ اس کی تکبیر (اللہ اکبر) کی آواز سے آج بھی ایمان تازہ ہے۔ اے دور افتادگاں کی آرزو پوری کرنے والی صبا آ، اور ہمارے آنسوؤں کے نذرانے خاک پر نور لحد حسینؑ (کربلائے معلیٰ) پر نچھاور کر دے۔"

ذیل میں اب علامہ اقبال کے وہ متفرق اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن سے انہوں نے اپنے فلسفۂ خودی کو جلا بخشی۔ ان کے سامنے حسینیت کا ہی وہ نصب العین تھا جس کے جوہر نے مسلمانوں کے جذبۂ قربانی کو اجاگر کر دیا ہے

بیا تا ازیں انجمن بگذریم — ازیں کاخ و کوئے کہن بگذریم

دگر خیمہ در کربلائے زنیم — بہ ایں بے نوائے نوائے زنیم

نوائے کہ آتش کند خاک را — نوائے کہ وا سوزد افلاک را

نوائے کہ بے ساز تقدیر نیست — نوائے کہ بے ضرب شمشیر نیست

اگر بندۂ ایں نوائے زند

چو یزداں جہاں آفرینی کند

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر — مرگ پور مرتضیٰ چیزے دگر

جنگ شاہان جہاں غارت گری ست — جنگ مومن سنت پیغمبری است

جنگ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست — ترک عالم، اختیار کوئے دوست

آنکہ حرف شوق با اقوام گفت — جنگ را رہبانی اسلام گفت

کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخونِ خود خرید ایں نکتہ را

بسے ہم چو شبیرؑ در خوں نشست — نہ یک نالہ از سینہ او گسست
تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست — با من میا کہ مسلکِ شبیرؑم آرزوست
ریگِ عراق منتظر، کشتِ حجاز تشنہ کام — خونِ حسینؑ بازدہ کوفہ و شام خویش را
از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین — فقرِ سلطاں وارثِ جذبِ حسینؑ
قلندر میل تقریرے نہ دارد — بجز ایں نکتہ اکسیرے نہ دارد
ازاں کشتے خرابے حاصلے نیست — کہ آب از خونِ شبیرے نہ دارد

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ
اہلِ حق حریت آموز از حسینؑ

یک حسینے نیست کو گردد شہید — ورنہ در عالم بسیارند یزید

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق — معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق
اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری — میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیری
قافلۂ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں — گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات
حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری — بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

نماز عشق حسینؑ حجاز ہے گویا — یہی نماز خدا کی نماز ہے گویا
واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہراؑ کا میں — غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافعِ محشر مجھے
دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلبیتؑ — ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدرؑ مجھے

جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلا سے پیار ہے
حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے

کبھی میں قتل ہوا کربلا کے میداں میں — کبھی کبھی ہے ستم پر بھی آفریں میں نے

اے ریگِ سرخ تیرا ہر ذرہ کہہ رہا ہے
میں جانتا ہوں قصہ میدانِ کربلا کا

حواشی

۱۔ ان کے بارے میں شیخ مخدوم علامہ ہجویری (متوفی ۴۶۵ھ) کشف المحجوب (ص ۱۱۶ لاہور ایڈیشن) میں لکھتے ہیں:

"اختیار اہل حرمین و بجملہ مشائخ و قرۃ العین، ابو محمد عبداللہ محمد بن الفضل البلخی۔ از اجلۂ مشائخ بود و پسندیدہ اہل عراق و اہل خراسان۔ مرید احمد بن خضرویہ بود۔ ابو عثمان حیرے را بدو میلے عظیم۔ وے را از بلخ بیرون کردند۔ متعصبان را برائے عشق مذہب سرقند شد۔ و عمر آنجا بگذاشت۔ از وے می آید کہ بزرگ ترین اہل معرفت، مجتہد ترین ایشان باشد اندر ادائے شریعت و بارغبت ترین اندر حفظ سنت و متابعت۔ و ہر کہ بحق نزدیک تر بود با مرش حریف تر بود۔ و ہر کہ از وے دور تر بود از متابعت رسولؐ معروض تر بود....."

۲۔ نصیری۔ ایک فرقہ تھا جو علیؑ کو مظہر العجائب سمجھ کر خدا سمجھتا تھا۔ امام شافعی کو بھی شک تھا کہ علیؑ کہیں خدا تو نہیں ہیں۔ کہتے ہیں ؎

کفیٰ فی فضل مولانا علیٌ
وقوع الشکّ فیہ انہ اللہ

یہ علیؑ کے منتہائے قرب و کمال کی دلیل تھی۔

۳۔ علیؑ کی نماز کا کیا کہنا جس کی گواہی خدا اور رسول اللہؐ نے دی۔ سائل کو رکوع میں انگشتری دی تو آیۂ ولایت نازل ہوئی۔ پیر میں تیر پیوست ہو گیا جس کا نکالنا بہت مشکل تھا۔ سجدے میں تھے تیر نکالا گیا تو خبر تک نہ ہوئی۔ مسجد کوفہ میں آخری سجدے میں تھے کہ قاتل نے زہر آلود تلوار سے ایسا وار کیا کہ علیؑ پکار اٹھے فزتُ برب الکعبہ۔ قسم ہے رب کعبہ کی میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اقبال نے اسی نماز کی طرف اشارہ کیا جس کے لئے ڈوبا ہوا سورج نقطۂ عصر پر لایا گیا کسی نے خوب کہا ہے ؎

"کعبہ میں ولادت ہوئی مسجد میں شہادت"

۴ منصور۔ عرب کے ایک صوفی اور عارف تھے۔ انہوں نے ایک دن جوش میں آ کر کہا۔ "انا الحق" یعنی میں خدا ہوں۔ ان کو ہر ذرہ ذرہ میں خدائی آنے لگی۔ ۳۷۰ عالموں نے ان کے قتل کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ صاحب کرامت بھی تھے۔ ایک دن منصور کے قتل کا دن مقرر ہوا۔ تمام لوگ جمع ہو گئے کہ منصور دار پر چڑھائے جائیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ غائب ہو گئے۔ مشہور ہے کہ جب آخر کار سولی پر چڑھ گئے اور انا الحق انا الحق کہتے کہتے پھانسی لگائی اور جان بحق ہو گئے۔ جلاد نے ان کا سر قلم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ جو قطرہ خون کا ان کے بدن سے ٹپکتا تھا اس سے بھی انا الحق انا الحق کی آواز نکلتی تھی۔ موصوف علیؑ کے زبردست عقیدت مند تھے۔ علیؑ کی منقبت میں ان کے اشعار دوسری جگہ پر موجود ہیں

۵ قنبر۔ یوں تو آل محمدؐ میں کئی غلام اور کنیزیں تھیں۔ ان میں سے زہد و تقویٰ اور وفاداری کے لئے کتب تواریخ میں تین نام مشہور ہیں۔ قنبر غلام علی مرتضیٰ، جون حبشی۔ غلام امام حسینؑ اور فضہ کنیز فاطمہؑ۔ قنبر۔ علیؑ کے وفادار غلام تھے۔ شیخ ابو سعید ابوالخیر جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے تو کہتے تھے۔

اے صاحب ذوالفقار قنبر فتحے　　　　　در ہائے امید بر رخم بستہ شد

ایک دن حضرت علیؑ نے عید کے موقعہ پر دو کرتے خریدے تھے۔ ایک اچھا اور دوسرا معمولی۔ اچھا کرتا قنبر کو یہ کہہ کر دیا کہ تم جوان ہو اور تمہارے بدن پر سجے گا۔ معمولی کرتا اس کو اس لئے نہیں دیا کہ قنبر کو غلامی کا احساس نہ ہو جائے۔ اسی طرح کربلا میں جب جون حبشی کی شہادت ہوئی تو امام حسینؑ نے اپنا چہرہ جون کے رخساروں سے ملا اور وہ سلوک کیا جو اپنے فرزند جناب علی اکبر کے ساتھ نہیں کیا۔ جون ابوذر کے بعد امام حسینؑ کے غلام تھے۔ اقبال کہتے ہیں

پیش قرآن بندہ و مولا یکے ست　　　　　بوریا و مسند دیبا یکے ست......

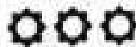
فضہ۔ حبشہ کے بادشاہوں میں کسی بادشاہ کی دختر تھیں۔ ان کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے۔ سورۂ ہل اتیٰ میں فضہ کا نام بھی شامل تھا۔

۶ نصیری: ایک گروہ کا نام ہے جو نصیر سے منسوب ہے۔ وہ حضرت علیؑ کو بوجہ ان کے علمی و روحانی کمالات کے خدا مانتا ہے۔ حضرت علیؑ نے نصیر کو قتل کیا کہ وہ اس کہنے سے باز آئے اور ان کی دعا سے پھر وہ زندہ ہوا مگر ہر بار وہ خدا کہنے سے باز نہ آیا۔ اب بھی وہ گروہ موجود ہے۔ اور اس کا یہی عقیدہ ہے۔ مرزا غالب بھی علیؑ کے کمالات دیکھ کر کہتے ہیں ۔

بسم در شمار ولی اللبیت　　　　　دلم راز دار علی اللبیت

ہے علامہ مرحوم ڈاکٹر اقبال نے شعر میں ایک اہم واقعہ کی نشاندہی کی ہے۔ آل محمد کی جود و سخا تاریخ اسلام کا اہم ترین واقع ہے۔ حضرت فاطمہؑ کی محتاج نوازی اور سخاوت کے بارے میں قرآن مجید میں پورہ سورہ "**ھل اتی**" موجود ہے۔ جس میں محتاجوں کے بدلے اللہ تعالیٰ نے آل محمد کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اقبال نے شعر میں اس واقعہ کی تلمیح بیان کی ہے جس کے بارے میں عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ بنی سلیم قبیلے سے ایک اعرابی سرکار رسالت مآب کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور گستاخانہ لہجہ میں ہمکلام ہوا۔ لیکن آنحضور کا عفو و درگذر اور حسن اخلاق دیکھکر اس اعرابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں انتہائی مفلس، نادار اور محتاج ہوں۔ میرے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ بچے بھوکے ہیں اور بھوک سے نڈھال ہو رہے ہیں۔ سرور کونین کا یہ سننا تھا کہ آپؐ نے حضرت سلمان فارسی کو نزدیک بلایا۔ اور کہا کہ جاؤ اس سائل کو ہماری بیٹی فاطمہؑ کے دروازے پر لے جاؤ۔ جناب سلمان آگے آگے اور اعرابی پیچھے پیچھے ہولیا۔ سلمان نے دقّ الباب کیا۔ پردے کے اوٹ سے فاطمہؑ نے آمد کا سبب دریافت کیا۔ جناب سلمان نے تمام واقعہ بیان کیا۔ جناب فاطمہؑ جلدی سے اندر گئیں اور ایک چادر پر نظر پڑی۔ وہی لا کر سلمان کے سپرد کی اور کہا کہ جاؤ اسے شمعون یہودی کے ہاں دے کر اس سے اس اعرابی کو غلہ اور دیگر ضروریات زندگی لے دو۔ جناب سلمان نے ایسا ہی کیا۔ سلطان مرزا دہلوی اپنی کتاب سیرت فاطمہؑ میں لکھتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ نے اپنی چادر زید یہودی کے پاس گروی رکھ دی اور اس سے کچھ جو قرض لئے۔ جب زید یہودی اپنے گھر میں داخل ہوا تو سارا گھر نور سے بھرا پایا۔ اپنی بیوی سے پوچھا۔ یہ نور کیسا ہے۔ جواب ملا کہ ہمارے گھر میں حضرت فاطمہ کی چادر ہے۔ پس اس چادر سے وہ یہودی، اس کی بیوی اور اس کے ہمسائے کل اسّی لوگ ایمان لائے۔ اقبال نے چادر زہرا کے بارے میں آجکل کے نام نہاد مسلمانوں کے بارے میں یہ بھی کہا ہے ۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؑ



وحی والہام میں قرآنی آیات کے حوالے

ہر پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کتاب میں شروع ہوتی ہے

نمبر شمار	نام سورہ	نمبر آیت	آیت مع ترجمہ
۱۔	نساء	۱۶۳	**إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ** (اے رسول، ہم نے تمہارے پاس (بھی) تو اسی طرح وحی بھیجی ہے، جس طرح نوحؑ اور ان کے بعد والے پیغمبروں پر بھیجی تھی اور جسطرح ابراہیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب......
۲۔	یونس	۲	**أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ.** لوگوں کو اس بات سے بڑا تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں لوگوں میں سے ایک آدمی کے پاس وحی بھیجی کہ (بے ایمان) لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان داروں کو اس کی خوش خبری سنادو کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کی بارگاہ میں بلند درجہ ہے۔
۳۔	یونس	۱۵	**قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ......** (اے رسول) تم کہہ دو کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اسے اپنے جی سے بدل ڈالوں میں تو بس اسی کا پابند ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔

۴۔ یونس ۸۷ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِکُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی (ہارون) کے پاس وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لئے گھر بنا ڈالو۔

۵۔ یونس ۱۰۹ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ وَاصْبِرْ

(اے رسول) تمہارے پاس جو وحی بھیجی جاتی ہے تم بس اسی کی پیروی کرو اور صبر کرو۔

۶۔ ہود ۱۲ فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ بَعْضَ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ وَضَآئِقٌ.....

جو چیز تمہارے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجی ہے

۷۔ ہود ۳۶ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ.....

اور نوح کے پاس یہ وحی بھیج دی گئی تھی کہ جو ایمان لا چکا (وہ لا چکا) ان کے سوا اب کوئی شخص تمہاری قوم سے ہرگز ایمان نہ لائے گا۔

۸۔ ہود ۳۷ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

ہمارے روبرو اور ہمارے حکم سے کشتی بنا ڈالو اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے سفارش کرنا

۹۔ ہود ۴۹ تِلْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ

(اے رسولؐ) یہ غیب کی چند خبریں ہیں جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔

۱۰۔ یوسف ۳ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

ہم تم پر یہ قرآن نازل کر کے تم سے ایک نہایت عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں۔

۱۱۔ یوسف ۱۰۲ ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ

(اے رسول) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تمہارے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجتے ہیں۔

۱۲۔	یوسف	۱۰۹	وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی اور (اے رسولؐ) تم سے پہلے بھی ہم گاؤں ہی کے رہنے والے کچھ مردوں کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا کئے ہیں کہ ہم ان پر وحی نازل کرتے تھے۔
۱۳۔	ابراہیم	۱۳	فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ (تم گھبراؤ نہیں) ہم ان سرکش لوگوں کو ضرور غارت کرینگے۔
۱۴۔	انعام	۲۰	وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ اور میرے پاس یہ قرآن وحی کے طور پر اس لئے نازل کیا گیا تاکہ میں تمہیں اور جسے اس کی خبر پہنچے اس کے ذریعے ڈراؤں۔
۱۵۔	انعام	۵۱	----اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ---- میں تو بس جو (خدا کی طرف سے) میرے پاس وحی کی جاتی ہے اس کا پابند ہوں۔
۱۶۔	انعام	۹۳	وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ (موٹ) افترا کر کے کہے کہ ہمارے پاس وحی آئی ہے حالانکہ اس کے پاس وحی وغیرہ کچھ بھی نہیں آئی ۔وہ شخص دعویٰ کرے کہ جیسا قرآن خدا نے نازل کیا ہے ویسا میں بھی عنقریب نازل کئے دیتا ہوں۔
۱۷۔	انعام	۱۰۷	اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ جو کچھ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے وحی کی جائے بس اسی پر چلو۔

۱۸۔	انعام	۱۴۶	قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ (اے رسول) تم کہو کہ میں تو جو (قرآن) میرے پاس وحی کے طور آیا ہے اس میں کوئی چیز اسکو کھائے حرام نہیں پاتا۔
۱۹۔	نحل	۴۳	وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اور (اے رسولؐ) تم سے پہلے آدمیوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا کے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے تو اگر تم خود نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھو۔
۲۰۔	نحل	۱۲۳	ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا (اے رسول) پھر ہم نے تمہارے پاس وحی بھیجی کہ ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو۔
۲۱۔	بنی اسرائیل	۳۹	ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ یہ بات تو حکمت کی ان باتوں میں سے ہے جو تمہارے پروردگار نے تمہارے پاس وحی بھیجی
۲۲۔	بنی اسرائیل	۷۳	وَاِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ۔ اور (اے رسولؐ) ہم نے جو قرآن) تمہارے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجا اگر چہ لوگ تو تمہیں اس سے بہکانے ہی لگے تھے تاکہ تم قرآن کے علاوہ پھر افترا باندھو۔
۲۳۔	بنی اسرائیل	۸۶	وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ... اور (اے رسولؐ) اگر ہم چاہیں تو جو (قرآن) ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے (دنیا سے) اٹھالے جائیں پھر تم اپنے واسطے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔

۲۴ـ	کہف	۲۷	وَ اتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ (اور اے رسول!) جو کتاب تمہارے پروردگار کی طرف سے وحی کے ذریعہ سے نازل ہوئی ہے اسکو پڑھا کرو
۲۵ـ	کہف	۱۱۰	قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (اے رسول کہدو) کہ میں بھی تمہارا ہی ایسا ایک آدمی ہوں (فرق اتنا ہے) کہ میرے پاس یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود یکتا معبود ہے۔
۲۶ـ	طٰہٰ	۱۳	وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى اور میں نے تم کو (پیغمبری کے واسطے) منتخب کیا ہے تو جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے اُسے کان لگا کر سنو
۲۷ـ	طٰہٰ	۴۹	اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى۔ ہمارے پاس خدا کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی ہے کہ یقیناً عذاب اسی شخص پر ہے جو (خدا کی آیتوں کو) جھٹلائے۔
۲۸ـ	طٰہٰ	۷۷	وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اور ہم نے موسیٰؑ کے پاس وحی بھیجی
۷	انبیاء		وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ اور (اے رسولؐ) ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا کہ ان کے پاس وحی بھیجا کرتے تھے
۲۵	انبیاء		وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ...... اور (اے رسولؐ) ہم نے تم سے پہلے جب کوئی رسول بھیجا تو اس کے پاس ہم بھی وحی بھیجتے رہے
۴۵ـ	انبیاء		قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ (اے رسولؐ) تم کہدو کہ میں تو بس لوگوں کو وحی کے مطابق (عذاب سے) ڈراتا ہوں۔
۱۰۸ـ	انبیاء		قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ تم کہدو کہ میرے پاس تو بس یہی وحی آئی ہے

۲۷	مومنون	فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ...... ہم نے نوح کے پاس وحی بھیجی کہ تم ہمارے سامنے کشتی بنانا شروع کرو۔
۵۲	شعرا	وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ تم میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ کیونکہ تمہارا پیچھا کیا جائیگا۔
۴۵۔	عنکبوت	اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ...... (اے رسول) جو کتاب تمہارے پاس نازل کی گئی ہے اس کی تلاوت کرو۔
۳۰	احزاب	وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اور اگر میں راہ راست پر ہوں تو اسی وحی کے طفیل سے جو میرا پروردگار میری طرف بھیجتا ہے
۳۱	فاطر	وَ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا...... اور ہم نے جو کتاب تمہارے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجی وہ بالکل ٹھیک ہے۔
۶۵	زمر	وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ (اے رسول) تمہاری طرف سے اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یقیناً یہ وحی بھیجی جا چکی ہے۔
۳	شوریٰ	كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ (اے رسولؐ غالب و دانا خدا تمہاری طرف اور جو (پیغمبر) تم سے پہلے گذرے ان کی طرف یونہیں وحی بھیجتا رہتا ہے۔
۷	شوریٰ	وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اور ہم نے تمہارے پاس عربی قرآن یوں بھیجا تا کہ تم مکہ والوں کو اور جو لوگ اس کے گرد رہتے ہیں ان کو ڈراؤ......
۱۳	شوریٰ	وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا...... اور (اے رسول) اس کی ہم نے تمہارے پاس وحی بھیجی ہے

۵۱	شوریٰ	وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اور کسی آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے مگر وحی کے ذریعہ سے
۵۲	شوریٰ	وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم کی روح (قرآن) تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی۔
۴۳	زخرف	فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ تمہارے پاس جو وحی بھیجی گئی ہے تم اُسے مضبوط پکڑے رہو
۹	احقاف	اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَ مَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ میں تو بس اس کا پابند ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے اور میں تو بس اعلانیہ ڈرانے والا ہوں۔
۴	والنجم	اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے
۹	والنجم	فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى خدا نے اپنے بندے کی طرف جو وحی بھیجی۔
۱	جن	قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ... (اے رسول) لوگوں لوگوں سے کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن کو) جی لگا کر سنا۔
۳	رعد	كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ..... اسی طرح ہم نے تم کو اس امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے اور بھی سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ تم ان کے سامنے جو قرآن ہم نے وحی کے ذریعے سے تمہارے پاس بھیجا ہے۔
۷۰	ص	فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ۔ یہ لوگ بھی ان کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے ہیں

۲۰۲	اعراف	قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحىٰٓ اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ (اے رسولؐ) تم کہدو کہ میں تو بس اسی وحی کا پابند ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس آتی ہے۔
۷	قصص	وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے پاس یہ وحی بھیجی کہ تم اس کو دودھ پلا لو۔
۶۸۔	نحل	وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ...... اور (اے رسول) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں اور درختوں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں (اور مکانات پاٹ کر) بناتے ہیں ان میں اپنے چھتے بنا......
۳۸	طٰہٰ	اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى جب ہم نے تمہاری (موسیٰ کی) ماں کو الہام کیا جواب تمہیں وحی کے ذریعے سے بتایا جاتا ہے
۱۲	انفال	اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ......كُلَّ بَنَانٍ الخ (اے رسول یہ وہ وقت تھا) جب تمہارا پروردگار فرشتوں سے فرمارہا تھا کہ میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں۔ تم ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو۔ میں بہت کافروں کے دلوں میں (تمہارا رعب) ڈال دوں گا (بس پھر کیا ہے اب) تو ان کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کی پور پور کو چٹیلی کر دو"
۱۱	مریم	فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا پھر ذکریا (اپنے عبادت کے حجرے سے) اپنی قوم کے پاس (ہدایت دینے کے لئے) نکلے تو ان سے اشارہ کیا (سودہ۔ یعنی اشارہ الہم بدلیل اینکہ قبل ازیں در ہمیں سورہ آیہ ۱۰ فرسودہ است) صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو۔

آیتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا
حکم ہوا تمہاری پہچان یہ ہے کہ تم تین رات (دن) برابر لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے۔

۴۱	آل عمران	قَالَ آیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا پروردگار میرے (اطمینان کے) لئے کوئی نشانی مقرر فرما۔ ارشاد ہوا۔ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔
۱۲	سورہ فصلت	وَ اَوْحٰی فِی کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا یعنی قدر فیہا (اور ہر آسمان میں اس کے معاملے کی وحی کر دی)
۱۱۱۔	مائدہ	وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ آمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔
۵۔	زلزال	بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا۔ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم دیا ہوگا
۷۳	انبیاء	وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً ....وَ اِیْتَآءَ الزَّکٰوةِ الخ اور ہم نے ان سب کو (لوگوں کا) پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ان کی ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کے پاس نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی بھیجی تھی۔
۱۱۲	الانعام	وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ ہم نے (خود آزمائش کے لئے) شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا۔ وہ لوگ ایک دوسرے کو فریب دینے کی غرض سے چکنی چپڑی باتوں کی سرگوشی کرتے ہیں

۱۲۲	الانعام	وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوحُوْنَ اِلٰىٓ اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ... اور شیاطین تو اپنے ہواخواہوں کے دل میں وسوسہ ڈالا ہی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے (بیکار بیکار) جھگڑے کیا کریں...
۱۳	والنجم	وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى اور انہوں نے (تو اس جبرئیل کو ایک بار (شب معراج) اور دیکھا ہے
۱۷		مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ان کی آنکھ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔
۱۸۔		لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى اور انہوں نے یقیناً اپنے پروردگار (کے قدرت) کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔
۸	شمس	فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو اُسے سمجھا دیا۔
۲۸	سبا	وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (اے رسول) ہم نے تو تم کو تمام (دنیا کے) لوگوں کے لئے (نیکوں کو بہشت کی) خوش خبری دینے والا اور بدوں سے عذاب سے ڈرانے والا پیغمبر بنا کر بھیجا۔
۳۱	احقاف	يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ...... اے ہماری قوم خدا کی طرف بلانے والی کی بات مانو اور خدا پر ایمان لاؤ
۵۶	الذاریات	وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ اور میں نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں

۱۱۵ توبہ

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُوْنَ

خدا کی یہ شان نہیں کہ کسی قوم کو جب ان کو ہدایت کر چکا ہو اس کے بعد انہیں گمراہ کر دے حتیٰ کہ وہ انہیں ان چیزوں کو بتا دے جس سے وہ پرہیز کریں۔

۷ زمر

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ

(خدا) اپنے بندوں سے کفر اور ناشکری کو پسند نہیں کرتا۔

۱۰۴ نساء

وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ...... الیٰ آخر

اور (مسلمانو) دشمنوں کے پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو۔

۱۴۰ آل عمران

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ۔۔

اگر (جنگ احد میں) تم کو زخم لگا ہے تو اسی طرح (بدر میں) تمہارے فریق (کفار) کو زخم لگ چکا ہے (اس پر ان کی ہمت نہ ٹوٹی) یہ اتفاقات زمانہ ہیں جو ہم لوگوں کے درمیان باری باری الٹ پھیر کیا کرتے ہیں اور یہ (اتفاقی شکست اس لئے تھی) تا کہ خدا سچے ایمانداروں کو (ظاہری) مسلمانوں سے الگ دیکھ لے۔ تم سے بعض کو درجۂ شہادت پر فائز کرے اور خدا (حکم رسول سے) سرتابی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

۱۷ عنکبوت

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا......

تم لوگ تو خدا کو چھوڑ کر صرف بتوں کی پرستش کرتے ہو اور جھوٹی باتیں (اپنے دل سے) گڑھتے ہو۔ اس میں تو شک ہی نہیں کہ خدا کو چھوڑ کر جن لوگوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہاری روزی کا اختیار نہیں رکھتے۔ بس خدا ہی سے روزی بھی مانگو اور اسی کی عبادت بھی کرو اس کا شکر کرو (کیونکہ) تم لوگ (ایک دن) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۲۳ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا

اور ابراہیم نے (اپنی قوم سے) کہا کہ تم لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر بتوں کو صرف دنیاوی زندگی میں باہم محبت کرنے کی وجہ سے (خدا) بنا رکھا ہے۔ پھر قیامت کے دن تم میں سے ایک کا ایک انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور آخر میں تم لوگوں کو ٹھکانا جہنم ہے اور (اس وقت) تمہارا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

۷ مائدہ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

اے ایماندارو جب تم نماز کے لئے آمادہ ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کر لیا کرو

۱۶۵ نساء لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ

پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے

۶۵ نساء فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

پس (اے رسول) تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم (نہ) بنائیں۔ پھر (یہی نہیں بلکہ) جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو بھی مان لیں۔

۶۷ مائدہ يَـٰٓأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

اے رسول جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

۳	مائدہ	اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

(تشریح۔ جب حضرت رسولؐ آخری حج سے فارغ ہو کر مدینہ کو واپس چلے تو راستے میں ۱۸ ذی الحج کو غدیر خم میں تاکیداً یہ حکم نازل ہوا کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور جو حکم ہم نے تمہارے پاس بھیجا ہے پہنچا دو۔ آپ نے فوراً لوگوں کو روکا اور مجمع کثیر کے سامنے ایک خطبہ طولانی کے بعد حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا **من کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ...... اللھم وال من والاہ و عادمن عاداہ وانصرمن نصرہ وَ اخذل من خذلہ**

(میں جس کا حاکم ہوں اس کا علیؑ حاکم ہے۔ خدایا جو اُسے دوست رکھے اُسے دوست رکھ اور جو اُسے دشمن رکھے اُسے دشمن رکھ اور جو اس کی مدد کرے اس کی مدد کر اور جو اُسے ذلیل کرے اُسے ذلیل کر۔ اس کے بعد لوگوں نے مبارکباد دی۔ چنانچہ حضرت عمر نے بھی کہا اے علیؑ مبارک ہو کہ ہمارے اور کل مومن و مومنہ کے حاکم ہوئے۔ دیکھو مشکوۃ۔ جب یہ سب ہو چکا تو حضرت جبرئیل آیت لے کر نازل ہوئے۔ دیکھو تفسیر درمنثور ملا جلال الدین سیوطی جلد ۲ ص ۲۹۰ سطر ۳ مطبوعہ مصر

۶۹	قصص	وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ

اور (اے رسول) یہ لوگ جو باتیں اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے۔

۶۸		وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ط مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ط سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) منتخب کرتا ہے۔

۷	رعد	إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

(اے رسولؐ) تم تو صرف (خوف خدا سے) ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہے(۱)" ابن مردویہ، ابن جریر اور ابونعیم نے معرفت میں اور دیلمی ابن عساکر اور ابن نجار نے روایت کی ہے کہ جب آیہ" انما انت منذر ولکل قوم ہاد" نازل ہوا تو رسول اللہ نے اپنے ہاتھ کو اپنے سینے پر رکھا اور فرمایا انا منذر یعنی میں ڈرانے والا ہوں پھر اپنے ہاتھ سے علیؑ کے شانہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا" انت الہادی یا علی بک یہتدی المہتدون بعدی۔ اے علی تم ہی ہدایت کرنے والے ہو اور میرے بعد تمہارے ہی ذریعہ سے ہدایت یافتہ لوگ ہدایت پائینگے اور اسی روایت کو باختلاف الفاظ ابن مردویہ نے ابو برزہ اسلمی سے اور ضیاء فی المختار نے ابن عباس سے اور عبداللہ ابن احمد نے زوائد مسند اور ابن ابی حاتم اور طبرانی نے اوسط میں اور حاکم نے روایت بھی کی ہے اور ابن مردویہ اور ابن عساکر نے خود حضرت علیؑ سے بھی روایت کی ہے۔ دیکھو تفسیر در منشور ملا جلال الدین سیوطی جلد۴ صفحہ ۴۵ سطر ۱۲ تا ۲۰ مطبوعہ مصر۔ اس سے فقط حضرت علیؑ کی امامت وخلافت بلا فصل ثابت نہیں ہوئی بلکہ دوازدہ امام کی امامت۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہے اور رسولؐ نے اس کو منحصر کر دیا ذات علیؑ میں تو قیامت تک ہر قوم کے ہادی حضرت علیؑ ہوں گے یا ان کی اولاد"

۲۴	فاطر	وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ

اور کوئی اُمت (دنیا میں) ایسی نہیں گزری کہ اس کے پاس (ہمارا) ڈرانے والا (پیغمبر) نہ آیا ہو۔

۸۴	نحل	وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا

اور جس دن ہم ہر ایک امت میں سے (اس کی پیغمبر کو گواہ (بنا کر) قبروں سے اٹھا کھڑا کریںگے۔

۵۹	نساء	يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ اے ایمان والو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور جو تم میں سے صاحبان حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو۔



فرہنگ الفاظ وتشریحات

صفحہ	لفظ	تشریح
صفحہ ۱۱	مہیتہ	ماہیت، مآل حقیقت
"	وحی شہودی	عالم مشاہدہ میں روح الامین کی زبانی کلام ربانی کا نزول یا ارتجاط سواصلاتی
"	وحی انکشافی	بوقت التفات حضور اکرم کی قوت مدرکہ کے حصول کا ئنات کی کسی بھی شے کا اپنی پوری حقیقت کے ساتھ حاضر ہو جانا۔
۱۳	نفس نبویہ	شیرازہ نبوت کا وہ مرکز جو لۂ انسانیہ سے بالاتر ہے۔
"	مجردات عالیہ	غیر مادی فہرست میں اعلیٰ ترین نورانی معلومات
"	اشکال غیر ہیولی	ہیولیٰ مادہ کو کہتے ہیں۔ مادی شکلیں ہیولاتی کہلاتی ہیں جیسے ملائکہ اور حوروں کی شکلیں اور صورتیں
"	مجردات برزخیہ	مابعد الطبعاتی نظام میں مادہ سے جدا ہو جانے والی چیزیں ہیں جن کو ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ کسی امریکی ٹی وی سینٹر سے ٹیلی کاسٹ کیا جانے والا پروگرام ہمارے ٹیلی وژن سیٹوں تک پہنچنے کی مسافت کے دوران مجردات برزخیہ کی نوعیت رکھتا ہے۔ بلکہ ٹی وی کے پردہ پر نظر آنے والا پروگرام بھی ایک طرح غیر مادی اور برزخیہ ہے۔
"	حواس خمسہ ظاہری	ہمارے دیکھنے سننے سونگھنے چکھنے اور مس کرنے کی پانچوں طاقتوں کو باصرہ سامعہ، شامّہ، ذائقہ اور لامسہ کہتے ہیں
"	حس مشترک	وہ قوت ہے جو دیکھنے سونگھنے چکھنے اور چھونے کی صلاحیتوں کو بیک وقت کنٹرول کرتی ہے۔

"	اَلنَّفسُ فی وَحْدَتِھا کل القویٰ	نفس ہی خود تنہا ہر قوت اور ہر طاقت ہے یعنی سب کچھ ہے
۱۴	علم مرایا	علم رویا۔ تعبیرات خواب کا علم۔ ملاحظہ ہو سورۂ یوسف
"	علم مناظرہ	باطل کے عقائد، نظریات و اعتراضات کا جواب دلائل کے ساتھ
"	تلقی شدن	قبول کرنا۔ وہ چیز جو ہم تک پہنچی ہے
۱۵	مشاعر	شعور کے مراکز۔ اعضائے شعور
"	قوائے نفس	نفس کی قوتیں۔ قوت مدرکہ، قوت ارادیہ، قوت محرکہ وغیرہ
"	قرع	وہ آواز جو تصادم کا نتیجہ ہو
"	قلع	وہ فضا کا ارتعاش دھما کا جو دفعتہً جگہ چھڑانے سے پیدا ہو۔
"	وحی متلو	تلاوت کی جانے والی آیات پر مشتمل وحی۔ یعنی آیات قرآنی
"	وحی غیر متلو	احادیث قدسیہ و سُنّن نبویہ
۱۷	آلات مادی	ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک وغیرہ
"	انطباع	قبولیت عکس بلکہ قبولیتِ اثر
"	انطباع قوائے نفسانی	نفس کی متذکرہ قوتوں کے اثرات خارجی یا داخلی سے متاثر ہونا یا انعکاس کو قبول کرلینا
"	پردۂ جلیدی	آنکھ کی تین رطوبتوں میں سے ایک رطوبت
"	مبرسمین	وہ بیمار حضرات جو مرض برسام (نمونیہ) میں مبتلا ہوں۔ ان پر جب ہذیانی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس میں تعریف وحی کا اشتباہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حواس داخل و خارج دونوں جانب سے حس مشترک میں انطباعی کیفیت متاثر ہوتی ہے
"	ورم الرّیہ	پھیپھڑے کا ورم
۱۹	انطباع حس مشترک	حواس خمسہ ظاہری اور حواس خمسہ باطنی کے اپنے اپنے عمل کا حس مشترک میں انجذاب ہونا

٭	شطحیات	اصطلاح تصوف میں مجذوب حضرات کے غیر شرعی کلمات۔اس میں بھی اختلال حواس ظاہری و باطنی سے حس مشترک متاثر ہو کر ایسے مظاہرے کرتا ہے جس سے عوام کو وحی و الہام کا مغالطہ ہو جاتا ہے
۲۱	اِدعانات جزئی	مخصوص نظریات
٭	عقول طولیہ	عقل اوّل عقل ثانی سے لے کر عقل عاشر دسویں عقل تک یہ دس عقلوں کا سلسلہ عقول طولیہ کہلاتا ہے۔
۲۵	براھین انّیۃ و لِمّیۃ	منطق میں برہان یعنی دلیل قطعی کی دو قسمیں ہیں برہان انّی وہ یقینی قیاس ہے جس کا حدِ اوسط صرف ذہن میں ثبوت حکم کی علت ہوتا ہے
٭	برھان لِمّی	وہ یقینی قیاس ہے جس کا حدِ اوسط ذہن اور خارج دونوں میں ثبوت حکم کی علت ہوتا ہے
٭	الھام خطوری	چونکہ خاطر دل کو کہتے ہیں۔اس لئے دل میں خود بخود پیدا ہونے والی بات کو الہام خطوری کہتے ہیں
٭	الھام حدسی	حدس منطقی قاعدوں کو استعمال کئے بغیر جو نتیجہ دفعتہً حاصل ہو جاتا ہے اس کو حدس کہتے ہیں۔بزرگان مذہب کے اسی حدس کو الہام حدسی کہتے ہیں
٭	تنظیم آدِلہ	اَدِلہ جمع دلیل۔مراد محکم اور درست دلیلیں
٭	الھام مبادی	کسی کام کرنے کے متعلق دل میں پیدا شدہ خیال کو کہتے ہیں
٭	عضلات	رگ، پٹھے
٭	وَعَلّمک مالم تکن تعلَم	جو باتیں تم نہیں جانتے تھے تمھیں سکھا دیں
٭	انک لعلیٰ خلق عظیم	بے شک تمہارے اخلاق بڑے اعلیٰ درجے کے ہیں
۲۹	مکارم سامیہ	اخلاق عظیمہ، بلند مرتبہ قدریں۔

"	شرک	اللہ کے ساتھ کسی کو شریک الوہیت ماننا۔
"	تعددِ الٰہ	کئی خداؤں کو ماننا
۳۱	یدبیضا	(چمکدار ہاتھ) حضرت موسیٰؑ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے تو وہ ہاتھ چمکدار ہو جاتا تھا
"	فرقِ بحر	(دریا کا شگاف) حضرت موسیٰؑ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ نے دریائے نیل میں اپنا عصا مارا تو دریا میں شگاف پڑ کر راستہ بن گیا تھا
"	قلب عصا	عصا کا منقلب ہو جانا۔ یہ بھی حضرت موسیٰؑ کا معجزہ تھا کہ آپ جب اپنا عصا زمین پر ڈالتے تھے تو وہ اژدھا بن جاتا تھا
"	اِغفال	بے خبری، غفلت، ناواقفیت، غافل کرنا
"	اعمّ	جو سب جگہ عیاں ہو، جس کو تمام لوگ جانتے ہوں۔
۳۱	اشنع وافضح	ذلیل اور رسوا ترین
۳۵	سبعہ مُعلقہ	عرب شعراء کے وہ سات معیاری قصیدے جو بے مثال سمجھے جانے کی وجہ سے خانہ کعبہ میں لٹکائے گئے تھے۔
"	غزل حماست	ابو تمام کے دیوان کا نام، جس میں شجاعان عرب کی دلیری کے اشعار جمع تھے
۴۱	لا اکراہ فی الدین	دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ہے
۴۳	اَلیَومَ اَکملتُ لکُم دینکُم	یعنی آج میں نے تمہارے لئے دین (اسلام) کو کامل کیا
"	کالنارِ علی المنار وشمس	جیسے کہ آگ آتشدان منارے پر اور سورج چوتھے آسمان میں
"	فی رابعۃ النہار	(بلا اختلاف واضح رہتا ہے)

۴۵	لا نبی بعدی	حدیث منزلت۔ "یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا نبی بعدی اے علی تیرا درجہ مجھ سے ایسا ہے جیسے ہارون کا درجہ موسیٰ سے تھا۔ مگر یہ کہ میرے بعد پیغمبری نہیں ہے۔
	حتیٰ الذی یستلز ما التضاد عصمتنا......من اتبع الھدیٰ	عقل فطری کا مستقلا حکم بدیہی یہ ہے کہ تناقض باطل اور محال حتیٰ کہ وہ چیزیں بھی محال ہیں جن سے تضاد لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے خواہشات نفسانی کی پیروی سے اور محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ کے لئے (بلا ثبوت) باتیں فرض کرنے سے اور ہم کو توفیق عطا فرمائے اپنی خوشنودیوں کی۔ بے شک وہ توفیقات کا مالک ہے اور آخر میں سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

برھان امامت

صفحہ نمبر		
۵۲-۵۳	علم کلام	وہ علم کہ جس میں اسلام اور اسلامیات پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات حکمت وفلسفہ کے ذریعہ سے دیئے جاتے ہیں
	علم الو لوجیا	علم الٰہیات میں وہ مبحث جس میں صرف معارف الٰہیہ سے بحث کی گئی ہے۔ یعنی صرف صفات و ذات باری تعالیٰ سے۔ کتاب کے متن اور ترجمہ میں غلطی سے "علم اصولوجیا" لکھا گیا ہے)
صفحہ ۶۲	قطع سارق	چور کے ہاتھ کاٹنے سے متعلق (احکام) کی طرف اشارہ ہے
	میراث جدہ	دادی کی میراث کے متعلق حکم کی طرف اشارہ ہے
	حکم کلالہ	مادری بھائی بہن کی میراث کا حکم
صفحہ ۶۳	مُھور	جمع مہر

	آیہ مقولات از مہور نساء	وہ آیت جو زیادتی مہر سے متعلق ہے۔ اس کا ذکر سورۂ نساء آیہ انیسویں میں اس طرح کیا گیا ہے
صفحہ ۶۳	وَ اِنْ اَرَدْتُّم اِسْتِبْدَالَ زَوْجٍ ..... وَ اِثْمًا مُّبِیْنًا	اور اگر تم ایک بی بی (کو طلاق دے کر اس) کی جگہ دوسری بی بی (نکاح) کرکے تبدیل کرنا چاہو تو اگر چہ تم ان میں سے ایک کو (جسے طلاق دینا چاہتے ہو) بہت سا مال دے چکے ہو تاہم اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا (تمہاری یہی غیرت ہے کہ خواہ مخواہ) کوئی بہتان باندھکر یا صحیح جرم لگا کر (واپس لے لو......)
صفحہ ۶۵	زیدبن ثابت	کاتب وحی تھے۔ آپ سریانی زبان میں خطوط کا ترجمہ کرتے تھے۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قرآن جمع کیا۔ بقول بعض ۵۶ ہجری میں انتقال کیا (استیعاب ۱۹۵)
	انس ابن مالک	حضور اکرمؐ کے خادم تھے۔ لیکن آل رسولؐ کے دوست نہیں تھے اصحاب رسولؐ میں سب سے آخر میں ۹۱ ہجری میں انتقال کیا
	سعید ابن عاص اموی	انہوں نے حضرت عثمانؓ کے لئے قرآن جمع کیا تھا۔ یہ کوفہ کے گورنر بنائے گئے۔ پھر معاویہ ابن سفیان نے مدینہ کا حاکم بنایا۔ معاویہ کے زمانہ میں ۵۹ ہجری میں انتقال ہوا۔
	تفسیر اِتقان	علامہ سیوطی کی مشہور و معروف تفسیر ہے۔ ان کا نام جلال الدین تھا۔ مصر کے ایک قصبہ "اسیوط" میں ۱۴۴۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰۵ء میں انتقال کیا۔
	تفسیر در منشور	علامہ سیوطی کی مشہور کتاب ہے
	ابن خلکان	شمس الدین ابن خلکان (۱۲۱۱ء۔۱۲۸۲ء) مشہور مورخ قاضی اور تذکرہ نویس تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔
	عبدالملک ابن مروان	خلفائے بنی امیہ کے زمانے میں صاحب اقتدار تھا

صفحہ	لفظ	معنی
	نزل القران علیٰ سبعة اَحْرُف.	قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے (حدیث)
صفحہ ۶۹	علامہ محمد حسن قزدینی	اعلیٰ پایہ کے عالم دین تھے۔ صاحب جواہر کہہ کر مشہور ہیں
	مُحکمات	قرآن مجید کی وہ آئتیں جو بالکل واضح ہیں۔
	مُتشابہات	قرآن مجید کی وہ آئتیں جن کے معنی بغیر تفسیر سمجھنا مشکل ہے
	وَسائرمَا اشتمل علیہ القران من المذکوَرات	مذکورہ تمام وہ چیزیں جن پر قرآن مجید مشتمل ہے
۷۱	اَقرَ و اَلما یقرہ النساس	جیسے اور سب لوگ پڑھتے ہیں ویسے تم بھی پڑھو
۷۷	ابن عباس	حضور اکرمؐ کے چچا حضرت عباس کے بیٹے اور مفسرین میں امیر المومنین حضرت علیؑ کے شاگرد اور تمام مفسرین کے مورث اعلیٰ۔ رسولؐ نے انہیں فہم دین اور علم تفسیر کی دعا دی تھی
	عبدابن حمید	اعمش کے دور کے راوی
	اعمش	ان کا نام سلمان تھا۔ اولین قاریان قرآن میں قاری تھے
	شیخ الطائفہ	جناب شیخ ابو جعفر طوسی صاحب تہذیب و استبصار۔ آپ کی یہ دونوں کتابیں کتب اربعہ میں شمار ہیں شیخ الطائفہ کے بارے میں مزید تفصیلات آخر میں ملاحظہ ہوں
۷۹	شَھد اللہ وَکفیٰ بہٖ شَھیدا	اللہ نے گواہی دی اور اس کی گواہی کافی ہے
	ابن الحدید حنفی معتزلی	مشہور و معروف شارح نہج البلاغہ
	تجرید البخاری	علامہ حسین بن مبارک زبیدی کی عربی کتاب ہے۔ اسی نام کی کتاب اُردو میں عبدالدائم جلال کی بھی ہے

	صدر اسلام	ابتدائے عہد اسلام
۸۳	مُکلفین	وہ لوگ جن پر شریعت کے احکام واجب ہو جاتے ہیں۔
۸۹	وَلَن تجد لسنۃ تبدیلا	تم خدا کی عادت میں ہرگز تغیر و تبدل نہ پاؤ گے
	تنقیذ	حکم اور فرمان اور نامہ جاری کرنا۔ اُردو کی اصطلاح میں کسی چیز پر بحث کرنے یا اچھائی برائی کو پرکھنے کے لئے بولا جاتا ہے
۸۵	خلقاً و خُلقاً	باعتبار پیدائش اور باعتبار اخلاق
	اصلاً و فرعاً	باعتبار اصل اور باعتبار فرع۔ اصل جڑ اور فرع شاخ
	معارضین جمع معترض	منہ پھیرنے والے، روگردانی کرنے والے
۹۱	والی ولایت	حکومت کا مالک و حاکم
	راعی گلہ	گلہ ریوڑ کا چرواہا
۹۵	مُؤیدات نقلیہ	کتابی حوالے جو کسی ثبوت میں پیش کئے جائیں
	بیانات واضحہ حسیہ	ایسے واضح بیانات جن کی صحت محسوس کی جاسکتی ہو
۱۰۱	انفال۔آیت ۴۲	لِیَھلِك من ھلك عن بینۃ و یحیٰ من حی عن بینۃ

جو شخص ہلاک (گمراہ) ہو وہ (حق کی) حجت ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ ہدایت کی حجت ہونے کے بعد زندہ رہے۔

۱۰۳	الا او تکم علی ما ان تسالتم علیه لم تهلکوا ان ولیکم الله و ان امامکم علی بن ابی طالب فنا صحوه و صدقوه فان جبریل آخبرن بدالك	میں نشاندہی کرتا ہوں اس خبر کے بارے میں جس کے لئے تم آپ میں سوالات کرتے ہو۔تم ہلاک نہیں ہو گے بے شک تمہارا ولی اللہ ہے اور امام علی ابن ابی طالب ہے۔اس سے نصیحت حاصل کرو اور اس کی تصدیق کرو۔اس بات کی خبر مجھے جبرئیل نے دی
صفحہ ۱۰۳	حدیث کساء	وہ حدیث پاک جس میں اہلبیت رسولؐ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ وحسینؑ کا حضور اکرمؐ کے پاس ایک چادر میں جمع ہونا اور آیت تطہیر کا نازل ہونا۔بزبانی حضرت بی بی فاطمہؑ تفصیل سے ذکر ہے
	حدیث منزلت	علی منی بمزلہ ہارون بمن موسیٰ علی میرے لئے بالکل اس طرح ہیں جس طرح ہارونؑ حضرت موسیٰ کے لئے۔
	حدیث یعسوب الدین	وہ حدیث جس میں حضرت علیؑ کو شہد کی مکھیوں کی ملکہ کی طرح کہا گیا ہے
۱۱۵	تنصیص	نص کرنا۔نص بیان کرنا۔کسی کے لئے صاف وواضح قرآن یا حدیث کا حکم
	خروج دجال	بین الفریقین میں متفق حدیث ہے کہ قریب قیامت دجال نکلے گا
	خروج سفیانی	حضرت مہدی الزمانؑ کے ظہور سے قبل ایک سفیانی اصفہان سے خروج کرے گا۔یہ علامت ہے کہ اب ظہور قریب ہے
	اسبعاد	بعید از عقل سمجھنا
	کنا شمی المتغیبة وراء انعمام	جیسے بادل کے پیچھے چھپا ہوا سورج
	شیخ الطائفه	انہوں نے شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی کے نام

سے دنیائے اسلام میں شہرت پائی۔ شیخ طوسی کے نام سے بھی مشہور۔ موصوف پر ایک محققانہ اور فاضلانہ مقالہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے ''شیخ طوسیؒ اور ان کا منہاج تفسیر'' کے عنوان سے ان کے جشن ہزار سالہ کے موقعہ پر مشہد یونیورسٹی میں مارچ ۱۹۷۰ء میں پڑھا تھا۔ مضمون عربی میں تھا۔ اصل مضمون ''دعوۃ الفکر'' دیوبند میں شائع ہوا تھا۔ اس کا خلاصہ ڈاکٹر عابد حسین مرحوم نے ''اسلام اور عصر جدید'' جلد ۳ شمارہ ۲ بابت اپریل ۱۹۷۱ (جامع نگر نئی دلی) میں شائع کیا تھا۔ ذیل میں چند سطریں درج کی جاتی ہیں:

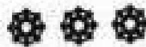
''شیخ طوسی کی پیدائش ۲۲۳ ہجری میں آمل طبرستان میں ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں آپ نے حصول علم کے لئے رخت سفر باندھا۔ شہر شہر گھومے پھرے۔ مصر، شام اور عراق میں حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی اور مستقل طور پر بغداد میں سکونت اختیار کر لی اور یہیں ۳۱۰ ہجری میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

موصوف اسلامی دنیا کے ان چند مایہ ناز علماء میں تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مہتم بالشان کارنامہ آپ کی تفسیر ہے۔ جس میں بڑی حد تک سابقہ تفسیروں کا نچوڑ بھی آگیا ہے اور ان میں موازنہ کر کے صحیح اور پختہ روایات سے تفسیر میں مدد لی گئی ہے۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں عبداللہ بن عباس، علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ابی ابن کعب کے مدرسہ فکر کی روایات شامل کی گئی ہیں۔ ساتھ ہی ابن جریج اسدی اور ابن اسحاق کی تحریروں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنے عہد کا مروج علوم یعنی نحو وغیرہ سے بھی آیات کا مفہوم سمجھنے میں کام لیا گیا ہے۔

تفسیر کا مطالعہ بتاتا ہے کہ شیخ طوسی پہلے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی روایات بیان کرتے ہیں اور پھر نقد و تبصرہ کے بعد ان میں کسی ایک کو خالص عقلی اور فکری بنیاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ شیخ تفسیر بالرائے ناپسند کرتے ہیں اور اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین سے جو باتیں منقول اور جن کی روایتی صحت مسلم ہو، ان ہی پر تفسیر کی بنیاد رکھی جائے۔

شیخ طوسی اپنی تفسیر میں قرأت قرآن پر خاص توجہ دے کر اس کے مختلف مفاہیم و معانی تعین کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو فن قرأت سے کس درجہ وابستگی تھی۔ آپ کا شمار اس فن کے اساطین میں ہوتا تھا۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ شیخ نے فن قرأت قرآن پر اٹھارہ جلدوں میں ایک جامع و ضخیم کتاب تصنیف کی تھی جس میں قرأت کے تمام انداز آ گئے تھے۔ پھر اس پر محاکمہ کر کے قرأت صحیح کی تعیین کی تھی۔

اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان و ادب میں شیخ طوسیؒ کی بے شمار تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر آپ کے چھوٹے چھوٹے رسائل بھی ہیں"۔



کتابیات

(مقدمہ کی تیاری میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا)

۱	آیات جلی فی شان مولا نا علی	آغا عبد علی بیگ قزلباش مطبع یوسفی دہلی ۱۹۱۲ء
۲	آئینہ تصوف	شیخ عبدالعزیز (حنفی) لاہور ۱۹۱۹ء
۳	ارجح المطالب	علامہ عبیداللہ بسمل امرتسری
۴	ارمغان فلاح	شاہ مفتی علی ہارون وارثی ۱۹۹۱ء
۵	اسد الغابہ جلد ہفتم (اُردو ترجمہ)	محمد عبدالشکور لکھنو ۱۹۰۹ء
۶	اقبال	مرتبہ مشفق خواجہ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو (کراچی)
۷	اقبال اپنے آئینے میں	رئیس احمد جعفری ندوی۔ ہندوستانی ایڈیشن
۸	اقبال اور حب اہلبیت اطہار	سید محبوب زیدی پاکستان ۱۹۶۶ء
۹	اقبال اور مدح محمد و آل محمدؐ	سید احسن عمران لاہور
۱۰	المرتضیٰ	مولانا سید ابوالحسنات سید علی ندوی (علی میاں)
۱۱	تاریخ تصوف (علامہ اقبال)	مرتبہ پروفیسر صابر کلوروی۔ اُردو بازار لاہور ۱۹۸۵ء
۱۲	تاریخ ادبیات ایران	اُردو ترجمہ از سید مبارز الدین۔ حیدر آباد
۱۳	جوامع الکلم (ملفوظات وارشادات گرامی)	از خواجہ بندہ نواز گیسو دراز تصحیح و تحشیہ، حافظ محمد حامد صدیق مطبع نظامی کانپور ۱۳۵۶ھ
۱۴	چودہ ستارے	سید نجم الحسن کراروی۔ پشاور۔ مطبوعہ لاہور
۱۵	حدیقہ سنائی مطبع نولکشور لکھنو	خواجہ عبداللطیف عباسی ۱۸۸۷
۱۶	خلافت الٰہیہ	پروفیسر محمد سبطین (ہر سہ جلد) لاہور ۱۹۳۶ء
۱۷	دیوان حافظ	مطبع مجیدی واقع کانپور ۱۲۷۰ ہجری (ندوہ لکھنو)
۱۸	دیوان حلاج	کتب خانہ سنائی تہران
۱۹	دیوان حکیم سنائی	مرتبہ مظاہر مصفا ایران مملوکہ امیر محمد عسکری (قمی) محمود آباد ہاؤس لکھنو
۲۰	دیوان شاہ نعمت اللہ ولی	مرتبہ اسماعیل شہرودی (ایران) محمود آباد ہاؤس لکھنو

۲۱ دیوان شاہ مستان قلندر — مرتبہ محرم علی چشتی لاہور ۱۸۹۵ء
۲۲ دیوان شمس تبریز — مطبوعہ منشی نولکشور لکھنو (ندوہ لکھنو)
۲۳ دیوان مولانا گرامی — مطبوعہ ۱۹۳۱ شیخ مبارک علی سالار جنگ میوزیم حیدرآباد
۲۴ شخصیت علی — مرتبہ نجم الدین عسکری۔ ایران (ندوہ لکھنو)
۲۵ شرح اسرار خودی — پروفیسر محمد یوسف خان سلیم چشتی لاہور
۲۶ عروۃ الوثقی — اُردو ترجمہ مودۃ القربیٰ از سید محمد ہمدانی کشمیری
۲۷ شہید انسانیت (طبع ثانی) — سید العلماء مولانا سید علی نقی لکھنو
۲۸ علی — مولانا کوثر نیازی کراچی
۲۹ علی امام المتقین (عربی) — جلد اول و دوم مرتبہ عبدالرحمٰن شرقاوی بیروت
۳۰ علی ابن ابی طالب امام المظلوم — مرتبہ محمد عبداللہ حواء (بیروت)
۳۱ فرہنگ ادبیات ایران فارسی دری — دکتر زہرائی خاطری کیا (تیر ماہ ۱۳۴۸)
۲۹ فلسفۂ بیخودی — عبدالرحمٰن طارق لاہور ۱۹۴۰ء
۳۰ قرآن مجید مع ترجمہ — مولوی فرمان علی مرحوم
۳۱ کشف المحجوب (لاہور ایڈیشن) — شیخ مخدوم علی ہجویری (م۔ ۴۷۵ھ)
۳۲ کتاب المناقب (مخطوطہ) — محمود آباد ہاؤس قیصر باغ
۳۳ کلیات اقبال (اُردو) — صدی ایڈیشن لاہور
۳۴ کلیات اقبال (فارسی) — مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور
۳۵ کلیات عطار — مطبع منشی نولکشور لکھنو ۱۸۷۲ء (ندوہ لکھنو)
۳۶ کلیات صائب اصفہانی — مطبوعہ ایران (محمود آباد ہاؤس لکھنو)
۳۷ کلیات میر — مرتبہ مولوی عبدالباری آسی۔ مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنو
۳۸ کوکب دری — سید محمد صالح کشفی (اُردو ترجمہ) بمبئی ایڈیشن ۱۹۹۲ء
۳۹ **لا فتیٰ الا علی** (عربی) — حافظ ابو عبداللہ بن یوسف بن محمد البلخی الشافعی (ندوہ لکھنو)
۴۰ مثنوی جواہر الذات (عطار) — کتب خانہ شبلی نعمانی (ندوہ) لکھنو
۴۱ مثنوی جلال الدین رومیؔ — کتب خانہ شبلی نعمانی (ندوہ) لکھنو
۴۲ **مثنویات** (اسرار نامہ، الٰہی نامہ) — مظہر العجائب (عطار) کتاب فروشی زوار تہران شاہ آباد

۴۳ مجالس سید العلماء سید علی نقی (ٹیپ شدہ ۱۹۷۲-۱۹۸۵ء) لکھنؤ

۴۴ مدحت آل محمدؐ اور اقبال — سید افضال حسین نقوی کراچی

۴۵ مطالعۂ تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں — ڈاکٹر غلام قادر لون (مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی)

۴۶ مناقب المرتضیٰ — شاہ محمد علی حیدر قلندر علوی کاکوروی

۴۷ مناقب اہلبیتؑ — مولانا عزیز الحق کوثری ندوی (بنارس)

۴۸ مودة القربیٰ — از سید علی ہمدانی (شاہ ہمدان)

بنام عروة الوثقیٰ — مرتبہ مولوی سید محمد ہمدانی سرینگر

۴۹ میر سید علی ہمدانی — دکتر محمد ریاض: مرکز تحقیقات فارسی وایران، ۱۹۸۵ء

۵۰ مواعظ حسنہ — علامہ شیخ عبدالعلی ہروی مرتبہ سید محمد سبطین (لاہور ۱۹۳۶ء)

۴۹ بیسویں صدی میں اسلامی تحریکیں — پروفیسر مرتضیٰ مطہری (ترجمہ: سید احمد علی عابدی)

رسالے

۱۔ البرہان لدھیانہ مرتبہ پروفیسر محمد سبطین لاہور (۱۹۳۰-۱۹۳۳ء) مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

۲۔ پروانہ میرٹھ (۱۹۰۱-۱۹۰۲ء) مرتبہ سید احمد حسن شوکت میرٹھی

۳۔ زمانہ کانپور۔ بابت فروری ۱۹۲۹ مرتبہ منشی دیانرائن نگم

۴۔ شیرازہ سرینگر۔ اقبال نمبر۔ مطبوعہ کلچرل اکادمی سرینگر ۱۹۷۸ء

۵۔ صوفی۔ پنڈی بہاء الدین گجرات (پنجاب) بابت فروری ۱۹۲۵ء

۶۔ عصر جدید۔ دہلی۔ ایڈیٹر سید عابد حسین ۱۹۷۲ء

۷۔ مخزن لاہور۔ جنوری ۱۹۰۵ء۔ ایڈیٹر شیخ عبدالقادر

۸۔ نقوش لاہور۔ لاہور نمبر ۱۹۶۲ ☆ ۹۔ نقوش لاہور۔ رسول نمبر

ENGLISH BOOKS

1. The New Encyclopaedia Britanica, Vol.v,P641-642,15th Edition,1987,USA
2. Grolier International Encyclopaedia(DeluxEdition) p22



عکس

وحی والہام اور برہانِ امت



(۱)

وحی والہام

(۲)

برھان امامت

محاضرۂ

حضرت حجتہ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام سرکار شریعتمدار

میرزا عبدالکریم زنجانی نجفی مجتہد مان اللہ بوجودہ حوزۃ الاسلام

له الحمد وله الشکر بآلائه

موضوعات ہمہ فلسفی، اجتماعی، دینی و مذہبی کہ از حضور مجتہد اکبر و اعظم و فیلسوف اعظم اسلام سرکار میرزا عبدالکریم زنجانی نجفی سوال نمودہ شد سائل ڈاکٹر سر محمد اقبال بود من کہ در آں مجلس حاضر بودم جوابہائے سرکار مجتہد اعظم موصوف را کہ سہ ساعت وقت را مستغرق شد بقدر مقدور ضبط نمودم و تا از اں جوابہا را کہ یکے متعلق بوحی والہام و دیگرے متعلق بہ برھان عقلی اما قسست چونکہ دینی و مذہبی است فعلاً نشر می نمایم برائے تعمیم نفع باقی را نیز ہرگاہ توفیق مساعد شود نشر خواہم نمود۔



سید حسن جعفری

نواب پلیس۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

محاضرۂ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال

وحی چیست ۔ فرق میان وحی و الہام چیست و از کجا معلوم میشود صحیح بودن وحی چوں دریں ملک ایں مطلب بسیار مہتم است ۔ متمنی ہستم جواب را بیان فرمایند با اشارہ بہ خاتم ادیان بودن دین اسلام

جواب

بسم اللہ تعالےٰ ولہ الحمد ومنہ الاستعانۃ وبہ الثقہ

ایں سؤال متضمن استفسار از سہ مطلب می باشد

اوّل معنی و مستعمل فیہ کلمہ وحی

دوّم حقیقت وحی و حقیقت الہام و فرق وحی از الہام

سوّم میزان حکم بصحت وحی

مطلب اوّل

بدانکہ کلمات مفسرین وغیرہم در بیان موارد استعمال کلمہ وحی در قرآن مجید و اقسام آں خالی از اضطراب نیست و مارا چوں مجال تفصیل نیست اجمالاً میگوئیم

لفظ	قرآن شریف	ہفت قسم از معنی استعمال

محاضرۂ اوّل

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

سوال

وحی کیا ہے۔ وحی اور الہام میں کیا فرق ہے۔ وحی کا صحیح ہونا کس طرح سے معلوم ہو۔ چونکہ اس ملک (ہند) میں یہ مطلب نہایت اہم ہے۔ متمنّی ہوں کہ جواب بیان فرمائیں اور اشارۃً یہ بھی فرمائیں کہ دین اسلام خاتم ادیان کس طرح سے ہے۔

جواب

بسم اللہ تعالےٰ ولہُ الحمد ومنہ الاستعانۃ وبہ الثقۃ

اس سوال میں تین باتیں پوچھی گئی ہیں

اوّل معنی وحی اور یہ کہ کلمہ وحی کس معنی میں استعمال ہوا۔

دوم حقیقت وحی اور حقیقت الہام اور یہ کہ وحی اور الہام میں کیا فرق ہے

سیّم صحت وحی کے حکم کی میزان کیا ہے۔

مطلب اوّل

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کلمہ وحی کے قرآن مجید میں محل استعمال کے متعلق مفسرین وغیرہ کے بیانات اور وحی کے اقسام اختلاف رائے سے خالی نہیں ہیں چونکہ ہم کو ان کی تفصیل کا موقع حاصل نہیں ہے۔ اس لئے مجملاً بیان کرتے ہیں۔

لفظ وحی قرآن شریف میں سا -- معنی میں استعمال ہوا

شدہ است حسبما بلغنا من باب مدینۃ علم النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

اوّل وحی النبوۃ در پنجاہ و سہ موضع ذکر شدہ است

دوّم وحی الالہام

سیّم وحی الاشارہ

چہارم وحی التقدیر

پنجم وحی الامر

ششم وحی الخیر

ہفتم وحی الکذب

اوّل وحی النبوہ ذکر شدہ است

در سورہ نساء آیہ ۱۶۳

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین

من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل الخ

و یونس	۳	۱۵	۸۷	۱۰۹
و ہود	۱۲	۳۶	۳۷	۴۹
و یوسف	۳	۱۰۲	۱۰۹	
و ابراہیم	۱۳			
و انعام	۲۰	۵۱	۹۳	۱۰۷	۱۴۶

نحل

محاضرۂ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال

وحی کیا ہے۔ وحی اور الہام میں کیا فرق ہے۔ وحی کا صحیح ہونا

کس طرح سے معلوم ہو۔ چونکہ اس ملک (ہند) میں یہ مطلب

نہایت اہم ہے۔ متمنّی ہوں کہ جواب بیان فرمائیں اور اشارۃً

یہ بھی فرمائیں کہ دین اسلام خاتم ادیان کس طرح سے ہے۔

جواب

بسم اللہ تعالےٰ ولہُ الحمد ومنہ الاستعانۃ وبہ الثقۃ

اس سوال میں تین باتیں پوچھی گئی ہیں

اوّل معنی وحی اور یہ کہ کلمہ وحی کس معنی میں استعمال ہوا۔

دوم حقیقت وحی اور حقیقت الہام اور یہ کہ وحی اور الہام میں کیا فرق ہے؟

سوم صحت وحی کے حکم کی میزان کیا ہے۔

مطلب اوّل

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کلمہ وحی کے قرآن مجید میں محل استعمال کے متعلق

مفسرین وغیرہ کے بیانات اور وحی کے اقسام اختلاف رائے سے خالی

نہیں ہیں چونکہ ہم کو ان کی تفصیل کا موقع حاصل نہیں ہے۔ اس لئے

مجملاً بیان کرتے ہیں۔

لفظ حی قرآن شریف میں سا — معنی میں استعمال ہوا

شده است حسبما بلغنا من باب مدینة علم النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

اوّل وحی النبوة در پنجاه و سه موضع ذکر شده است

دوّم وحی الالہام

سیّم وحی الاشاره

چہارم وحی التقدیر

پنجم وحی الامر

ششم وحی الخیر

ہفتم وحی الکذب

اوّل وحی النبوه ذکر شده است

در سوره نساء آیه ۱۶۳

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین

من بعده واوحینا الی ابراهیم واسمٰعیل الخ

و یونس	۲	۱۵	۸۷	۱۰۹	
و ہود	۱۲	۳۶	۳۷	۴۹	
و یوسف	۳	۱۰۲	۱۰۹		
و ابراہیم	۱۳				
و انعام	۲۰	۵۱	۹۳	۱۰۶	۱۴۶
و نحل	۴۳	۱۲۳			

ہے جیسا کہ باب مدینہ علم نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی حضرت علی علیہ السلام سے ہم کو پہنچا ہے ۔

اوّل وحی النبوۃ ترپن[۵۳] مقامات میں ذکر ہوا ہے

دوم وحی الالہام

سوم وحی الاشارہ

چہارم وحی التقدیر

پنجم وحی الامر

ششم وحی الخبر

ہفتم وحی الکذب

اوّل وحی النبوۃ کا ذکر حسب ذیل مقامات میں ہوا ہے :-

سورہ نساء آیہ ۱۲۳

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابراہیم واسمٰعیل الخ

و، یونس	۳	۱۵	۸۷	۱۰۹	
و، ہود	۱۲	۳۶	۳۷	۴۹	
و، یوسف	۳	۱۰۲	۱۰۹		
و، ابراہیم	۱۳				
و، انعام	۲۰	۵۱	۹۳	۱۰۶	۱۴۶
نحل	۴۳	۱۲۳			

و بنی اسرائیل ۳۶ ۷۳ ۸۶

و کہف ۲۷ ۱۱۰

و طٰہٰ ۱۳ ۵۰ ۷۹ ۱۱۹

و انبیاء ۷ ۲۵ ۴۵ ۱۰۸

و مؤمنون ۲۷

و شعراء ۵۲

و عنکبوت ۴۵

و احزاب ۳

و سبا ۵۰

و فاطر ۳۱

و زمر ۶۵

و شوریٰ ۳ ۷ ۱۳ ۵۱ ۵۲

و زخرف ۴۳

و احقاف ۹

و والنجم ۴ ۱۰

و جن ۱

و رعد ۳۰

و ص ۷۰

و اعراف ۲۰۳

و بنی اسرائیل ۳۹ ۷۳ ۸۶

و کہف ۲۷ ۱۱۰

و طٰہٰ ۱۳ ۵۰ ۷۹ ۱۱۹

و انبیاء ۷ ۲۵ ۴۵ ۱۰۸

و مؤمنون ۲۷

و شعراء ۵۲

و عنکبوت ۴۵

و احزاب ۳

و سبا ۵۰

و فاطر ۳۱

و زمر ۶۵

و شوریٰ ۳ ۷ ۱۳ ۵۱ ۵۲

و زخرف ۴۳

و احقاف ۹

و والنجم ۴ ۱۰

و جن ۱

و رعد ۳۰

و ص ۷۰

و اعراف ۲۰۳

دوم وحی الالهام ذکر شده است

در سوره قصص آیه ۷

واوحینا الی امّ موسیٰ ان ارضعیه

و نحل ۶۸

و طٰه ۳۸

و انفال ۱۲

سیّم وحی الاشاره ذکر شده است

در سوره مریم آیه ۱۱

فخرج علی قومه من المحراب فاوحیٰ الیهم ان سبّحوا بکرةً وعشیاً

یعنی اشار الیهم بدلیل اینکه قبل ازیں در همیں سوره آیه ۱۰ فرموده است

اٰیتک الاّ تکلم النّاس ثلٰث لیالٍ سویاً

و در سوره آل عمران آیه ۴۱

اٰیتک الاّ تکلّم النّاس ثلثة ایامٍ الاّ رمزا

چهارم وحی التقدیر ذکر شده است

در سوره فصّلت آیه ۱۲

واوحیٰ فی کل سماءٍ امرها یعنی قدّر فیها

پنجم وحی الأمر ذکر شده

در سوره مائده آیه ۱۱۱

دوئم وحی الالہام کا ذکرحسب ذیل مقامات میں ہوا ہے

سورہ قصص آیہ ۷

واوحینا الیٰ امّ موسیٰ ان ارضعیہ

و نحل ۶۸

و طہٰ ۳۸

و انفال ۱۲

سیئم وحی الاشارہ کا ذکرحسب ذیل مقامات میں ہوا ہے

سورہ مریم آیہ ۱۱

فخرج علیٰ قومہٖ من المحراب فاوحیٰ الیھم ان سبّحوا بکرۃً وعشیًّا

یعنی اُن کی طرف اشارہ کیا اس دلیل سے کہ قبل اس کے اسی

سورہ آیہ ۱۰ میں فرمایا ہے۔

ایتک الّا تکلم النّاس ثلث لیالٍ سویًّا

اور سورہ آل عمران آیہ ۴۱

ایتک الّا تکلم النّاس ثلثۃ ایّامٍ الّا رمزا

چہارم وحی التقدیر کا ذکر

سورہ فصّلت آیہ ۱۲ میں ہوا ہے

واوحیٰ فی کلّ سماء امرھا یعنی قدّر فیھا

پنجم وحی الامر کا ذکرحسب ذیل مقامات میں ہوا ہے

سورہ مائدہ آیہ ۱۱۱

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ آمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ

و در زلزال ۵

ششم وحی الخیر ذکر شده است

در سورهٔ انبیاء آیهٔ ۷۳

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ

هفتم وحی الکذب ذکر شده است

در سوره انعام آیهٔ ۱۱۳

شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ

ایضاً انعام ۱۲۲

اهم معانی و اقسام مذکوره وحی النّبوّہ می باشد که محل بحث ما است نه از حیثِ حقیقتِ لغویّه یا شرعیّه یا متشرعه بلکه از حیثِ حقیقت و ماهیّت

در مطلب دوم حقیقت و ماهیّت و کیفیّت آن را بیان خواهیم کرد

مطلب دوم

در بیان حقیقت وحی النّبوّہ است

وحی بر دو قسم است

اوّل وحی شهودی

دوم وحی انکشافی

اما قسم اوّل پس میگوییم در بیان آن که در محل مناسب از علم

و اذ اوحیتُ الی الحواریّین اَن آمِنُوابی و برسولی

و در زلزال آیہ ۵

ششم وحی الخیر کا ذکر

سورہ انبیاء آیہ ۷۳ میں ہوا ہے

وجعلنا منہم اَئمۃً یہدون بامرنا واوحینا الیہم فِعلَ الخیرات

ہفتم وحی الکذب کا ذکر

سورہ انعام آیہ ۱۱۲ میں ہوا ہے

شیاطینَ الانسِ والجنِّ یوحی بعضُہم الی بعضٍ

ایضاً انعام ۱۲۲

معانی وحی اور اقسام مذکورہ میں سب سے اہم وحی النّبوۃ ہے جوکہ ہمارا محل بحث ہے حقیقت لغت یا شریعت یا تشرع کی رو سے نہیں بلکہ حقیقت اور ماہیت کی حیثیت سے دوسرے مطلب میں حقیقت اور حیثیت اور کیفیت اُس کی بیان کرینگے

مطلب دوم

وحی النّبوۃ کی حقیقت کے بیان میں

وحی دو قسم کی ہوتی ہے

اوّل وحی شہودی

دوم وحی انکشافی

قسم اوّل اس بیان میں کہ وحی شہودی کا ذکر محل مناسب علم

کلام و در قسم الٰہی از فلسفہ بہ براہین قطعیہ معلوم نمودہ ایم کہ بسبب زیادیِ صفا و فرطِ لطافت و شدت نورانیت و کمال تجرد نفسِ نبویہ اتصالِ مستمر بمجرداتِ عالیہ و اتحادِ کامل بروح القدس دارد و علاقہ بسیار قلیل و مختصر ش ببدنِ عنصری و جسمیۂ مادی کہ برائے ضرورت تبلیغ رسالت باستعمال قوای ظاہریہ و باطنیہ است بہ ہیچ وجہ حاجب و عائقش نمیشود۔ چنانکہ سائر حجب مادیہ نیز در مقابل آں شدت صفایِ نفس حاجب نیست۔ بایں جہت نفس نبویہ مشاہدہ میفرماید کلیہ صورِ مثالیہ و مثُل نوریہ و اجسامِ لطیفۂ غیر مادیہ و اشکال غیر ہیولانی اصناف ملائکہ و امنای وحی۔ و سایر مجردات برزخیہ را کہ قابل مرئی شدن برائے انبیاء و اصفیاء میباشد و ایں مشاہدہ بطور عادی بواسطۂ انطباعِ صورِ انہا در بنطاسیا (حسِ مشترک) از طریقِ خارج بواسطۂ حسِ ابصاری میباشد۔ و ہم چنیں میشنود اصوات و کلماتِ انہا را از آیات و احکام وغیرہا بحکم اینکہ قوای ظاہریہ و باطنیہ ہر نفسی در قوت و ضعف و شدت و صفا تابع و مناسب آں نفس می باشند و بمفاد (النفس فی وحدتہا کل القویٰ) جمیع قویٰ و مشاعرِ ظاہریہ و باطنیہ شئون نفس ناطقہ میباشند پس مشاعر و قوایِ نفس نبویہ کہ از شئون آں نفسِ مقدسہ میباشند با قویٰ و مشاعر سائر افراد بشر ہماں مقدار فرق

کلام و فلسفہ الٰہیات میں ہم نے قطعیہ برہانوں سے معلوم کیا ہے
کہ زیادتی صفا اور فرط لطافت کی وجہ سے اور شدت نورانیت
اور کمال تجرد کے سبب سے نفس نبویہ مجردات عالیہ کے ساتھ
اتصال دائمی اور روح القدس کے ساتھ اتحاد کامل رکھتا ہے اور نہایت
کم اور مختصر علاقہ نفس موصوف کا بدن عنصری اور قلعہ یعنے جسم مادی کے
ساتھ جو تبلیغ رسالت کی ضرورت سے قواے ظاہری اور باطنی کے
استعمال کے لئے ہے کسی وجہ سے حاجب اور مانع نہیں ہوتا چنانچہ
تمام پردے مادی بھی شدت صفاے نفس کے مقابل میں رکاوٹ
نہیں کرتے اس جہت سے نفس نبویہ جملہ صور مثالیہ کا اور نمونہ
ہائے نوریہ اور اجسام لطیفہ غیر مادی اور اشکال غیر ہیولانی اقسام ملائکہ
اور امناد وحی کا اور تمام مجردات برزخیہ کا جو کہ انبیاء اور اصفیا کے
دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں مشاہدہ کرتا ہے اور یہ مشاہدہ عادت کے
طور پر اُن کی صورتوں کے حس مشترک میں باہر کی طرف سے حس بینائی
کے وسیلہ سے چھپ جانے کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور اسی طرح پر
ان کی آوازوں اور کلمات آیات اور احکام وغیرہ کو سنتا ہے۔ اسلئے کہ قواے
ظاہری اور باطنی ہر ایک نفس کے قوت اور ضعف اور شدت اور صفا میں
اس نفس کے تابع اور مناسب ہوتے ہیں اور مطابق اس قول کے ان النفس
فی وحدتہا کل القوی کہ نفس اپنی وحدت میں قوتوں کا کل ہوتا ہے جملہ
قوتیں اور ظاہری اور باطنی راستے یعنی حواس خمسہ ظاہری اور باطنی نفس ناطقہ

دارد کہ نفسِ نبویّہ از نفوسِ سائر بشر فرق دارد لہذا می بیند و می شنود چیزیرا کہ دیگران نمی بینند و نمی شنوند۔ و بدیہی است کہ این نحو مشاہدۂ انبیاء و سماعِ ایشاں بمراتب فوق العادہ اقوی تر از رؤیتِ اجسامِ مادّیہ و سماعِ اصواتِ متکوّنہ بتموّجِ ہوا کہ حاصل از قرع یا قلع است میباشد زیرا کہ خطا برای سائر افراد بشر در ابصارِ مادیات و در سماعِ اصوات در عالمِ مادہ بسیار واقع میشود چنانکہ در علم مرایا و مناظر بیان شدہ است لیکن در مشاہدہ و سماعِ انبیاء چوں مشاہدۂ اعیان نفسِ حقایق بطور حقیقت واقع شدہ است بواسطہ شدّت قوّتِ قوی و فرطِ صفای نفوس انہا پس ہیچ چہ خطائے در انہا ممکن نخواہد شد این یک قسم وحی است کہ وحی شہودی است و در او دو صنف مندرج است یکے آیاتے کہ لازم است معانی محکمہ بعینِ الفاظِ بلیغہ کہ تلقی شدہ است تبلیغ بشود مثل قرآن مجید دوم آنکہ عمدۂ مقصود تبلیغ معانی و احکام مے باشد بہر تعبیر کافی ووافی بودہ باشد آں راسنت و حدیث نامیدہ اند اگر کسے صنفِ اوّل را بوحی القرآن یا وحی متلو و صنف دوم را بوحی غیر متلو نامیدہ باشد در تسمیہ تراعے نیست

کے مدارج ہیں پس مشاعر اور قوائے نفس نبوی جو کہ مدارج اُس نفس مقدس کے ہیں تمام افراد بشر کے مشاعر اور قویٰ سے اسی مقدار میں فرق رکھتے ہیں کہ جتنا کہ نفس نبوی تمام نفوس بشر سے فرق رکھتا ہے لہذا وہ ان چیزوں کو دیکھتا اور سنتا ہے کہ جن کو دوسرے بشر نہیں دیکھتے اور نہیں سنتے ہیں اور بدیہی ہے کہ انبیاء کے اس قسم کے مشاہدے اور سماعتیں اجسام مادی کی رویت اور آوازوں کی اُن سماعتوں سے جو تموج ہوا کے قرع اور قلع سے پیدا ہوتی ہیں بدرجہا فوق العادہ قوی تر ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ تمام افراد بشر سے مادیات کے دیکھنے اور آوازوں کے سننے میں عالم مادیات میں بہت خطائیں واقع ہوتی ہیں جیسا کہ علم مرایا اور مناظر میں بیان کیا گیا ہے لیکن چونکہ انبیاء کے نفس کے قویٰ کی قوت کی شدت اور اُن کے نفس کے صفا کی زیادتی کے سبب سے اُن کا مشاہدہ عین نفس حقائق بطور حقیقت کے واقع ہوتا ہے لہذا کسی وجہ سے اُن کے مشاہدے اور سماعت میں خطا ممکن نہ ہوگی یہ ایک قسم وحی کی ہے جو کہ وحی شہودی ہے اور اس میں دو صنف مندرج ہیں ایک آیات کہ لازم ہے کہ ان کے معانی محکم اصلی الفاظ بلیغہ میں جو ہم تک پہنچے ہیں تبلیغ کئے جائیں مثل قرآن مجید دوسرے وہ جو عمدہ مقصود تبلیغ معانی اور احکام کا ہوتا ہے ہر معنی میں کافی اور وافی ہوتا ہے اس کو سنت اور حدیث کہتے ہیں اگر کوئی صنف اول کو وحی قرآن یا وحی متلو اور صنف دوم کو وحی غیر متلو کہے تو ان اسموں سے موسوم کرنے میں نزاع نہیں ہے۔

اما قسم دوم - وحی انکشافی است وحقیقت آں اینست کہ نفسِ نبویہ بسبب استغراقش در عالمِ غیب واتصال مستمرِ کاملش بکلیہ مجردات عالیہ وعقولِ مجردہ وسائیر عوالم جبروت وملکوتِ اعلےٰ وملکوتِ ادنےٰ ودہر وسرمد واحاطہ اش بمراتب ابداع واختراع والواح قدسیہ - مطالبِ غیبیہ ازآنعوالم وازعقل فعال وغیرہ برائے او مکشوف میشود - وچوں ایں مجردات محضہ قابلِ مشاہدۂ وابصارِ عادی نیستند پس ایں علوم منکشفہ ومستفادہ از ایشاں برائے نفس نبویہ نظیرِ انعکاس اضواء در مرایا حاصل میشود لہذا ایں نحو از علوم نبویہ ومعلومات غیبیہ اش در حصولش مستغنی میباشد از کلیۂ قوئی واصلاً امکان ندارد انعکاس انہا در آلاتِ مادیہ و انطباعش در قوای نفسانیہ از قبیل جلیدیہ وبنطاسیا (حس مشترک) وخیال وغیرہ حتی از طریق داخل چنانکہ بعض فلاسفہ گفتہ اند زیرا کہ انتقاش وانطباع در حس مشترک کہ مانند آئینہ ذو وجہین است - از طریق داخل فقط در امورے ممکن است کہ خیال ووہم مدخلیتے در انہا داشتہ باشند کہ بسبب قوت خیال وشدت واہمہ از راہ داخل در بنطاسیا (حس مشترک) منتقش ومنطبع میگردد و حالت مشاہدہ حاصل میگردد چنانکہ در مبرسمیں ومجانین وبعض مرتاضیں از اصحاب شطحیات پیدا میشود لیکن چوں علوم نبویہ مذکورہ صرف انکشافِ حقایقِ واقعہ ماعیانہا از روی خقیقت و

لیکن قسم دوم وحی انکشافی ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس
نبوی پر عالم غیب میں اپنے استغراق کی وجہ سے اور کلیہ مجردات
عالیہ اور عقول مجردہ اور جملہ عوالم جبروت اور ملکوت اعلٰے اور
ملکوت ادنیٰ اور دہر اور سرمد کے ساتھ اپنے دائمی اتصال کامل کے
سبب سے اور ابداع اور اختراع اور الواح قدسیہ کے مراتب پر اپنے
احاطہ کی جہت سے اور عقل فعال وغیرہ کے ذریعہ سے اُن عالموں کی
پوشیدہ باتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ یہ مجردات محض مشاہدہ اور
عادۃً دیکھنے کے قابل نہیں ہیں پس یہ علوم جو ان سے ظاہر اور مستفاد
ہوتے ہیں نفس نبی کے لئے مرایا میں ضوؤں کے انعکاس کی مانند
حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا نبی کے اس قسم کے علوم اور اس کے معلومات
غیبی اپنے حصول میں جملہ قویٰ سے مستغنی ہوتے ہیں اور ان کا انعکاس
آلات مادی میں اور انطباع قوای نفسانی میں مثل پردہ جلیدی اور حس مشترک
اور خیال وغیرہ کے یہانتک کہ راہ داخل سے جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں
ہرگز ممکن نہیں ہے اس لئے کہ حس مشترک میں انتقاش اور انطباع جو
مانند آئینۂ دو رویہ کے ہے فقط طریق داخل سے اُن امور میں ممکن ہے
کہ خیال اور وہم جنہیں کوئی دخل رکھتے ہوں کہ قوت خیال اور شدت واہمہ
کیوجہ سے داخل کی راہ سے حس مشترک میں منتقش اور منطبع ہو جاتا ہے اور حالت
مشاہدہ حاصل ہوتی ہے جیسا کہ مُبرسمین (Pleuratic) التہاب یعنے ورم اتریہ
کہ جس سے ہذیان ہوتا ہے) یعنے برسام کے بیماروں اور مجنونوں اور بعض یا فت صحیح

واقعیت از ناحیۂ مجرّداتِ محضہ بانعکاس حقیقی در نفس نبویّہ حاصل میباشد و اصلاً قوہ وہم و قوۂ خیال را در حصول آں مدخلیتے نیست پس انطباعِ صورِ انہا در حس مشترک ممکن نخواہد بود۔
ازیں بیانِ مختصر معلوم شد بطلانِ آنچہ بعض بزرگانِ فلاسفہ و صوفیہ در موضوع وحی گفتہ اند و مردم را بضلالت انداختہ اند ملخّص مقالۂ فلاسفہ اینست چوں حسِّ مشترک مانند آئینۂ دو رو دو جہے داخلے وجہے خارجی دارد پس انطباعِ صور تہا دراں از طریقِ داخل نیز ممکن است مثل طریقِ خارج و چوں حقیقتِ ابصار و مشاہدۂ ہماں انطباعِ صورت در حسِّ مشترک میباشد اگرچہ از طریقِ داخل بودہ باشد و شرط نیست از طریقِ خارج بودہ باشد زیراکہ مشاہَدِ بالذات ہماں صورتِ منطبع در حسِّ مشترک است و صاحِب آں صورت کہ در خارج و مادّی میباشد مشہودِ بالعرض است پس نفوسِ نورانیۂ انبیاء بجہتہ قلّتِ علائقِ جسمیہ و حواجزِ مادّیہ و بسببِ احاطہ آنہا بجوانبِ متجاذبہ اتّصال بمبادی عالیہ دارند آنچہ بسبب ایں اتّصال از عالمِ غیب بصورتِ کلیّہ اخذ می نمایند قوۂ خیال کہ محاکات درا و طبیعی میباشد آں صورتِ کلیّہ را در خودِ خیال بصورت جزئیہ منطبع می نماید و بہ حسِّ مشترک منتقل می نماید پس محسوس و مشہود میشود زیراکہ حقیقت احساس و مشاہدہ انتقاش و انطباع

کرنے والے اہل شطحیات و مجذوب میں ظاہر ہوتا ہے لیکن
چونکہ علوم نبوی نہ کورہ جن حقایق واقعیہ کا انکشاف ہے جو اپنی اصلیت کے
از روئے حقیقت و واقعیت مقام مجردات محضہ سے بذریعہ انعکاس حقیقی کے
نفس نبویہ میں حاصل ہوتا ہے اور اصل میں قوۃ وہم اور قوۃ خیال کو
اس کے حاصل کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا پس ان کی صورت کا
انطباع حس مشترک میں ممکن نہ ہوگا اس بیان مختصر سے اس کا بطلان
ہو گیا جو کہ بعض بزرگان فلاسفہ اور صوفیہ نے موضوع وحی کے بارہ
میں کہا ہے اور آدمیوں کو گمراہی میں ڈالا ہے بیان فلاسفہ کا خلاصہ
یہ ہے چونکہ حس مشترک آئینہ دو روکی مثل ہے روی داخلی اور روی خارجی
رکھتا ہے پس انطباع صورتوں کا داخل کے راستہ سے بھی ہونا ممکن ہے
جیسا کہ باہر کے راستہ سے۔ اور چونکہ حقیقت دیکھنے اور مشاہدہ کی وہی صورت
کا حس مشترک میں چھپ جانا ہوتا ہے اگرچہ اندر کی طرف سے کیوں نہ ہو اور یہ
شرط نہیں ہے کہ خارج سے ہی ہو کیونکہ مشاہدہ بالذات وہی
صورت منطبع حس مشترک میں ہوتی ہے۔ اور صاحب اس صورت کا جو باہر ہے
اور مادی ہے وہ مشہود بالعرض ہے پس نفوس نورانیہ انبیاء کمی علائق جسم کے
سبب سے اور مادی رکاوٹوں کی وجہ سے اور جوانب فتیجا ذبکی طرف مبادی عالیہ
کے ساتھ انکے گھیر لینے کی جہت سے اتصال رکھتے ہیں اور جو کچھ اس اتصال کے سبب
سے عالم غیب سے بصورت کلیہ اخذ کرتے ہیں قوۃ خیال جس میں محاکات یعنی نقالی
طبعی ہوتی ہے اس صورت کلیہ کو خود خیال میں بصورت جزئیہ منطبع کرتی ہے اور

صورت در حسِ مشترک میباشد خواه بطور صعود از عالم مادّه بواسطۂ حسِ ابصاری ظاہری بوده باشد وخواه بطورِ نزول از عالمِ نفس به خیال وحسِ مشترک از طریقِ داخل باشد وہمچنیں است حالِ سماعِ اصوات فلاسفہ ایں را وحی صریح نامیده اند یعنی وحی را شبیہ اوہام مُبَرسمین توہم نموده اند وایں عقیدۂ باطل است چنانچہ بسببِ بطلان آن اشاره نموديم وگفتیم کہ اصلاً قوۂ خیال وواہمہ را در وحیِ انکشافیِ بالاتصال کہ بے واسطہ تلقی میشود، ہیچ مدخلیتے نمی باشد ومحاکاتِ قوۂ خیال در عالم نفس منحصراست بافعالِ ایجادیۂ نفس از تصورات واذعانات جزئیہ وتطبیق کلی برافرادش فقط - ودر ایں مقام ممکن نیست ودر وحی شہودی از طریقِ خارج انطباعِ صوَر واصوات در حسِ مشترک حاصل میگردد نہ از طریقِ داخل بہ تفصیلیکہ بیان نمودیم۔

فلاسفہ چوں قاعدۂ الواحد لا یصدر منہ الّا الواحد را مسلّم دانستہ اند وبحکم ہمیں قاعده وبراے ربطِ حادث بقدیم عقول عشرۂ مجرده اثبات نموده اند انہارا عقولِ طولیّہ نامیده اند بجہت اینکہ ہر عقل سابق را علتِ وجودِ عقلِ لاحق تصور نموده اند وعقلِ عاشر را کہ عقل فعّال نامیده اند مدبّر کلیۂ عالم تکوین دانستہ اند

حسِ مشترک کی طرف منتقل کرتی ہے پھر محسوس اور مشہود ہو جاتی ہے کیونکہ احساس کی حقیقت اور انتقاش کا مشاہدہ صورت کا حسِ مشترک میں طبع ہو جانا ہوا کرتا ہے خواہ بطور صعود عالم مادہ سے بذریعہ حسِ ظاہری کے ہو یا بطور نزول عالم نفس سے خیال اور حسِ مشترک کے ساتھ اندر کے راستے سے ہو اور یہی حال آوازوں کے سننے کا ہے۔ فلاسفہ نے اس کا نام وحی صریح رکھا ہے یعنی وحی کو برسام کے بیماروں کے اوہام سے تشبیہہ تو ہم کیا ہے اور یہ عقیدہ باطل ہے چنانچہ اس کے باطل ہونے کے سبب کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ اصل میں قوۃ خیال اور واہمہ کو وحی انکشافی بالاتصال میں جو کہ بے واسطہ حاصل ہوتی ہے کوئی دخل نہیں ہے اور عالم نفس میں قوت خیال کی نقالی اُن افعال پر منحصر ہے جو کہ نفس تصورات اور اذعانات جزئی اور فقط افراد پر تطبیق کلی سے ایجاد کرتا ہے اور اس مقام میں یہ ممکن نہیں ہے اور وحی شہودی میں خارج کے راستے سے صور کا نقش اور آوازیں حس مشترک میں حاصل ہوتی ہیں طریق داخل سے نہیں جیسا کہ ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

فلاسفروں نے چونکہ یہ کلیہ تسلیم کر لیا ہے کہ واحد سے صرف واحد شئے نکل سکتی ہے اور اسی قاعدہ کے ماتحت اور حادث کا ربط قدیم کے ساتھ قائم کرنے کو عقول عشرہ مجردہ کو ثابت کیا ہے اور ان کا نام عقول طولیہ رکھا ہے کیونکہ ہر عقل سابق کو عقل لاحق کی علت مانا ہے اور عقل عاشر کو جس کا نام عقل فعال رکھا ہے تمام عالم تکوینی کا مدبر سمجھا ہے

بنا بر ایں اصول خود شان وحی را نیز منحصر بمأخوذ از عقلِ فعّال دانستہ اند و گفتہ اند کہ جبرئیل در لسان شارع عبارت از عقلِ فعّال می باشد و عقلِ فعّال مجرد صِرف است قابل مشاہدہ و انطباع در قوائے نفسانیہ بہیچوجہ نمی باشد لہذا مجبور شدہ گفتہ اند کہ مشاہدۂ و احساسِ جبرئیل یعنی عقل فعّال بواسطہ خیال بطریق انطباع داخلے حاصل شدہ است۔

ما میگوئیم۔ اولاً ما معتقد بوجود مجرّداتِ صرفہ و مجرّدات مثالیہ می باشیم لیکن اعداد قولِ عشرہ و علیتِ ہر سابقِ آنہا برائے لاحق و مدبر بودنِ عقلِ عاشر (عقلِ فعّال) برائے کلِّ عالمِ تکوین ہمہ دعاوی بدون دلیل می باشند چنانچہ در علم فلسفہ تفصیلاً اثبات نمودہ ایم۔

ثانیاً عبارت بودن جبرئیل در لسانِ شارع از عقل فعّال نیز ادعائے بدونِ دلیل است۔ دلیل عقلے و نقلے بایںمعنی نیست بلکہ از عقل و شرع خلاف ایںمعنی ثابت شدہ است

در سورہ (والنجم) آیات ۱۳ و ۱۷ و ۱۸ ملاحظہ شود

ثالثاً منحصر دانستن وحی بیک قسم مأخوذ از مجرّدات بے وجہ است چنانکہ در بیانات ما معلوم شد کہ وحی شہودی قسم دیگرے است علیحدہ۔

اپنے اس اصول کی بنا پر وحی کو بھی عقل فعال سے مأخوذ ہونے پر منحصر سمجھا ہے اور یوں کہا ہے کہ جبرئیل لسان شارع میں عقل فعال سے مراد ہے اور عقل فعال جو مجرد صرف ہے مشاہدے کے اور قوای نفسانیہ میں انطباع کے قابل کسی وجہ سے بھی نہیں ہوتی اس لئے فلاسفر مجبور ہو گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جبرئیل یعنی عقل فعال کا مشاہدہ واحساس خیال کے ذریعہ سے انطباع داخلی کے طریق سے حاصل ہوتا ہے"

ہم کہتے ہیں کہ اولاً ہم وجود مجردات صرف اور مجرّدات مثالیہ کے معتقد ہیں لیکن عقول عشرہ کی تعداد اور ان کے ہر سابق کا ہر لاحق کے لئے علت ہونا اور عقل عاشر (عقل فعال) کا کل عالم تکوین کا مدبر ہونا یہ تمام دعاوی بلا دلیل ہیں چنانچہ علم فلسفہ میں ہم نے تفصیلاً ثابت کیا ہے۔

ثانیاً جبرئیل کا لسان شارع میں عقل فعال سے تعبیر کرنا دعوی بلا دلیل ہے کوئی دلیل عقلی یا دلیل نقلی اس کے متعلق نہیں ہے بلکہ عقل اور شرع کی رو سے اُس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

سورہ والنجم آیات ۱۴ و ۱۷ و ۱۸ ملاحظہ ہوں۔

ثالثاً وحی کو ایک قسم میں منحصر جاننا بھی **ماخوذ از مجردات** جاننا بے وجہ ہے جیسا کہ ہمارے بیانات سے معلوم ہوا کہ وحی شہودی ایک دوسری علیحدہ قسم ہے۔

بیانِ الہام

الہام چہار قسم است

اوّل - الہام فطری است کہ از شئونِ تکوینیہ است مثل اینکہ باری تعالےٰ بخلقتِ عقلِ فطری برائے نفس ناطقہ الہام خیروشر و فجور و تقویٰ فرمودہ است سورہ والشمس آیہ ۸ ومثل الہام وحی نحل کہ سابقاً ذکر شد -

دوم - الہام حدسی است چوں نفوس بشریہ برائے استکشافِ حقایق و استفاضہ علومِ نظریہ از مبادی عالیہ محتاج می باشند بقوۂ خیال و بفکر و ترتیبِ مقدمات وحدود وسطیٰ وتنظیم ادلہ و براہینِ انّیہ ولمیّہ تا اینکہ بہ نتائج انہا برسند لکن اذکیاء راگاہے بطریقِ حدس نتیجہ وحدِ وسط دفعتاً حاصل میشود باسرع وقت ایں است الہام حدسی -

سیئم الہام خطوری است برائے ہمہ بشر خطورِ افعال ضروری است و مبداءِ صدور کلیہ افعال بشری باشد بعداز خطور تصور فائدہ ۔ ملائمت یا منافرتش میشود وازاں تصوّر فائدہ ملائمت شوق حاصل میگردد واز تاکدِ شوق عزم حاصل میشود واز قوتِ عزم جزم پیدا میشود بعد ازاں انبعاث عضلات میشود فعل حاصل گردد -

چہارم - الہام النبوّۃ است کہ عمدۂ مقصود ما اینست

بیان الہام

الہام چار قسم کا ہے

اول الہام فطری ہے کہ تکوین کی شان سے ہے مثل اس کے کہ باری تعالےٰ نے عقل فطری کے ساتھ نفس ناطقہ کے واسطے الہام خیر اور شر اور فجور اور تقویٰ فرمایا ہے مثل سورۂ والشمس آیہ ۸ اور مثل الہام وحی نحل کہ سابقاً ذکر ہوا (ص)

دوم الہام حدسی ہے چوں کہ نفوس بشری حقائق کے دریافت کرنے کے لئے اور علوم نظریہ کے مبادی عالیہ حاصل کرنے کے لئے قوہ خیال اور فکر اور ترتیب مقدمات اور حدود وسطیٰ اور تنظیم ادلہ اور براہین انیہ اور لمیہ کے محتاج ہیں تاکہ ان کے نتائج کو پہنچیں لیکن اذکیا کو کبھی حدس کے طریقہ سے نتیجہ اور حد اوسط دفعتہً حاصل ہو جاتے ہیں جس میں دیر نہیں لگتی یہ الہام حدسی ہے۔

سوم الہام خطوری ہے۔ تمام آدمیوں کو خطور افعال ضروری ہے اور خطور (دل میں ایک بات کا آنا) صدور کلیہ افعال بشر کا مبداء ہوتا ہے فائدہ و ملائمت (پسندیدگی) یا منافرت کا تصور دل میں فعل کے خیال آنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور اس تصور سے فائدہ اور ملائمت سے شوق حاصل ہوتا ہے اور شوق کے تاکد سے عزم حاصل ہوتا ہے اور قوۃِ عزم (ارادہ) سے جزم (استقلال) حاصل ہوتا ہے۔ بعد اس کے عضلات میں اجرائے حرکت ہوتا ہے۔

چہارم الہام نبوت ا یہی اصل مقصود سما بحث کا ہے

و آں بر دو قسم است

اوّل الہام نتائج   دوم الہام مبادی

اوّل اینست کہ نفوس شریفہ انبیاء از حیث قوت و شدت صفا و ضیاء فطری در مرتبہ بکاد زیتہا یضیئی ولو لم تمسہ نار بلکہ بالاتر ازاں می باشند و حاجتے بمساس نار فکری از قوۂ خیال ندارند۔ لہذا دفعتًہ انبعاث نتائج نظریہ و علوم حقیقیہ و معلوماتِ واقعیہ بدون حجاب و تردید بطور عین الیقین مأمون از ہر خطا و خلافے در نفوس نبویّہ حاصل میشود بدون توسط ملک یا مشاہدہ۔

دوم اینست کہ چوں بمفاد کلٌّ یعمل علی شاکلتہٖ کلیۂ خطوراتِ قلبیۂ بشر اثراتِ فطرت و رشحاتِ طینت و یا ثمرات ملکاتِ مکتسبہ میباشد و ہر خطورے فقط مقتضی است برائے صدورِ فعل علتِ تامہ نیست بایں سبب ہیچ اعتراضے بر اخبار و احادیثِ طینت متوجہ نمیشود۔

پس خطوراتِ نفسِ نبویّہ کہ از رشحاتِ آن نفس مقدسہ است و از ملکاتِ حاصلہ از مدرس و علّمک ما لم تکن تعلم ناشی میشود و ثمرۂ اخلاقِ سامیہ انک لعلی خلق عظیم می باشد بالکلیہ مبادی صلاح مجتمع بشری و موجب سعادت عمومی است در ہر دو نشأہ

اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

اوّل الہام نتائج　　　دوم الہام مبادی

اوّل یہ ہے کہ انبیاء کے نفوس شریفہ قوت اور شدت صفا اور ضیاء فطری کے سبب سے مرتبہ میں یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار (عنقریب ہے کہ آگ روشن ہو جائے اس کا تیل اگرچہ آگ نے نہ چھوا ہو) بلکہ اس سے بھی بالاتر ہوتے ہیں اور قوۂ خیال کی آتش فکر سے اتصال کی حاجت نہیں رکھتے لہذا نفوس نبویہ کو دفعتاً نتائج نظریہ کی پراگندگی اور علوم حقیقیہ اور معلومات واقعیہ بلا حجاب اور تردید کے اور بطور عین الیقین اور ہر خطا اور خلاف سے محفوظ اور بلا توسط فکر یا مشاہدہ حاصل ہوتے ہیں

دوم الہام مبادی یہ ہے کہ (بموجب ہر شخص اپنے طریق پر کام کرتا ہے) تمام خطورات قلبی بشر فطرت کے اثر اور طینت کے قطرے اور ملکات مکتسبہ کے پھل ہوتے ہیں اور ہر خطور فقط صدور فعل کا مقتضی ہوتا ہے لیکن علت تامہ نہیں ہوتا اس لئے کوئی اعتراض اخبار اور احادیث طینت پر نہیں ہوتا۔

پس نفس نبویہ کے خطورات جو کہ اس نفس مقدسہ کے قطرات ہوتے ہیں اور ملکات حاصلہ تعلیم گاہ وعلمک مالم تکن تعلم سے پیدا ہوتے ہیں اور اخلاق سامیہ کے ثمر انک لعلیٰ خلق عظیم سے تمام تر جماعت بشری کی صلاح کے مبادی اور سعادت عمومی کے موجب دونوں جہان میں ہوتے ہیں۔

انیست الہام مبادی فرق ہر دو قسم الہام النّبوّہ باہر دو قسم وحی النّبوّہ واضح است۔

مطلب سیّم

میزانِ صحتِ قول مدعیِ وحی و نبوت اجتماعِ امورے است۔

اوّل آنکہ باید متصف بودہ باشد بکلیۃ اوصاف حمیدہ خصائلِ محمودہ و جمیع مکارِم سامیہ۔ مثلِ شرف نسب و علمیّت و عصمت و اعقلیّت و شجاعت و مبرّاء باشد از عیوبِ منفرّہ خلقاً و خُلقاً و اصلاً و فرعاً و فاعلِ امورِ قبیحہ نباشد۔

دوّم۔ آنکہ نبّیِ مسلّم النّبوّۃ تکذیب نفرمودہ باشد نبوتِ آں مدعی نبوۃ را نہ بعنوانِ خصوصی و نہ بعنوانِ عمومی مثل لا نبیّ بعدی زیراکہ درایں صورت عقل فطری حکم بکذبِ آں مدّعی خواہد کرد۔

سیّم آنکہ تعالیم آں مدّعی منافی و مخالف با مستقلّاتِ احکامِ عقلیۃ نبودہ باشد مثل شرک، تعدد آلہ، و عبادتِ غیر خدائے تعالےٰ ما ازایں جہۃ بعضِ کتب مقدسہ مشتمل بایں قبیل تعالیم مخالفہ را تحریف شدہ میدانیم۔

چہارم آنکہ باید اظہارِ معجزہ و خارقِ عادت بنماید یعنے خدائے تعالےٰ بدستِ او خارق عادات اظہار بفرماید تا اینکہ

یہ الہام مبادی ہے۔ دونوں قسم کے الہام النبوہ کے فرق مع دونوں قسم وحی النبوہ کے واضح ہیں ۔

مطلب سیّم

مدعی وحی اور مدعی نبوت کے قول کی صحت کی میزان چند امور کا جمع ہونا ہے۔

اوّل یہ کہ وہ مدعی کلیتہً اوصاف حمیدہ اور خصائل محمودہ اور کل مکارم سامیہ مثل شرف نسب و اعلمیّت و عصمت و اعقلیت و شجاعت سے متصف ہو اور نفرت دلانے والے عیوب سے خَلقاً اور خُلقاً اور اصلاً اور فرعاً مبرّا ہو اور امور قبیحہ کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔

دوّم یہ کہ نبی مسلم الثبوت نے اس مدعی نبوت کی نبوۃ کی تکذیب نہ خصوصی طور پر نہ عمومی طور پر مثل لا نبی بعدی نہ فرمائی ہو کیونکہ اس صورت میں عقل فطری اُس مدعی کے کذب پر حکم لگاتی ہے۔

سیّم یہ کہ اس مدعی کے تعالیم احکام عقلیہ مستقل کے منافی اور مخالف نہ ہوں مثل شرک تعدّد الٰہ اور عبادات غیر خدائے تعالےٰ ہم اس لئے بعض کتب مقدسہ کو جو اس قسم کی تعلیم مخالفہ پر مشتمل ہیں تحریف شدہ سمجھتے ہیں ۔

چہارم یہ کہ معجزہ اور خارق عادات دکھلائے یعنے خدا تعالےٰ اُس کے ہاتھ سے خارق عادات ظاہر فرمائے ۔ یہاں تک کہ

انجام و مغلوبیت او لازم نیاید۔

لہٰذا در قرآن مجید برائے انبیاء معجزات و خوارقِ عادات اثبات فرمودہ است از قبیلِ ید بیضاء و فرقِ بحر و قلب عصا باژدہا و احیاءِ موتی و ابراءِ اکمہ و ابرص و اخراج ناقہ از صخرۂ صماء و امثالِ اینہا و چوں رسولِ اکرمؐ بنصِ قرآن مجید اشرف و اعظم و خاتم انبیاء می باشد پس البتہ معجزہ اش نیز اشرف و اعظم از معجزاتِ مذکورۂ سائر انبیاء می باشد و ہمیں در ثبوتِ معجزۂ عظمایش اجمالاً کافی است اگرچہ تفصیل و تعیینِ آنہا را ذکر ننمائیم زیرا کہ معقول نیست در کلام آلہی ان ہمہ معجزات برائے دیگر انبیاء اثبات نماید و خودش کہ اشرف و اعظم از ہمہ انہا بودہ باشد نظیرِ معجزۂ انہا را اظہار نفرمودہ باشد بلکہ اعظم از معجزاتِ انہا نداشتہ باشد۔ بلے ہرگاہ کسی معجزہ نداشتہ باشد معجزات انبیاء را نیز انکار نماید تا بتواند ادعا کند کہ نبی بلا معجزہ است مثل ہوستانِ مذاہب باطلہ از قبیلِ فرقۂ ضالۂ بہائیہ و امثالِ انہا و اگر بعض اتباع انہا بعد از مدتے فہمیدہ است کہ اساس نبوت بدوں معجزہ غلط است برائے اغفال عوام الناس نفوذ و پیش رفت را معجزہ قرار دادہ است نفہمیدہ است کہ اثبات ملزوم اخص بلازم اعم از اوضح مغالطات است و این غلط اشنع و افضح از غلط متبوعش می باشد

اُس کا لاجواب ہونا اور اُس کی مغلوبیت لازم نہ آئے۔

لہٰذا قرآن مجید میں معجزات اور خوارق عادات انبیاء کو ثابت فرمایا ہے جیسے یدبیضا فرقِ بحر قلبِ عصا باژدھا اور مردوں کو جلانا اور اندھے اور مبروص کو تندرست کرنا اور سخت پتھر سے ناقہ کا نکالنا وغیرہ اور چونکہ رسول اکرمؐ نصِ قرآن مجید سے اشرف اور اعظم انبیا ہیں۔ پس البتہ آپ کا معجزہ بھی اشرف اور اعظم معجزات مذکورہ تمام انبیاء سے ہوگا اور یہی آپ کے معجزہ عظمیٰ کے ثبوت میں مجملاً کافی ہے اگرچہ ان کی تفصیل اور تعیین کا ہم ذکر نہیں کرتے کیونکہ یہ بات معقول نہیں ہے کہ کلام الٰہی میں تمام معجزات دوسرے نبیوں کیلئے ثابت کریں اور خود جو اشرف انبیا ہو ان کے معجزوں کی نظیر ظاہر نہ فرمائی ہو بلکہ انکے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ نہ رکھتا ہو۔ ان جہت کوئی شخص معجزہ نہ رکھتا ہو وہ دوسرے انبیاء کے معجزوں سے انکار کرتا ہے تاکہ یہ دعوےٰ کر سکے کہ نبی بلا معجزہ ہے جیسے مذاہب باطلہ کے بانی مثل فرقہ گمراہ بھائی اور مثل ان کے اور اگر بعض ان کے پیرو مدت کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ بنیاد نبوت کی بلا معجزہ غلط ہے تو لوگوں کو مغالطہ کرنے کے لئے نفوذ اور ترقی کو معجزہ قرار دیتے ہیں اور نہیں سمجھتے ہیں کہ ثابت کرنا خاص ملزوم کا اعم لازم کے ذریعہ سے ظاہر ترین مغالطہ ہے اور یہ غلط قبیح تر اور افضح تر اس کے ماننے والوں کی غلط کاری سے ہوتا ہے۔

قرآنِ مجید در بلاغت و فصاحت و محتویاتش اعلےٰ ترین
معجزات میباشد که ان عارفِ الہی و مصلحِ اعظم دینی و
اجتماعی و مخبرِ از مغیبات خاتم انبیاء صلے اللہ علیہ والہٖ وسلّم
در مقام تحدّی آورده است و دعوتش بر ضد ادیان و اخلاق
و عادات و ریاست و سلطنت و اهواء ان مردم بوده است
و ازاں فصحاے عالم که متخصّص در فصاحت و بارع در
بلاغت و اہل لسان و خُبرہ و صاحبان سلطنت و صولت و
اقتدار و ثروت بودند همیں قدر قانع شد که یک سوره نظیرِ قرآن
را بیاورند تا اینکه از دعواے خودش دست بردارد ان فصحاء
نتوانستند و عاجز شدند و حاضر شدند بکشته شدن و اسارتِ
عیال و اولاد و اضمحلالِ ثروت و سلطنت و عقائد شان و
نتوانستند یک سوره نظیر قرآن را بیاورند تا محفوظ بمانند
همیں عجز ایشان برهانِ بزرگے میباشد براے اثباتِ اعجاز
قرآنِ شریف بلکے اٰنان که اہل لسان و خبره بودند فهمیدند و
شناختند فصاحت و بلاغتِ خارج از حد طاقت بشر را
انها مانند غیر اہلِ لسان از مستشرقین اوروپا و متعربین سائر
ممالک نبودند که نفهمیده تزویقِ الفاظ و تحسین عبارات و تنسیق
کلمات را فصاحت و بلاغت پندارند نفهمیده اعتراضات نمایند
شعر عجب نبود گراز قرآن نصیبش نیست جز حرفی ـ که از خورشید

قرآن مجید اپنی بلاغت اور فصاحت اور مضامین کے اعتبار
سے اعلیٰ ترین معجزہ ہے کہ اس خداشناس اور مصلح اعظم دینی اور
مخبر حالات غیب خاتم انبیاء صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مقام مقابلہ میں
پیش کیا ہے اور اُس کی دعوت برخلاف دینوں اور اخلاقوں اور
عادتوں اور ریاستوں اور سلطنتوں اور ہواہائے نفس اُن آدمیوں
کے رہی ہے اور اُن فصیحان عالم سے جو کہ فصاحت میں مخصوص
تھے اور بلاغت میں بڑھے ہوئے تھے اور اہل زبان اور صاحبان
علم کامل اور صاحبان سلطنت اور صولت اور اقتدار اور ثروت
تھے صرف اسی قدر پر قناعت کی کہ ایک سورہ نظیر قرآن کا لادیں تاکہ
آپ اپنے دعوئی سے دست بردار ہو جائیں فصحا نہیں لا سکے اور
عاجز ہو گئے اور مارے جانے کو اور عیال و اطفال کے قید ہونے کو اور دولتمند
اور سلطنت اور اپنے عقاید کے مضمحل ہونے کو قبول کیا اور ایک سورہ
مثل قرآن کے پیش نہ کر سکے تاکہ محفوظ رہتے پس یہی انکی عاجزی اعجاز
قرآن شریف کے ثبوت میں دلیل بزرگ ہے۔ ہاں وہ لوگ جو اہل
لسان اور عالمان کامل تھے سمجھ گئے اور جان گئے کہ یہ فصاحت اور
بلاغت حد طاقت بشر سے خارج ہے وہ لوگ غیر اہل زبان مستشرقین
یوروپ اور تمام ممالک کے عربی دانوں کی مانند نہ تھے کہ بغیر سمجھے ہوئے
الفاظ کی لمع کاری خوبی عبارات ترتیب کلمات کو فصاحت اور بلاغت تصور
کرتے ہیں اور بلا سمجھے بوجھے اعتراض کرتے ہیں شعر نہیں حیرت کی جا قرآن کو بہرہ ہو انکو سوچ ہے

جز گرمی نہ بیند چشم نابینا۔ انہا شاہسواران میدانِ فصاحت
وبلاغت و انشاء کنندگانِ امثالِ معلقات سبع بودند دانستند
کہ در موضوعاتِ سامیۂ موجودہ در قرآن شریف از انحاءِ حقایق
وفنونِ معارف وانواعِ علوم ومغیبات باان نحو استقامتِ
مسلک و اطرادِ مجری ومطابقتِ مقتضیاتِ احوال برائے
بشریک آیہ ممکن نیست بتوانند نظیران را بگویند غزل وحماست
ونسیب ومدح وتشبیب نہ بود تاکہ خیالات فصحائے عرب
باندرجہ برسد۔ بایں جہت انہا در موقفِ حیرت و وہشت
ایستادند از شدت مبہوتی از خارقیتِ سحرش نا امید بعد تسلیم
شدند چنانکہ سحرۂ فرعون چوں اہل خبرہ بودند از مشاہدۂ اعجازِ
کلیم اللہ مبہوت ومتحیر شدند۔ بلے اہل لسان واہلِ خبرہ
فہمیدند ومبہوت شدند وقتیکہ دیدند کہ از ہمیں حروف بیست
وہشتگانہ واز ہمیں کلمات مالوفہ ومؤتلفہ ازاں حروف قدرت
خداوندی ترکیبے وتالیفے ایجاد نمودہ است بشر را قوۂ معارضۂ
ان نیست۔ لہٰذا عاجز ماندند اگر یک آیہ در معارضہ گفتہ بودند
تاریخ ان را ضبط میکرد۔

این نبی اعظم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صاحب معجزاتِ عظمیٰ
تعالیم وقوانین واحکامی از جانب حضرت رب العزۃ جلت عظمتہ

سوا گری کے اندھا کچھ نہیں پاتا ۔ وہ عرب کے لوگ تو فصاحت اور
بلاغت کے میدان کے شہسوار اور سبعہ معلقہ سی نظموں کے لکھنے
والے تھے وہ سمجھ گئے تھے کہ اس طرح کی استقامت مسلک اور
روانی بیان اور مطابقت مقتضیات احوال کے ساتھ طرح طرح
کے حقایق اور فنون معارف اور قسم قسم کے علوم اور امور غیب کے متعلق
قرآن مجید کے بلند مضامین ہیں کہ ممکن نہیں ہے کہ انسان ایک آیہ
کی بھی نظیر لا سکے ۔ غزل حماست (بہادری) توصیف زنان
مدح تشبیب نہ تھی تاکہ خیال فصحائے عرب اس درجہ تک پہنچے
اسی وجہ سے وہ مقام حیرت اور خوف میں کھڑے رہ گئے شدت مبہوتی
سے اور اس کی خارقیت سے سحر کہنے لگے اور بعدہ مان گئے جس
طرح پر فرعون کے جادوگر جو بڑے بڑے کامل تھے اعجاز کلیم اللہ
کو دیکھ کر مبہوت اور متحیر ہو گئے ۔ ہاں اہل لسان اور کاملین علم
سمجھ گئے اور مبہوت ہو گئے جس وقت انہوں نے دیکھا کہ انہیں
۲۸ حرفوں میں سے اور انہیں کلمات رائجہ اور مرکبہ حروف میں
سے قدرت خداوندی نے ایک ترکیب اور تالیف ایجاد کی ہے
بشر کو قوت اس کے مقابلہ کی نہیں ہے لہذا عاجز رہے اگر ایک
آیت بھی اس کے مقابل کہتے تو تاریخ میں لکھا ہوتا ۔

یہ نبی اعظم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم صاحب معجزات عظمیٰ نظام
اور قوانین اور احکام حضرت ربّ العزّت جلّت عظمتہٗ

آوردہ است کہ برائے عموم بشر در جمیع اقطار و امصار و امکنہ و ازمنہ تا قیام قیامت کافی است و بہمین جہت دین اسلام ناسخ جمیع ادیان و خاتم ادیان است۔

ما تفصیلِ فلسفۂ دیانت و سرِّ طبیعی تجدد ادیان و سببِ عقلی خاتمیتِ دین اسلام را مفصلاً در رسالۂ مخصوص ذکر نمودہ ایم ایں مقام گنجائش بسط و تفصیل ندارد۔

اجمالاً میگوئیم تعالیم و قوانین دین اسلام روی یک اساسِ متین و محکمی از حکمت بنا شدہ است کہ الی الابد بہیچ وجہ رخنہ و تزعزع دراں ممکن نیست مبادی اسلام باتمام مطابقِ عقلِ فطری عاری از شوائبِ اوہام است و مبنی می باشد بر اساسِ مستحکم حسن و قبح عقلے کہ ساری است در عموم بشر و ذوی العقول در جمیع ازمنہ و امکنہ و مبرا می باشد از کلیۂ خرافات اعتقادات و فاسداتِ عادات و مألوفاتِ عنصری و قومی ایں امتیاز برائے ہیچ یک از ادیان و شرایع سماویہ حاصل نیست۔ لہذا دعوت بسوی دینِ اسلام عمومی و ابدی شدہ است۔

ف

ارکانِ تعالیم اسلام۔ اول اقرار بصانع واحد و اعترا بمباد است بطورے صریح و واضح مقرر شدہ است کہ مزید بران متصور و معقول نیست۔ لہذا در توحید اسلاً

کی جانب سے لائے ہیں کہ عموم بشر کے لئے جمیع اقطار اور
امصار اور امکنہ اور ازمنہ میں تا قیام قیامت کافی ہیں اور اسی
وجہ سے دین اسلام تمام دینوں کا ناسخ ہے اور تمام دینوں کا خاتم ہے

ہم نے فلسفہ دیانت کی تفصیل اور تجدّد ادیان کا سبب عقلی
خاتمیت دین اسلام کو مفصلاً رسالہ مخصوصہ میں ذکر کیا ہے یہ
مقام بسط اور تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا۔

اجمالاً یہ ہے کہ تعالیم اور قوانین دین اسلام ایک اساس
مضبوط اور محکم حکمت پر مبنی ہیں کہ ابد تک کسی وجہ سے اس
میں رخنہ اور جنبش ممکن نہیں مبادی اسلام تمامتر مطابق عقل
فطری ہر شبہ اور وہم سے خالی ہیں اور بنیاد مستحکم
حسن اور قبح عقلی پر مبنی ہیں جو کہ عموم بشر اور ذوی العقول تمام
زمانوں اور مقاموں میں جاری اور ساری ہے اور کلیہ خرافات اعتقادات
اور فاسدات عادات اور عنصری اور قومی ملاوٹوں سے پاک ہے
یہ امتیاز کسی ایک دین کے لئے دینوں میں سے اور شرایع
میں سے کسی شرع سماویہ کو حاصل نہیں ہے لہذا دعوت
طرف دین اسلام کے عمومی اور ابدی ہے۔

ارکان تعالیم اسلام یہ ہیں۔ اول اقرار صانع واحد کا اور اقرار
قیامت کا ہے۔ یہ امور ایسے صریح اور واضح طریق کے ساتھ مقرر ہوئے
ہیں کہ اس سے زیادہ متصور اور معقول نہیں ہیں۔ لہذا توحید میں ذرا

غموضی و شوائبی از حلول و اتحاد و تشبیہ و تعطیل و امثال انہا کہ در ادیان دیگر پیدا شدہ است نیست ۔

و در معاد مقدار ضروری کہ لازم لاینفکِ اقرار بصانع و تکالیف است مقرّر گردیدہ است ۔

صفات ذاتیّہ و صفات فعلیّہ در ذات احدیت و نبوّت و امامت از اقسام ایں رکن می باشند کہ برائے شرح ایں اجمال کتابہا ضرور است ۔

دوّم ۔ افعال بشری است کہ تعلق بنشاۃ آخرت دارد عبادات می باشند کہ ہر یکے ازاں عبادات مستقلاً از موجبات سعادت حقیقیہ و توجہات خضوعیِ ارواح و نفوس بسوئ عظمت مقام شامخ الوہیت و از اسبابِ استمرارِ تذکرِ وظائفِ عبودیّت و رفضِ انغماس در علایقِ مادیّہ و بدنیّہ و یگانہ علاج منحصر مقتضیاتِ شہوات و غضب قوائے نفسیہ میباشد الصلوٰۃ معراج المؤمن (حدیث نبوی)

ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر (قرآن مجید)

احصاء اسرار عبادات و محسنات انہا را مجلدات ضخیمہ ضرور است کہ اقسام عدیدہ دریں رکن و در رکن سیّم مندرج می باشد کہ در کتب فقہیہ و دینیہ کاملاً بیان شدہ اند ۔

بھی شک وشبہ حلول اور اتحاد اور تشبیہہ اور تعطیل کا اور
مثل ان کے جو دوسرے دینوں میں پیدا ہوگیا ہے نہیں ہے۔
اور معاد میں مقدار ضروری جو اقرار صانع حقیقی اور تکالیف
کی لازم لایتفک ہے مقرر کردی گئی ہے۔
صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ ذات خدا میں اور نبوت اور
امامت اسی رکن کے اقسام میں سے ہیں کہ اس اجمال کی شرح
کے واسطے کتابیں چاہئیں۔
دوم افعال بشری ہیں جن کا تعلق عالم آخرت سے ہے
وہ عبادتیں ہیں کہ ہر ایک اُن عبادتوں میں سے جو مستقل ہیں
موجبات سعادت حقیقیہ اور توجہات خضوعی ارواح و نفوس
عظمت الوہیت کے مقام بلند کی طرف اور یاد دائمی کے
اسباب سے اور وظائف عبودیت اور علایق مادی اور بدنی میں
غوطہ زنی سے بچنے کے لئے اور یگانہ علاج منحصر مقتضیات شہوات
وغضب قوائے نفسانیہ ہوتا ہے (الصلوٰۃ معراج المؤمن)
(حدیث) ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر (قرآن مجید)
عبادات کے اسرار اور خوبیوں کے شمار کرنے کو
مجلدات ضخیمہ مطلوب ہیں کہ اقسام عدیدہ اس رکن کے
اور رکن سیتم کے لکھے جائیں جو کہ کتب فقہیہ اور دینیہ میں
کاملاً بیان ہوئے ہیں۔

سیّم - افعالِ بشری متعلق بانتظامِ امورِ مدنیّہ وتمدنِ بشری واصلاحِ احوالِ معاش است دین اسلام دریں موضوع دریائے بے پایانی است کہ مقتضیاتِ فطرت و طبیعت را کاملاً مرعی داشتہ قانونے برائے بشر وضع کردہ است کہ عقل و وہم بشر راہیچ طمع مزید براں باقی نیست دینے از ادیانِ سماویّہ وقانونے از شرائع وضعیہ عشرِ معشارِ ہزارمِ آں را متکفل نیست اصولِ تساوی را در کلیہ مرافقِ حیویہ وسائرِ حقوق ومعاملات مابین عموم بشر از مسلم و غیر مسلم مقرر فرمودہ است ۔

محاسن ووضوحِ تعلیمات وقوانین اسلامی را کافی دانستہ طریقۂ دعوت را منحصر بنشرِ معارفِ اسلامی وحکومتِ عقلِ فطری فرمودہ لا اکراہ فی الدین را عنوان دعوت مقرر فرمودہ است ۔

جہادِ مفروض فقط بجہتِ رفع تعرضِ معاندین ومانعین از نشرِ دعوتِ اسلامی وبرائے فتح طریق دعوت بود کہ متمکن شوند از نشرِ قوانینِ اسلام در اقطارِ عالم کہ منتظر ظہورِ اسلام بوند لہذا بعد از فتوحات احدے را مجبور باعتناق اسلام نفرمودہ اند تحصیل علوم را فریضہ عمومی قرار دادہ اند تہذیب اخلاق وتکمیل مکارم را اہم مقاصد وغایاتِ نبوتش مقرر فرمودہ

یہ تمام افعال بشری انتظام امور مدنیہ اور تمدن بشری اور اصلاح احوال معاش سے متعلق ہیں اور اس مقام میں دین اسلام دریائے بے پایاں ہے جس نے مقتضیات فطرت اور طبیعت کو کامل طور سے مرعی رکھ کر قانون بشر کے لئے وضع کر دیا ہے اور عقل اور وہم بشر کو کوئی خواہش اس سے زیادہ کی نہیں ہے ادیان سماویہ میں سے کوئی ایک بھی دین اور شرائع وضعیہ میں سے ایک شریعت بھی اس کے ہزارویں حصہ کے دسویں حصہ کی بھی متکفل وضامن نہیں ہے۔ اصول مساوات کی بنا پر جملہ فوائد متعلق بہیات اور تمام حقوق اور معاملات درمیان عموم بشر مسلم وغیر مسلم مقرر فرما دیئے ہیں خوبیاں اور وضاحت تعلیمات اور قوانین اسلامی کو کافی جان کر طریقہ دعوت کو نشر معارف اسلامی اور حکومت عقل فطری پر منحصر فرما دیا ہے لا اکراہ فی الدین کو عنوان دعوت معین کیا ہے۔

جہاد جو فرض کیا گیا ہے وہ فقط رفع روک ٹوک معاندین اور مانعین نشر دعوت اسلامی کے لئے اور راہ دعوت کے کھل جانے کے لئے تھا تاکہ اقطار عالم میں جو کہ منتظر ظہور اسلام کے تھے قوانین اسلام کے نشر پہنچ جائیں لہذا بعد فتوحات کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا اور تحصیل علوم کو فریضہ قرار دیا تہذیب اخلاق اور تکمیل مکارم کو اہم مقاصد اور آپ کی نبوت کے غایات مقرر فرمایا

است - زنگِ خرافات و اوہام را بصیقلِ توحید از الواحِ
عقول زائل نمودہ است دین اسلام بشر را بسوے ترقیاتِ
روحی وجسدی و فکری سوق میدہد درہاے شرافت کبروی
جمیع بشر کشودہ است بدون امتیاز عنصری وجنسی وصنفی
ہر نفسی را در کلیۂ درجات کمالات و فضائل ذی حق قرار
دادہ است میتواند در سایۂ سعی وکوشش ان را حائز
شود بدین واسطہ علوِ ہمت و اعتمادِ بر نفس ومکارم سامیہ
را در نفوسِ بشر ایجاد نمودہ است عموم افرادِ ملّت را
باتّباع براہینِ متقنہ ودلائلِ محکمہ مامور فرمودہ ہمہ جا عقلِ
فطری را مخاطب وحاکم قرار دادہ است امر بمعروف و
نہی از منکر را ایجاب وعاملِ استمراری ودائمی براے تخلیۂ
عقولِ عمومِ ناس بمعارفِ حقہ وتعدیل وتہذیبِ اخلاق
وردعِ از اخلاقِ رذیلہ وتکمیلِ سعادت دارین در ہر عصرے
ودورے الے الأبد قرار دادہ است بعد از تبلیغ ایں دینِ
کامل ومکمل بنوعِ بشر خطاب اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ
متوجہ فرمودہ است پس محتاج بہیچ مکمل نیست کالنّارِ
علی المنار والشمس فی رابعۃ النہار میدرخشد حاجتے
بہ بروز دہندۂ دیگر ندارد -

مادامیکہ عقلِ فطری در افرادِ بشر بحکم خلقت وغریزہ

ہے زنگ خرافات اور اوہام کو صیقل توحید کے ذریعہ سے
عقلوں کی تختیوں سے دھو ڈالا ہے۔ دین اسلام بشر کو
ترقیات روحی اور جسدی اور فکری کی طرف لے جاتا ہے
شرافت کے دروازوں کو جمیع بشر کے سامنے کھولتا ہے۔
بلا امتیاز عنصری اور جنسی اور صنفی ہر نفس کو تمام درجات
کمالات اور فضائل کیلئے حق دار قرار دیا ہے اور ہو سکتا ہے
کہ سعی اور کوشش کے سایہ میں ان پر قابض ہو جائے۔
اسی واسطے علو ہمت اور اعتماد بر نفس اور مکارم بزرگ
کو نفوس بشر میں ایجاد کیا ہے عموم افراد ملت کو براہین یقینی
اور دلائل محکمہ کے اتباع پر مامور فرمایا ہے ہر جگہ عقل فطری
کو مخاطب اور حاکم قرار دیا ہے امر معروف اور نہی منکر کو
ایجاب وعامل استمراری اور دائمی معارف حقہ سے عقول عموم
ناس کی آراستگی اور تعدیل اور تہذیب اخلاق اور پرہیز از
اخلاق رذیلہ اور سعادتِ دارین کی تکمیل کیلئے ہر عصر میں اور ہر
دور میں ابد تک قرار دیا ہے۔ اس دین کامل اور مکمل کی تبلیغ
کے بعد نوع بشر کو خطاب الیوم اکملت لکم دینکم کی طرف
متوجہ فرمایا ہے بس اب کسی تکمیل کی حاجت نہیں ہے مانند نار
علی المنار اور مانند شمس فی رابعۃ النہار چمکتا ہے کسی دوسرے بروند ہندی کی ضرورت نہیں
جب تک کہ عقل فطری افراد بشر میں بموجب خلقت کے

موجود است تعالیم اسلامی کہنہ و مضمحل نخواہد شد مجدد
لازم نیست و چوں حضرتِ حق تعالےٰ این تعالیم را برائے
نوعِ بشر تا قیامِ قیامت کافی وضع فرمودہ است۔ لہٰذا
رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم را خاتم النّبیّین در قرآن
مجید ملقب و مخاطب فرمودہ است و بامرِ حق فرمودہ است
لا نبیّ بعدی پس ہیچ نحو نبوّت بعد از او صحیح نیست و
ہر مدعی نبوّت باید بتکذیب شود علے الخصوص کسانے
کہ ادعاہا ے متناقضہ نمودہ اند زیرا کہ ببداہت حکمِ
استقلالی عقلِ نظری تناقض باطل و محال است حتی
الذی یستلزم التضاد عصمنا اللہ تعالےٰ جمیعاً
من اتباع الھوٰی والتّقوّلِ علے اللہ تعالےٰ و وفّقنا
لمرضاتہ انہ ولی التّوفیق والسّلام علے من اتبع الہدیٰ

اور فطرت کے موجود ہے تعالیم اسلامی کہنہ اور مضمحل نہ ہونگے
اس لئے مجدد لازم نہیں ہے اور چونکہ حضرت حق تعالےٰ نے
ان تعالیم کو نوع بشر کے واسطہ تا قیام قیامت کافی وضع
فرما دیا ہے۔ لہذا رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن
میں خاتم النّبیین سے ملقب اور مخاطب فرمایا ہے اور امر
حق سے آپ نے فرمایا ہے لا نبی بعدی پس کسی نحوے
نبوّت بعد آپ کے صحیح نہیں ہوتی اور چاہئے کہ ہر مدعی نبوت
کی تکذیب کی جائے علے الخصوص ان لوگوں کی جنہوں نے
ادعاہائے متناقضہ کئے ہیں اس لئے بہ بداہت حکم استقلالی
عقل فطری تناقض باطل اور محال ہے حتی الذی یستلزمہ
التضاد عَصَمَنَا اللہ تعالےٰ جمیعاً من اتباع الھویٰ والتقوّل علے
اللہ تعالےٰ ووفقنا لمرضاتہ انہ ولیّ التوفیق والسلام علے من اتبع الھدیٰ۔

---

(۲)

برہانِ امامت

محاضرۂ دوّم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

سوال

در ظہور امام دوازدہم چہ می فرمائید تعیین وقت ظہور ایشاں شدہ است یا نہ ۔ آیا ممکن است کہ ملاقات نماید ایشاں را در زمان غیبتش یا نہ ۔

جواب

چوں در خصوص امام دوازدہم علیہ السلام جناب

(۲)

برہانِ امامت

محاضرۂ دوّم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

سوال

امام دوازدہمؑ کے ظہور کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ کے ظہور کا وقت مقرر ہے یا نہیں۔ آیا آپ کے زمانہ غیبت میں کسی کی آپ سے ملاقات ممکن ہے یا نہیں۔

جواب

چونکہ امام دوازدہم علیہ السلام کے بارہ میں خاص کر جناب

سید محمد علی جعفری صاحب و جناب حاج سید عبد اللہ رضوی صاحب و بعض دیگر از محترمین سوالاتے نمودہ اند در توضیح جواب از جمیع سؤالات لازمست بیان امامت بطور اختصار و اقتصار بدلیل عقلی پس لا بد می باشم از اشارہ بچند مطلب۔

مطلب اوّل

موضوع ہر مسئلۂ از مسائل و ہر قضیۂ از قضایا یک درجہ و مرتبہ معینۂ از علمے دارد کہ تقدیم آن مسئلہ بر مسائل سابقہ برا و موجب اختلال بحث در او میشود و ہر علمے در مرتبہ مخصوصۂ نسبت بعلوم دیگر مقرر است کہ مبادیِ مسائلِ علمِ متأخر ولاحق در علوم سابقہ بر او باید معلوم و اثبات شدہ باشد پس باید مبادی ہر مسئلہ و مسائل سابقہ بر او قبل از بحث ازاں مسئلہ مسلّم بودہ باشد و مورد ہیچ اعتراضے نباشد۔ فعلی ہذا مرتبہ مسئلۂ امامت کہ بعد از توحید و عدل و نبوّت است۔ بادلّۂ قطعیہ و براہین عقلیہ ثابت و محقق شدہ است کہ صانع ایں عالم حادث خدائے واحد قادر عالم عادل حکیم غنی مرید طاعات کارہ معاصی می باشد و محالست صدور قبیح و اخلال باطاف واجبہ از خداوند حکیم متعال جلّت عظمتہٗ۔

سید محمد علی جعفری صاحب و جناب حاج سید عبد اللہ رضوی صاحب اور بعض اور محترمین نے سوالات کئے ہیں جواب کی توضیح میں تمام سوالات کے جواب لازم ہیں اختصار اور اقتصار کے ساتھ اور دلیل عقل سے پس لابد چند مطالب کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

مطلب اوّل

مسائل میں سے ہر مسئلہ اور قضایا میں سے ہر قضیہ کا موضوع ایک درجہ اور مرتبہ معینہ کسی علم سے رکھتا ہے کہ پہلے بیان کر دینا اُس مسئلہ کا مسائل سابقہ سے بحث میں خلل پڑ جانے کا موجب ہو جاتا ہے اور ہر ایک علم اپنے مرتبہ مخصوصہ میں دوسرے علموں کے ساتھ مقرر ہے کہ علم متاخر اور لاحق کے مسایل کے مبادی پہلے علوم میں قبل اس کے کہ اس مسئلہ میں بحث کی جائے طے ہو چکے ہوں اور کسی اعتراض کے وارد ہونے کا محل باقی نہ رہے۔ پس علیٰ ہذا القیاس مرتبہ مسئلہ امامت کا بعد از توحید اور عدل اور نبوت ہے قطعی دلیلوں اور غلبہ بیانوں سے ثابت اور تحقیق ہو چکا ہے کہ اس عالم حادث کا صانع خدائے واحد قادر عالم عادل حکیم غنی مرید طاعات کا اور معاصی سے کراہت کرنے والا ہے اور قبیح امور کا صادر ہونا اور الطاف واجبہ خداوند حکیم متعال جلت عظمتہ میں خلل پڑنا محال ہے۔

ایضاً مبرهن شده است که تکالیفی که از روے حکمت بواسطۂ انبیاءِ عظام وکتب مقدسۂ سماویہ بر بندگانش مقرر فرموده است صرف بجہۃ اکمال احسانست برآنہا وبراے اتمام نعمت واکمال ادیان وشرایع مبعوث فرموده است حضرت محمدؐ بن عبد اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم را بر جمیع بشر وجن وانس با قرآن وشریعتے که ناسخ جمیع ادیانست و باقی خواہد ماند تا قیام قیامت وعلت غائیٔ خلقت عالم وآدم معرفت وعبادتست واعلےٰ ترین درجات معرفت وکامل ترین مراتب عبادت دریں شرع محمدی و دین اسلام ابدی است واین نبی اکرمؐ خاتم جمیع انبیاءؑ است ومتصف بعصمت وجمیع صفات محموده وخصائل حمیده ومکارم سامیہ ومبرا از جمیع عیوب منفره خَلقاً و خُلقاً اصلاً وفرعاً می باشد۔

ایں مبادی ومسائل را باید مسلم دانست بعد ازاں در امامت گفتگو نمود۔ اگر کسے در یکے از مطالب مذکوره تردیدے داشته باشد مذاکره ومناظره یا او در امامت بیہوده ولغو خواہد بود باید با او مذاکره را در مورد تردیدش قرار داد وبعد از رفع تردیدش در امامت با او گفتگو کرد۔

اسی طرح سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ تکلیفیں جو از روی حکمت انبیاء عظام اور کتب مقدسہ آسمانی کے ذریعہ سے بندوں کے لئے مقرر فرمائی ہیں وہ صرف ان پر احسان پورا کرنے کو مقرر کی ہیں۔ اور اتمام نعمت اور دینوں اور شریعتوں کے پورا کرنے کو حضرت محمدؐ بن عبداللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام بشر و جن وانس کے لئے مع قرآن اور شریعت کے جو تمام دینوں کا ناسخ ہے اور قیام قیامت تک باقی رہے گا مبعوث فرمایا ہے اور علت غائی خلقت عالم و آدم معرفت اور عبادت ہے اور اعلے ترین درجہ معرفت اور کامل ترین مرتبہ عبادت کا اس شرع محمدی میں اور دین اسلام میں ابدی ہے اور یہ نبی اکرمؐ تمام انبیا کا خاتم ہے اور عصمت اور جمیع صفات محمودہ اور خصائل حمیدہ اور مکارم سامیہ سے متصف ہے۔ اور جملہ عیوب منفرہ سے خَلقاً و خُلقاً و اصلاً و فرعاً پاک ہے۔

ان مبادی اور مسائل کو مسلم مان کر امامت میں بحث ہو سکتی ہے اگر کوئی شخص مطالب مذکورہ میں سے کسی کی تردید کرتا ہو تو مذاکرہ اور مناظرہ امامت میں بیہودہ اور لغو ہوگا چاہئے کہ اس کے ساتھ جس کی وہ تردید کرے اسی میں مذاکرہ قرار پائے اور اس کی تردید کے دور ہو جانے کے بعد امامت میں گفتگو کرنی چاہئے۔

مطلب دوّم

در علم کلام و علم تیولوجیا (الٰہی بمعنی اخص) ثابت و مبرہن شدہ است کہ نقض غرض قبیح است بر حکیم و بحکم استقلالی عقل نظری صدور قبیح و اخلال بالطاف واجب از حکیم محال است۔

پس بعد ازینکہ در مطلب سابق معلوم شد وجوب اعتقاد باینکہ خداوند حکیم علی الاطلاق حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم را بر عموم بشر مبعوث فرمودہ است (وما ارسلناک الا کافۃ للناس) سورہ سبا (۲۸) و بر جن (اجیبوا داعی اللہ) سورہ احقاف (۳۱) و او را خاتم جمیع انبیاء قرار دادہ است قرآنش را ناسخ جمیع کتب سماویہ نمودہ است دینش را ناسخ جمیع ادیان مقرر فرمودہ است و علت غائی از خلقت عالم و آدم معرفت است ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریات) (۵۶) اے لیعرفون و بجہۃ احسان بر بشر شرایع و ادیان را فرستادہ است و علت غائی برائے جمیع آنہا و اہم مقاصد الٰہیہ دوام شریعت محمدیہ و بقاء دین اسلام کمل تا قیام قیامت می باشد حلال محمدؐ حلال الٰی یوم القیامہ و حرام محمدؐ حرام الٰی یوم القیٰمۃ حدیث نبوی پس ہر چیزیکہ لقاے دین اسلام الی الابد و محفوظ ماندنش از تحریف و

مطلب دوّم

علم کلام اور علم تھیولوجیا (الٰہی بمعنی اخص) میں ثابت اور ظاہر ہو گیا ہے کہ حکیم کے لئے نقض غرض قبیح ہے اور عقل فطری مستقل کے مطابق قبیح فعل کا صادر ہونا اور الطاف واجبہ میں خلل پڑنا حکیم سے محال ہے۔

پس بعد اس کے کہ مطلب سابق میں معلوم ہوا اس اعتقاد کا واجب ہونا کہ خداوند حکیم علے الاطلاق نے حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عوام بشر کے واسطے (ما ارسلناک الا کافۃ للناس سورہ سبا ۲۸) اور جن کے واسطے (اجیبوا داعی اللہ سورہ احقاف ۳۱) مبعوث فرمایا ہے اور آپ کو تمام انبیا کا خاتم قرار دیا ہے قرآن کو ناسخ جمیع کتب سماویہ کا کیا ہے) اور آپ کے دین کو ناسخ تمام دینوں کا قرار دیا ہے اور علت غائی عالم اور آدم کی معرفت ہے (ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون سورہ الذاریات ۵۶ یعنی لیعرفون) اور احسان کی وجہ سے بشر پر شریعتوں اور دینوں کو بھیجا ہے اور علت غائی ان سب کے لئے اور اہم مقاصد الٰہیہ شریعت محمدیہ اور دین اسلام مکمل کی بقا تا قیام قیامت ہے۔

(حلال محمدؐ تا قیامت حلال اور حرام محمدؐ یوم قیام تک حرام حدیث نبوی) پس ہر وہ چیز کہ جس سے دین اسلام کا ابد تک باقی رہنا اور

تبدیل وتغییر باو موقوف بوده باشد لازم است خداوند حکیم آں را مہیا و مقرر فرماید اگر نکند نقض غرض نموده است ونقض غرض قبیح ومحال است از خداوند حکیم متعال

مطلب سیّم

چنانچه بعث حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بر خداوند تعالےٰ لازم و واجب بود برائے تبلیغ دین اسلام بجہۃ مصالح ابدیہ و دائمیہ بشر ہم چنیں لازم وضروری است باید خداوند تعالےٰ جمیع لوازم حفظ آن قانون الٰہی را تا قیام قیامت مقرر فرموده باشد بطوریکہ ہیچ تغییرے و تبدیلے وتحریفے در دین وقرآن مجید الے الأبد واقع نشود واگر خداوند تعالےٰ منصوب ومعیّن نفرموده باشد یک شخص لایقے را کہ محافظت نماید بعد از رحلت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان قانون الٰہی را کہ علت غائی خلقتِ عالم وآدم ونتیجہ بعثت جمیع انبیاء وتشریعِ شرایع سابقہ است وآن دین ابدی وقانون الٰہی را بنجود بشر واگذار فرموده باشد کہ انچہ آراء واہواء واوہام واجتہادات آنہا مقتضی شود بدلخواه خود شان در دین مبین عمل نمایند البتہ بالبدیہۃ ایں وضع سبب تحریف وتغییر وتبدیل دران دین وقانون الٰہی میشود کہ بمرور اعصار وتقلب

تحریف اور تبدیل اور تغیر سے اس کی وجہ سے محفوظ رہنا موقوف

ہو لازم ہے کہ خداوند حکیم اس کو مہیا اور مقرر فرمائے اگر نہ کرے تو

نقض غرض کی ہے اور نقض غرض قبیح اور محال ہے خداوند متعال سے

مطلب سیّم

چنانچہ بعثت حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند

تعالے پر لازم اور بغرض تبلیغ دین اسلام واسطے مصالح ابدیہ

و دائمیئہ بشر کے واجب تھا اسی طرح پر لازم اور ضروری ہے

کہ خداوند تعالے نے جملہ لوازم حفاظت کو اس قانون الٰہی کے

لئے تا قیام قیامت مقرر فرمایا ہو اس طور پر کہ کوئی تغییر اور

تبدیلی اور کوئی تحریف دین اور قرآن مجید میں ابد تک واقع نہ

ہو ۔ اور اگر خداوند تعالے نے ایک شخص لائق کو منصوب اور معین

نہ کیا ہو کہ محافظت بعد از رحلت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس قانون الٰہی کی کرے جو کہ علت غائی خلقتِ عالم اور آدم اور

نتیجہ بعثت جمیع انبیاء اور تشریع شرایع سابقہ کی ہے اور اس

دین ابدی اور قانون الٰہی کو خود بشر کے ذمہ چھوڑ دیا ہو کہ جو کچھ

ان کی رائے اور خواہش اور وہم اور اجتہاد ان کے چاہیں

اپنے دل کی مرضی سے دین مبین میں عمل کریں البتہ بالبدیہۃ

یہ طریقہ تحریف اور تغیر اور تبدیل اس دین اور قانون

الٰہی کا سبب ہو جائے گا کہ زمانے کے گذرنے اور

احوال مضمحل و نابود میگردد و اگر باقی بماند فقط اسم بے مسمّیٰ میماند و بالاخرہ بکفر منجر و منتہی گردد و این نقض غرض است کہ از حکیم متعال قبیح و محال است (وما کان اللہ لیضلّ قوماً بعد اذ ہدیٰہم حتّیٰ یبیّن لہم مایتقون توبہ ۱۱۵) (ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر زمر ۷)

پس ممکن نیست بقاے شریعت بدون نصب امام از جانب خداے تعالےٰ زیرا کہ نقض غرض و محال لازم آید وہم چنیں ممکن نیست تعیین امام را بخود بشر واگذارد و مخوّل فرمودہ باشد زیرا کہ باز مستلزم نقض غرض و محال میشود بسبب اینکہ امام باید متصف باشد باوصافے کہ ذکر خواہیم کرد وظیفہ امامت بدون اتصاف امام بان اوصاف حاصل نہ میشود پس غیر عالم السرّ والخفیات را ممکن نیست تعیین او۔ ممکن است مردم یکنفر خائن و غیر لائق را انتخاب نمایند باز نقض غرض الٰہی میشود و باید بحکم جہات مذکورہ براۓ ان امام نیز اوصیاء ائمہ ہمان اوصاف از جانب خداوند حکیم متعال نصب و تعیین و معرفی شود تا قیام قیامت مادامیکہ تکالیف دینیۂ اسلام در عالم باقی و مطلوب میباشد زیرا کہ اگر یک عصرے از امام منصوب خالی شود نقض

حالات کی تبدیلیوں سے مضمحل اور نابود ہو جائے گا اور اگر باقی رہے گا تو اسم بے مسمٰی باقی رہیگا اور بالآخر کفر کی طرف منجر اور منتہی ہو جاوے گا اور یہ نقض غرض ہے کہ حکیم متعال سے قبیح اور محال ہے (وما کان اللہ لیضل قوماً بعد اذ ہدیٰہم حتیٰ یبیّن لہم ما یتقون توبہ ۱۱۵) اور (لا یرضی لعبادہ الکفر سورہ زمر ۷)

پس بدون نصب امام خدائے تعالےٰ کی طرف سے بقائے شریعت ممکن نہیں ہے کیونکہ نقض غرض اور محال لازم آتا ہے اور اسی طرح پر ممکن نہیں ہے کہ تقرر امام کا خود بشر پر چھوڑ دے اور اس پر محول کر دے کیونکہ پھر نقض غرض اور محال لازم آتا ہے۔ اس سبب سے کہ امام ایسے اوصاف سے متصف ہونا چاہئے کہ جنکا ہم ذکر کرینگے امامت کا کام بدون ایسی صفتوں کے امام کے حاصل نہیں ہوتا پس سوائے عالم سر و خفیات کے اس کا تعیین ممکن نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ لوگ ایک نفر خائن غیر لائق کو انتخاب کر دیں پھر نقض غرض الٰہی واقع ہوگی اور جہات مذکورہ کی بنا پر اس امام کے وصی بھی انہیں اوصاف والے خداوند حکیم متعال کی جانب سے نصب اور تعیین اور معرفی کئے جائیں تا قیام قیامت جب تک تکالیف دینیہ اسلام عالم میں باقی اور مطلوب ہوں کیونکہ اگر ایک زمانہ امام منصوب سے خالی ہو تو نقض

غرض حکیم و محال لازم میآید۔

مطلب چہارم

بمفاد نص صریح آیہ مبارکہ (ہو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ہن ام الکتاب واُخر متشابہات فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتّبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والرّاسخون فی العلم الیٰ آخر الآیہ آل عمران (۱)

قرآن مجید مشتمل است بر محکمات[۱] و متشابہات ونیز مشتمل است بر ناسخ[۲] و منسوخ و عام[۳] و خاص و مجمل[۴] و مبین و مطلق و مقید و مقدم[۵] و مؤخر و منقطع[۶] معطوف و منقطع[۷] غیر معطوف و لفظ[۸] عام بارادہ خصوص و لفظ خاص بارادہ عموم و لفظ[۱۱] جمع بمعنی واحد و لفظ واحد بمعنی جمع و حرف[۱۳] مکان حرفے و ماضی[۱۴] بمعنی مستقبل و نسخ[۱۵] نصف آیہ وابقای نصف دیگرش بحال عمل و آیات[۱۶] مختلفۃ اللفظ متحدہ المعنی و آیات[۱۷] متفقۃ اللفظ و مختلفۃ[۱۸] المعنی و ترخیص لازم الاخذ بعد از عزیمہ و ترخیص[۱۹] بالاختیار و متحد[۲۰] التاویل و التنزیل و مختلف[۲۱] التاویل و التنزیل[۲۲] و ردّ بر زنادقہ و ملحدین[۲۳] و دہریہ[۲۴] و ثنویہ[۲۵] و قدریہ[۲۶] و مجبرہ[۲۷] و عبدۂ[۲۸] اوثان و یہود[۲۹] و احتجاج[۳۰] بر نصاریٰ و آیات[۳۱] متضمنہ بیان صفات حق تعالیٰ و ابواب[۳۲] معانی ایمان و شرائع[۳۳] اسلام و فرائض[۳۴] احکام

غرض حکیم اور محال لازم آتا ہے۔

مطلب چہارم

آیہ مبارکہ نص صریح مندرجہ ذیل کی بنا پر (ہو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ہن ام الکتاب واُخر متشابہات۔ فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم الی آخر الآیہ آل عمران (۷)

قرآن مجید محکمات[1] اور متشابہات اور نیز ناسخ[2] و منسوخ و عام[3] و خاص و مجمل[4] و مبین و مطلق[5] و مقید و مقدم[6] و مؤخر و منقطع[7] معطوف و منقطع[8] غیر معطوف و لفظ[9] عام بارادہ خصوص و لفظ[10] خاص بارادہ عموم و لفظ[11] جمع بمعنی واحد و لفظ[12] واحد بمعنی جمع و حرف[13] مکان حرفے و ماضی[14] بمعنی مستقبل و نسخ[15] نصف آیہ وابقاے نصف دیگر بحال عمل و آیات[16] مختلفۃ اللفظ متحدہ المعنی و آیات[17] متفقۃ اللفظ و مختلفۃ المعنی و ترخیص[18] لازم الاخذ بعد از عزیمہ و ترخیص[19] بالاختیار و متحد[20] التاویل والتنزیل و مختلف[21] التاویل والتنزیل و رد[22] زنادقہ و ملحدین[23] و دہریہ[24] و ثنویہ[25] و قدریہ[26] و مجبرہ[27] و عبدۃ[28] اوثان و یہود[29] و احتجاج[30] بر نصارٰی و آیات[31] متضمنہ بیان صفات حق تعالٰے و ابواب[32] معانی ایمان شرائع[33] اسلام و فرائض[34] احکام

و اخبارِ انبیاء و امم و علمِ قضا و قدر و غیر ذلک من الأقسام الکثیرہ۔

و واضح است کہ فہمیدن امور مذکورہ از قرآن مجید بدون بیان رسول اکرم صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلّم و ائمہ راسخین در علم جانشینان او علیہم الصّلوٰۃ والسّلام برائے سائر مردم ممکن نیست۔ و لہٰذا فرقِ ضالّہ و اصحابِ مذاہبِ باطلۂ متخالفہ ہر یکے بآیۂ از قرآن مجید استدلال نمودہ اند حتّٰی مجتہمین زیرا کہ جاہل بودند بر معانی و مقاصد قرآن شریف و صاحبانِ اہواء باطلہ بودند۔ پس معلوم شد کہ وجود قرآن مجید و شریعت محمدیّہ درمیان ناس بدوں وجود یک شخصے کہ عالم بودہ باشد باسرار نبوت و علوم نبویّہ و مقاصد الہیّہ و اسرار آیات قرآنیہ و مبہمات و مجملات و جمیع احکام موضوعات موجودہ و موضوعات متجدّدہ الی یوم القیٰمۃ بتعلیم رسول اکرم صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلّم و تعیین و نصب او و اوصیاء او از جانب حکیم متعال واحداً بعد واحدٍ کفایت نمیکند بر بقاء و دوام دین اسلام تا آخر دنیا بالبدیہۃ و دفع نقض غرض نمی کند۔

و اخبار[۳۵] انبیاء و امم و علم[۳۶] قضا و قدر و غیر ذلک من الاقسام الکثیرہ پر مشتمل ہے۔

اور واضح ہے کہ سمجھنا امور مذکورہ کا قرآن مجید میں بدون بیان رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وائمۂ راسخین در علم جو آپ کے جانشین ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام آدمیوں کے لئے ممکن نہیں اور اسی واسطے گمراہ فرقے اور باطل متخالف مذہبوں کے اصحاب ہر ایک قرآن مجید کی کسی ایک آیت سے استدلال کرتے ہیں یہانتک کہ مجسمہ بھی کیونکہ وہ معانی اور مقاصد قرآن شریف سے جاہل اور باطل خواہشوں کے مالک تھے پس معلوم ہوا کہ وجود قرآن مجید کا اور شریعت محمدیہؐ کا آدمیوں کے درمیان بغیر وجود ایک ایسے شخص کے جو کہ اسرار نبوت اور علوم نبوی اور مقاصد الٰہیہ اور اسرار آیات قرانیہ اور مبہمات اور مجملات اور تمام موضوعات موجودہ کے اور موضوعات متجددہ تا یوم القیٰمۃ کے جملہ احکام کا عالم ہو بذریعہ تعلیم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور اُس کا تعیین اور نصب اور اس کے اوصیاء کا تعیین اور نصب خدائے حکیم متعال کی جانب سے ایک کے بعد ایک ہوا ہو بقاء اور دوام دین اسلام کے لئے آخر دنیا تک بالبداہتہ کافی نہیں اور دفع نقض غرض نہیں کرتا۔

کل مدت نبوت حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

بعد از بعثت بیست وسہ سال می باشد و دوازدہ سال در مکہ معظمہ با قلت مسلمین و گرفتاریہائے فوق العادہ ہنوز اکمال دین و شریعت و اتمام نزول قرآن مجید نشدہ بود و غالباً عمل بآیات منسوخہ بود ہنوز ناسخ اغلب آنہا نازل نشدہ بود واضح است کہ در مکہ معظمہ اکمال دین و بیان کلیہ اسرار شریعت و قرآن مبین نشدہ است ۔ یازدہ سال بعد از ہجرت در مدینہ طیبہ باآں ہمہ گرفتاریہا بحروب و اصلاحات وغیر ذلک وقت کافی نہ بود باینکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بالمباشرہ جمیع احکام دیں و اسرار مذکورہ را بجمیع ناس تبلیغ بفرمایند پس لزوماً بحکم براہین مذکورہ در مطالب سابقہ ہمہ اسرار و احکام را در نزد وصی وجانشین خودش بامر خدائے تعالےٰ ایداع فرمودہ و معرفی نمودہ است ۔

بلے در صورتیکہ بعد از رحلت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اکابر امراء صحابہ مسائل قطع سارق و میراث جدہ و حکم کلالہ و آیہ مغالات در مہور نساء و معانی الفاظ بسیط و آسان قرآن مجید را ندانستند چنانچہ در احادیث و تواریخ معتبرہ ثابت است آیا معقول است کسے ادعا نماید کہ تبلیغ کامل شدہ بود و حاجتے بامام منصوب از جانب

بعثت کے بعد بیست و سہ سال ہوتی ہے اور بارہ برس مکہ معظمہ میں جہاں مسلمین کی قلت تھی اور فوق العادہ مصیبتوں کا سامنا اور ابھی اکمال دین و شریعت نہیں ہونے پایا اور نزول قرآن مجید تمام نہیں ہوا تھا۔ اور غالباً عمل آیات منسوخہ پر ہوتا تھا اور ابھی ان میں سے بہت سی آیتوں کی ناسخ آیات نازل نہیں ہوئی تھیں واضح ہے کہ مکہ معظمہ میں اکمال دین اور بیان کلیہ اسرار شریعت و قرآن مبین نہیں ہوا تھا ہجرت کے گیارہ برس کے بعد مدینہ طیبہ میں لڑائیوں اور اصلاحات وغیرہ کی تمام مصروفیتوں کی وجہ سے اس کے لئے کافی وقت نہ تھا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بذات خود مشغول ہو کر تمام احکام دین اور اسرار مذکورہ سب آدمیوں کو جمع کر کے پہنچائیں پس لازماً براہین مذکورہ کی بنا پر جو مطالب سابقہ میں بیان ہوئے جملہ اسرار اور احکام اپنے وصی اور جانشین کے نزدیک خدائے تعالے کے حکم کے مطابق اپنے اوپر فرض جان کے۔ اور پہنچوا دئے ہیں۔ اس صورت میں کہ بعد از رحلت رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بڑے امرای صحابہ قطع سارق اور میراث جدہ اور حکم کلالہ اور آیہ مغالات از سور نساء اور معانی الفاظ بسیط و آسان قرآن مجید کو نہ جانتے تھے جیسا کہ احادیث معتبرہ اور تواریخ سے ثابت ہے تو کیا یہ بات معقول ہے کہ کوئی دعوےٰ کرے کہ تبلیغ کامل ہو گئی تھی اور حاجت امام منصوب کی خدا اور رسول کی جانب

خدا و رسولش نہ بود ۔

اگر کتاب اللہ کافی بود و احتیاجی با مام منصوب از جانب خدا و رسولش برائے بیان و تفسیر قرآن نہ بود پس چہ گونہ آن اختلافات عظیم نسبت بقرآن مجید و آیات قرانیہ بعد از رحلت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم در اقل مدتے پیدا شد در عہد حضرت عثمان اختلاف بجئے رسیدہ بود کہ اگر کسے آیۂ از قرآن مجید را برائے سائل تلاوت میکرد سائل و سامع میگفت من کافر ہستم بایں لہذا حضرت عثمان مجبور شد امر نمود قرآن را بکتابت زید ابن ثابت و املاء سعید ابن العاص الأموی و مساعدت مالک ابن ابی عامر و کثیر ابن افلح و انس بن مالک جمع نمودند و سائر نسخہ ہای قرآن مجید را از صحف و صحائف با تمام سوزانیدند ۔ در تفسیر اتقان و در کتاب الدر المنثور روایت نمودہ است قرآن را بعد از جمع بنظر حضرت عثمان رسانیدند (فنظر فیہ فقال احسنتم و اجملتم أری فیہ شیئاً من لحن سیقیمہ العرب بالسنتہا)

ابن خلکان در ترجمہ حجاج نقل کردہ است ناس بعد از جمع حضرت عثمان قرآن را میخواندند لیکن بعد از چہل و چند سال در ایام عبد الملک مروان باز تصحیف قرآن زیاد شد

قرآن مجید کہ اہم معجزات نبویہ است فصحاء و بلغاء عرب

سے نہ تھی۔

اگر کتاب اللہ کافی تھی اور کوئی احتیاج نصب امام کی خدا ورسول کی جانب سے بیان و تفسیر قرآن کے لئے نہ تھی پس کیونکر وہ اختلافات عظیمہ قرآن اور آیات قرآنیہ میں بعد رحلت رسول اکرم تھوڑی مدت میں پیدا ہو گئے حضرت عثمان کے عہد میں اختلاف اس درجہ ہو گیا تھا کہ اگر کوئی آیہ قرآن مجید کو کسی سائل کے واسطے پڑھتا تھا تو وہ سائل اور سامع کہتا تھا۔ میں تو اس سے منکر ہوں۔ پس حضرت عثمان پر لازم ہوا حکم دے دیا قرآن زید ابن ثابت کی کتابت سعید ابن عاص الاموی کے املا مالک ابن ابی عامر اور کثیر ابن افلح اور انس ابن مالک کی مدد سے جمع کیا اور جملہ نسخہ ہائے قرآن خواہ بصورت اوراق خواہ بصورت کتب بالتمام جلا دیئے۔

تفسیر اتقان اور کتاب درمنثور میں روایت ہے کہ قرآن کو جمع کرنے کے بعد حضرت عثمان کی نظر سے گذرا تو۔ حضرت عثمان نے قرآن میں نظر کی کہا کہ تم کو شاباش ہو تم نے نیک کام کیا میں اس قرآن میں ایک چیز لحن اور غلط کو دیکھتا ہوں اس لحن کو عنقریب عرب اپنی زبان سے آخر میں درست کر لیں گے

ابن خلکان نے سوانح حجاج میں نقل کی ہے کہ لوگ حضرت عثمان کے جمع کرنے کے بعد قرآن پڑھا کرتے تھے لیکن چالیس اور چند سال کے بعد عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں تصحیف بہت ہو گئی قرآن شریف جو معجزات نبویہ میں سب سے اہم ہے فصحا اور بلغاء عرب

از معارضه اش بیکسوره بلکه بیک آیه عاجز ماندند وتا قیام قیامت بقاے دین اسلام ببقاء قرآن مجید منوط خواہد بود آیا ملعون نازل شده بود۔ آیا خدا و رسولش تعدیل و تقویم قرآن مجید را محوّل نموده بودند بان عربهاے که میان خداوند خالق سمٰوات وارضین و ما بینهما و میان اخشاب واحجار فرقے نگذاشتند و تمیز نمیدادند تا زمان بعثت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم بت پرست بودند سنگهارا و چوبهارا تراشیده می پرستیدند حاشا وکلّا۔

بلے کار خداے تعالےٰ و برگزیدگان خدا را ہرگاه سائر بشر متصدی شوند ہمیں طورہا میشود علاوه برلحن معترفٌ به چه قدر تقدیم و تأخیر مغیّر المعنی نیز ہست

مثال در ذکر قصه احد (نساء ۱۰۴) ولا تهنوا فی ابتغاء القوم الٰے آخر متمم آیه مذکوره در (آل عمران ۱۴۰) ان یمسسکم قرح الیٰ آخر ذکر شده است ہر دو آیه متصل بہم نازل شدند در معنی متصل بہم ہستند در تالیف قوم نصفش در سوره نسأ و نصفش در آل عمران نوشته شده است۔

مثال دیگر در سوره (عنکبوت) بعد از آیه (۱۷) آیه (۲۴) متصل با و نازل شده است در تالیف قوم انفصال و تأخیر حاصل شده است شش آیه درمیان آنها بدون ہیچ ربط فاصله شده ا۔

اس کے مقابل ایک سورہ بلکہ ایک آیہ لانے سے عاجز رہے
اور قیام قیامت تک دین اسلام کا بقا قرآن کے
بقا سے وابستہ رہے گا قرآن کیا لحن کے ساتھ نازل ہوا
تھا آیا خدا اور اس کے رسولؐ نے قرآن مجید کو تعدیل اور تقویم
کے لیے اُن عربوں کے حوالے کر دیا تھا جو کہ درمیان خداوند
خالق سمٰوات و ارضین اور جو کچھ بیچ ہیں ان کے ہے اور نیز درمیان
لکڑی اور پتھر کے کچھ فرق نہیں کرتے تھے اور تمیز نہیں رکھتے تھے اور تا زمان
بعثت رسول اکرمؐ بت پرست تھے پتھروں اور لکڑیوں کو تراش کر پوجتے تھے کلا و حاشا
ہاں خدائے تعالیٰ اور برگزیدگان خدائے تعالیٰ کے کام کا سرانجام جب
ناشر بشر کرنے لگیں تو اسی طور سے ہوا کرتا ہے علاوہ لحن کے جس کا اعتراف
ہے نیز کسقدر پہلے کی آیتیں پیچھے اور پیچھے کی پہلے جن سے معنی میں تغیر ہو گیا موجود ہیں
مثال قصہ احد کے ذکر میں (نساء ۱۰۴) ولا تهنوا في ابتغاء القوم
الی آخر متمم آیہ مذکورہ (آل عمران ۱۴۰) میں ان یمسسکم الی آخر الی
ہے دونوں آیتیں متصل ساتھ ساتھ نازل ہوئیں اور معنی میں ساتھ
ساتھ ہیں اور قوم نے جو جمع کیں نصف سورہ نساء میں اور نصف
آل عمران میں لکھ دی ہے۔

مثال دیگر سورہ عنکبوت میں بعد آیہ (۱۷) آیہ (۲۴) ساتھ
ساتھ نازل ہوئی ہے اور قوم نے فاصلہ اور تاخیر کر دی ہے۔
ان کے درمیان چھ آیتیں بدون کسی ربط کے فاصلہ پر لکھدی ہیں

اختلاف دیگر از اختلافات حادثہ بعد از رحلت رسول اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلّم اختلاف قوم است در معنی حدیث (نزل القرآن علے سبعۃ احرف) سیوطی در تفسیر اتقان گفتہ است عدد اقوال مختلفہ در معنی حدیث مذکور تا چہل رسیدہ است و ایں حدیث از طرق اہل سنت و جماعت از مشاہیر صحابہ نقل شدہ است مثل ابی بن کعب [1] انس بن مالک [2] حذیفہ ابن الیمان [3] معاذ بن جبل [4] ہشام بن حکیم [5] ابن بکرہ [6] ابو جہم [7] زید بن ارقم [8] سمرۃ بن جندب [9] سلیمان بن صرد [10] ابن عباس [11] ابن مسعود [12] عمر بن ابی سلمہ [13] عبد الرحمان بن عوف [14] حضرت عثمان [15] حضرت عمر [16] عمرو بن عاص [17] ابو سعید الخدری [18] ابو ہریرہ [19] ابو طلحۃ الانصاری [20] ۔

لیکن بمقتضائے احادیث مستفیضۃ از طرف شیعہ القرآن نزل بحرف واحد من عند الواحد صاحب جواہر الکلام علامہ محمد حسن قزوینی قدس سرّہ فرمودہ است ضروری مذہب ما اینست القرآن نزل بحرف واحد علے نبی واحد چنانچہ شیعہ از جہت معرفت محکمات و متشابہات و سائر ما اشتمل علیہ القرآن من المذکورات ہم آسودہ ہستند زیرا کہ از باب مدینۂ علوم نبویّہ و اوصیاء معصومین علیہم السلام او ہمہ را تعلّم نمودہ اند۔

و ہم چنیں از اختلاف قراءآت راحت ہستند

دوسرے اختلافات جو حادث ہوئے ہیں بعد وفات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم وہ اختلاف معنی حدیث میں ہیں انزل القرآن علے سبعۃ احرف اسیوطی نے تفسیر اتقان میں کہا ہے۔ عدد اقوال مختلفہ حدیث مذکور کے معانی میں چالیس تک پہنچتے ہیں اور یہ حدیث اہل سنت وجماعت کی طرق سے مشاہیر صحابہ سے نقل ہوئی ہے۔ مثل ابی بن کعب[1] انس بن مالک[2] حذیفہ بن الیمان[3] معاذ بن جبل[4] ہشام بن حکیم[5] ابن بکرہ[6] ابوجہم[7] زید بن ارقم[8] سمرۃ بن جندب[9] سلیمان ابن صرد[10] ابن عباس[11] ابن مسعود[12] عمر بن ابی سلمہ[13] عبد الرحمان بن عوف[14] حضرت عثمان[15] حضرت عمر[16] عمرو بن عاص[17] ابو سعید الخدری[18] ابو ہریرہ[19] ابو طلحۃ الانصاری[20]۔

لیکن موافق احادیث کے جو شیعوں کی طرف سے پہنچی ہیں ایک یہ ہے کہ قرآن ایک طرح پر ایک خدا کے پاس سے نازل ہوا ہے صاحب جواہر الکلام علامہ محمد حسن قزوینی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ضروری مذہب ہمارا یہ ہے کہ قرآن ایک طرح پر خدائے واحد کے پاس سے نبی واحد کے پاس نازل ہوا ہے چنانچہ شیعہ بسبب معرفت محکمات و متشابہات و سائر ما اشتمل علیہ القرآن من المذکورات بھی آسودہ ہیں اس لئے کہ باب مدینہ علوم نبوّت اور اوصیاء معصومین نے سب کو سکھایا ہے۔

اور اسی طرح پر اختلاف قرأت کی طرف سے راحت میں ہیں

بحث اینکہ قرائت اہلبیت علیہم السلام یکے است و آں
نزد شیعہ معلوم است و بحکم اقرؤا کما یقرء الناس باشان
توسعہ دادہ شدہ است پس شیعہ ہیچ وجہ اختلافے دیگرے
در قرآن مجید مابین خود شان ندارند و قرآن مجید را حجت
میدانند و بمفاد حدیث نبویؐ (انی تارک فیکم الثقلین ما
تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی انہما
لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض) بتفسیر اہل بیت علیہم السلام
عمل می نمایند۔

پس کلیہ اختلافاتے کہ در ایں مطلب چہارم ذکر شدہ
است راجع باہل سنت وجماعت است۔

اختلاف دیگر در قرآن مجید اختلاف قراء است۔
در قرائت از صحابہ و از تابعین مشاہیر قراء ہفت شخص
از تابعین می باشند۔

۱ ۔ قاری مدینہ نافع بن عبدالرحمان
۲ ۔ قاری مکہ معظمہ عبداللہ ابن کثیر
۳ ۔ قراء کوفہ عاصم
۴ ۔ ″ حمزہ
۵ ۔ ″ کسائی
۶ قاری شام عبداللہ بن عامر

اسلئے کہ قرأت اہلبیت علیہم السلام کی ایک ہے اور شیعہ کو معلوم ہے اور موافق حکم (اقرؤا کما یقرء الناس) اُن کو وسعت دے دی گئی ہے پس شیعہ کسی وجہ سے کوئی اختلاف اور حیرت قرآن مجید میں اپنے درمیان نہیں رکھتے اور قرآن مجید کو حجت جانتے ہیں اور بمفاد حدیث (میں تمہارے درمیان دو چیزیں بہت سنگین اور عزیز باقی چھوڑتا ہوں خدا کی کتاب اور اپنی عترت اہلبیت جبتک کہ تم قرآن اور میرے اہلبیت سے تمسک کروگے گمراہی میں نہ پڑوگے۔ قرآن اور میرے اہلبیت مفارقت نہیں کرینگے یہاں تک کہ دونوں باہم میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں)

پس کل اختلافات جن کا اس مطلب چہارم میں ذکر ہوا اہل سنت وجماعت سے متعلق ہیں۔

دیگر اختلاف قرآن مجید میں اختلاف قاریوں کا ہے۔

قرأت میں صحابہ میں سے اور تابعین میں سے مشہور قاری سات شخص ہیں جو تابعین میں سے ہیں۔

۱ - قاری مدینہ نافع بن عبد الرحمان

۲ - قاری مکۂ معظمہ عبداللہ بن کثیر

۳ - قاری کوفہ عاصم

۴ - 〃 حمزہ

۵ - 〃 کسائی

۶ - قاری شام عبداللہ بن عامر

۷ - قاری بصره   ابو عمر بن العلا

قراء غیر مشهور چهارده شخص بودند

۱ - در مدینه   یزید بن قعقاع و شیبة بن نصاح

۲ - در مکه   حمید بن قیس الأعرج و محمد بن محیصین

۳ - در کوفه   یحیٰی بن وثاب و سلیمان الأعمش

۴ - در بصره   عبداللہ بن ابی اسحاق و عیسی بن عمر
و عاصم الجحدری و یعقوب الحضرمی

۵ - در شام   عطیة بن قیس الکلابی و اسمٰعیل بن
عبداللہ بن المهاجر یحیٰی بن حری الذماری
و شریح بن یزید الحضرمی -

واز روات قرائت هریکے از قراء سبعه مشهورین دو
نفر مشهور شده اند - از عاصم ابوبکر بن عیاش و حفص ذکر
اسامی بقیه موجب تطویل است -

اختلافات مغیرة المعانی از مشاهیر قراء مذکورین مستغنی
از بیانست گاہے دو نفر راوی از یکے از قراء مشاهیر نیز
اختلاف نموده اند لازمست فقط یک مثال ذکر نمائیم شاهد
باشد بر اختلاف قراء سبعه و اختلاف دو راوی از یکے از
انها سوره مائده (۷) یا ایها الذین امنوا اذا قمتم الے الصلوٰة
فاغسلوا وجوهکم و ایدیکم الے المرافق وامسحوا برؤسکم و

۷ - قاری بصرہ ابوعمر بن العلا

قاری غیر مشہور چودہ شخص تھے -

۱ - مدینہ میں یزید بن قعقاع اور شیبۃ بن نصاح

۲ - مکہ میں حمید بن قیس الأعرج اور محمد بن محیصین

۳ - کوفہ میں یحییٰ بن وثاب وسلیمان الأعمش

۴ - بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحاق اور عیسیٰ بن عمر اور

عاصم الجحدری اور یعقوب الحضرمی -

۵ - شام میں عطیۃ بن قیس الکلابی اور اسمٰعیل بن عبداللہ

بن المہاجر۔ یحییٰ بن حری الذماری اور شریح

بن یزید الحضرمی -

اور رواۃ قرائت میں سے ساتوں مشہور قاریوں میں

سے دو نفر مشہور ہوئے ہیں عاصم سے ابوبکر بن عیاش اور

حفص باقی کے نام دینا طول کلام ہے -

ایسے اختلافات جن سے معنی بدل جاتے ہیں جو مشہور

قرآء مذکورہ میں ہیں بیان سے مستغنی ہیں۔ کبھی دو نفر راوی

مشہور قاریوں میں سے ایک سے بھی اختلاف رائے کرتے ہیں

لازم ہے کہ صرف ایک مثال بیان کردیں جو سات قاریوں

کے اختلاف اور دو راویوں کے اختلاف اُن میں سے ایک سے

کے واسطے شہادت ہوجائیگی۔ سورہ مائدہ (۷) یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم

ارجلکم الی الکعبین ۔

دریں آیہ نافع و ابن عامر و کسائی ارجلکم را بنصب خوانده اند ۔

حمزہ و ابن کثیر و ابو عمرو بن العلاء بجر خوانده اند ۔

و ابوبکر از عاصم بجر روایت کرده است ۔

حفص از عاصم بنصب روایت کرده است ۔

واضح است کہ بنا بر قرائت نصب ارجلکم معطوف میشود بر وجوھکم و ایدیکم بنا برین غسل یعنی شستن پاہا در وضو واجب میشود ۔

و بنا بر قرائت جر ارجلکم معطوف برؤسکم میشود پس مسح پاہا در وضو واجب میشود و وضوء کہ شرط رکنی است برائے نماز و نماز کہ عمود دین است و حد فاصل درمابین کفر و ایمان می باشد بموجب احادیث مستفیضہ پس اگر مسح پاہا در وضوء واجب بوده باشد البتہ شستن پاہا بنا بقرائت نصب سبب بطلان وضوء و تشریع محرم و تبدیل شریعت است و بطلان وضوء سبب بطلان نماز و موجب انہدام رکن و عمود دین میشود ۔

بلے ترجیح قراء جر ثابت است و قرائت جر قرائت اہل بیت علیہم السلام است و در اغلب کتب اہل سنت و جماعت

الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا بروسکم وارجلکم الی الکعبین

اس آیہ میں نافع وابن عامر وکسائی نے ارجلکم کو نصب سے پڑھا ہے۔

حمزہ وابن کثیر وابوعمرو بن العلا نے ارجلکم کو جر سے پڑھا ہے۔

اور ابوبکر نے عاصم سے جرّ سے روایت کی ہے۔

حفص نے عاصم سے نصب سے روایت کی ہے۔

واضح ہے کہ بنا بر قرائت نصب ارجلکم معطوف ہوتا ہے وجوھکم اور ایدیکم پر اس بنا پر غسل یعنے پاؤں کا دھونا وضو میں واجب ہو جاتا ہے۔

اور قرائت جر کی بنا پر ارجلکم معطوف بروسکم پر ہوتا ہے پس مسح پاؤں کا وضو میں واجب ہوتا ہے اور وضو جو کہ نماز کے لئے شرط رکنی ہے اور نماز عمود دین ہے اور مابین کفر و ایمان حد فاصل ہے۔ بموجب احادیث کے جو پہنچی ہیں پس اگر مسح پاؤں کا وضو میں واجب ہوا تو ضرور پاؤں کا دھونا قرائت نصب کی رو سے وضو کے باطل ہونے اور تشریع محرم اور تبدیل شریعت کا باعث ہوگا اور باطل ہونا وضو کا نماز کے باطل ہونے کا سبب اور نماز کا باطل ہونا موجب انہدام رکن عمود دین ثابت ہوتا ہے۔

ہاں ترجیح قاریوں کی جر کے ساتھ ثابت ہے اور قرائت جر قرائت اہل بیت علیہم السلام سے اور اہل سنت وجماعت

از ابن عباس روائت شدہ است انہ قال فی کتاب اللہ المسح (یعنی الجح) ویأبی الناس الا الغسل

در کتاب الدر المنثور روایت کردہ است از ابن عباس قال ابیٰ الناس الا الغسل ولا اجد فی کتاب اللہ الا المسح

عبد ابن حمید از اعمش نقل کردہ است کہ میگفت کانوا یقرؤنہا بروسکم وارجلکم بالخفض وکانوا یغسلون

شیخ الطایفہ در کتاب تہذیب تصریح کردہ است بانکہ قرائت نصب جائز نیست غرضم ذکر مثال واشارہ بمطلب بود برائے تحقیق ایں مطلب کتاب مستقل لازم است با ایں ہمہ اختلافات متنوعہ کہ از جہات عدیدہ در قرآن مجید شدہ است باقل قلیل از انہا اشارۂ مختصری نمودیم اگر امامے از جانب خدائے تعالےٰ منصوب ومعین نشدہ باشد آیا ممکن است کسے بگوید کہ اتمام حجت بر عموم بشر تا قیام قیامت شدہ است وناس را بر خدائے تعالےٰ حجتے باقی نیست بمفاد (لئلا یکون للناس علے اللہ حجۃ من بعد الرسل) نساء (۱۶۵)

کی بہت زیادہ کتابوں میں ابن عباس سے روایت کی ہے۔ (ابن عباس نے فرمایا ہے کہ کتاب خدا میں مسح ہے (یعنی جر سے) اور مسح پا کا حکم ہوا ہے لیکن مردم سوائے پاؤں دھونے کے اختیار نہیں کرتے) کتاب درالمنثور میں روایت کی ہے ابن عباسؓ سے کہا لوگوں نے انکار کیا ہے وضو میں سوائے پاؤں دھونے کے اور میں نے نہیں پایا قرآن خدا میں وضو میں سوائے پاؤں کا مسح کرنے کے۔ عبد ابن حمید نے اعمش سے نقل کیا ہے۔ کہ (تعجب سے کہتا تھا کہ لوگ لفظ ارجلکم کو کسرے سے پڑھتے تھے جو وضو میں پاؤں کے مسح کا موجب ہے باوجود اس کے وضو میں اپنے پاؤں دھوتے تھے)

شیخ الطایفہ نے کتاب تہذیب میں یہ تصریح کی ہے کہ قرائت نصب جائز نہیں ہے۔ میری غرض مثال کے ذکر اور مطلب کی طرف اشارہ تھا ورنہ اس مطلب کی تحقیق کے لئے مستقل کتاب چاہئے یہ تمام طرح طرح کے اختلافات جو متعدد صورتوں سے قرآن میں پیدا ہو گئے ہیں ان میں سے ہم نے کم سے کم کی طرف مختصر طرح پر اشارہ کر دیا ہے اگر امام خدائے تعالے کی طرف سے منصوب اور معین نہ ہوا ہو تو کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص کہے کہ اتمام حجت تا قیام قیامت عموم بشر پر ہو گئی ہے اور انسان کی خدا تعالے پر حجت باقی نہیں ہے بمفاد (لئلا یکون للناس علے اللہ حجۃ من بعد الرسل) نساء (۱۶۵)

با این همه اختلافات در الفاظ و اعراب و معانی آیات کتاب اللہ مضافاً بر اشتمالش بمحکمات و متشابہات و سایر مذکورات آیا مسلم عاقل منصفِ بے غرض می تواند بگوید احتیاجی بنصب امام از جانب خدا و رسولش ندارم (حسبنا کتاب اللہ)

شہد اللہ تعالےٰ وکفیٰ بہ شہیدا حیرت مستمرّ دارم کہ باوجود نصِّ صریح آیہ (۶۵ نساء) فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلّموا تسلیماً۔

چہ گونہ رواشد منع رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم از کتابت وگفتن حسبنا کتاب اللہ (شرح نہج البلاغہ طبع مصر تالیف ابن الحدید حنفی معتزلی جلد دوم جزء۶ صفحہ ۲۰ تجرید البخاری طبع لاہور ۲۰۔ ۴۰ — ۴۹)

فتوحات در صدر اسلام کشف از کفایت کلام اللہ ۔

باوجود ان تمام اختلافات کے الفاظ و اعراب و معنی آیات کتاب اللہ میں جن میں محکمات اور متشابہات اور سائر مذکورات کے شامل ہونے کا اضافہ ہوا کیا کوئی مسلمان عاقل منصف بے غرض کہہ سکتا ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی جانب سے نصب امام کی حاجت ہم کو نہیں ہے ہمارے لئے کتاب خدا کافی (یعنی ہم احتیاج کتابت اور وصیت اور نوشتہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں رکھتے ہیں)۔

شہد اللہ تعالے وکفٰی بہ شہیدا کہ مجھ کو حیرانی دائمی رہتی ہے کہ باوجود نص صریح آیہ (۶۵ نساء) (ایسا نہیں ہے تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہ ہوں گے۔ جب تک کہ ان جھگڑوں میں جو اُن کے مابین پڑے ہیں۔ تم کو حاکم نہ بنا لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کردو اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں۔ اور اس کو اس طرح تسلیم کرلیں۔ جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتابت سے منع کرنا اور حسبنا کتاب اللہ کہنا کیونکر روا ہو سکتا ہے (شرح نہج البلاغہ طبع مصر تالیف ابن الحدید حنفی معتزلی جلد دوم جزء ۶ صفحہ ۲۰۔ تجرید ہندی طبع لاہور صفحہ ۲۰۸ - ۲۰۹)۔

صدر اسلام میں فتوحات کا ہونا کلام اللہ کے کافی

میکند بلکہ در ہماں فتوحاتِ صدرِ اسلام کہ بطور ملوکیّت
و توسعہ ملک واقع شد مقصد آلہی و غرض نبویؐ از دین اسلام
ضائع شد چنانچہ در موارد مناسب بیان نمودہ ایم۔

ازیں بیانات ظاہر و واضح شد کہ قرآن شریف منفرداً کافی
نیست در رفع نقض غرض نہ میکند پس بدون شبہہ نقض
غرض کہ محال و ممتنع است از حکیم تعالیٰ واقع نشدہ است
والبتہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم شخصی را تربیت و
تعلیم فرمودہ است و اسرار قرآن شریف و علوم نبویّہ و احکام
دینیہ و کلیہ لوازم سعادت بشر الٰی یوم القیٰمہ را باو تودیع
فرمودہ است و بمردم نیز معرفی و تبلیغ فرمودہ است بجہتہ
امتثال امر آلہی یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل
فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس (مائدہ ۶۸)
وبعد از نصب و معرفی او عموم بشر را از افرادِ محققۃ الوجود
و افراد مقدرۃ الوجود الٰی یوم القیامہ مخاطب قرار دادہ فرمودہ
است (الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی (مائدہ ۴)
زیرا کہ بدیہی است اکمال دین کہ خدا میکند باید کمالے بودہ
باشد کہ بعد از آں ہیچ اختلاف و ضلالت تا روز قیامت واقع
نشود و آں بنصب امام حاصل میشود با تمکین مردم و اگر مراد
از اکمال دین ہمیں وجود قرآن مجید و احکام بودہ باشد

ہونے کو ظاہر نہیں کرتا ہے بلکہ انہیں فتوحات صدر اسلام میں
جو کہ بطور ملوکیت اور توسیع ملک واقع ہوئے مقصد الٰہی اور اغراض نبوی دین اسلام
سے ضائع ہو گئے۔ چنانچہ مناسب مقامات پر ہم نے ذکر کیا ہے۔

ان بیانات سے ظاہر اور روشن ہوتا ہے کہ قرآن شریف
منفرداً کافی نہیں ہے اور نقض غرض کو رفع نہیں کرتا پس بلاشبہ
نقض غرض کہ محال اور ممتنع ہے حکیم تعالےٰ سے واقع نہیں ہوا ہے
اور البتہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک شخص کو تربیت
اور تعلیم کیا ہے اور اسرار قرآن شریف اور علوم نبویّہ اور احکام دینیّہ
اور سعادت بشر کے لئے کل لوازم یوم قیامت تک کے واسطے
اُس کے سپرد کئے ہیں اور آدمیوں کو بھی بغرض تعمیل حکم الٰہی
اُس کی معرفی اور تبلیغ فرمادی ہے۔ (یا ایھا الرسول بلغ ما انزل
الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس
مائدہ ۶۸) اور اس کے نصب اور معرفی کے بعد عام آدمیوں کو افراد
محققۃ الوجود اور افراد مقدرۃ الوجود تا یوم قیامت مخاطب قرار دے
کر فرمادیا ہے (آج کے دن پورا کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور تمام کر دی
تم پر اپنی نعمت) کیونکہ بدیہی ہے کہ اکمال دین جو کہ خدا کرتا ہے چاہئے
کہ ایسا اکمال ہو کہ بعد اس کے کوئی اختلاف اور گمراہی قیامت تک واقع
نہ ہو اور یہ بات تمکین مردم کے ساتھ نصب امام سے حاصل ہو سکتی ہے
اور اگر مراد اکمال دین سے یہی وجود قرآن مجید اور احکام ہوں۔

با ایں ہمہ اختلافات کہ حاصل شدہ است آں اکمال خدائی نیست کہ لایق امتنان در وحی الٰہی بودہ باشد پس مراد نصب امام است کہ بسبب نصب امام اکمال دین و اتمام نعمت از جانب حکیم متعال شدہ است و ایں ہمہ اختلافات نتیجۂ عدم تمکین ناس است از اں امام منصوب و اجبار نمی کند خدائے تعالےٰ معصیت کار را و کافر را بترک عصیاں و کفر بجہت اینکہ این نشاۂ دارِ اختیار است و اجبار موجب بطلان جزاء و ثواب و عقاب میشود۔

مقصود من ازیں بیانات تشبث بآیات و احادیث و اوز منقول برائے اثبات امامت نیست بلکہ خواستم بایں حجتے اشارہ قلیلہ و توضیحات مختصرہ مطلب را روشن و محسوس نمایم کہ مطابقت نقل و حس و عقل دریں موضوع معلوم و آشکار شود۔

مطلب پنجم

اگرچہ برہانِ امتناع نقض غرض از حکیم متعال در اثبات عقلی امامت و وجوب نصب امام از جانب حق تعالےٰ کافی است لیکن بجہت تاکید برہانِ عقلے دیگرے ذکر می کنیم۔ و میگوئیم چوں مسلّم و بدیہی است اینکہ اخلال بواجبات و ارتکاب محرمات بر مکلفین جائز و ممکن است در ہر زمانے از ازمنہ

تو باوجود ان تمام اختلافات کے جو کہ حاصل ہوئے ہیں وہ اکمال خدائی نہیں ہے کہ وحی الٰہی کے لئے قابل امتنان ہو پس مراد نصب امام ہے اور نصب امام کے سبب سے اکمال دین اور اتمام نعمت حکیم متعال کی طرف سے ہوئے ہیں اور تمام اختلافات نتیجہ انسانوں کے اس امام منصوب پر قائم نہ رہنے سے ہوئے ہیں اور خدا تعالے گنہگار اور کافر کو ترک عصیان اور کفر کے لئے مجبور نہیں کرتا ہے کیونکہ یہ عالم دار اختیار ہے اور جبر کرنا ثواب اور عقاب کے بطلان کا سبب ہوتا ہے۔

مقصود میرا ان بیانات سے آیات اور احادیث اور ادلۂ منقولہ کو اثبات امامت کے لئے پکڑے رہنے کا نہیں ہے بلکہ میں نے یہ چاہا کہ اس جزئی قلیل اشارہ اور مختصر توضیحات سے مطلب کو روشن اور محسوس کر دوں تا کہ مطابقت نقل اور حس اور عقل سے اس مقام پر معلوم اور آشکار ہو جائے۔

مطلب پنجم

اگرچہ برہان امتناع نقض غرض حکیم متعال سے اثبات عقلے امامت میں اور نصب امام کا جانب حق تعالے سے واجب ہونا کافی ہے۔ لیکن تاکید کی جہت سے ہم ایک دوسری برہان عقلی کا ذکر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ چوں کہ یہ مسلم اور بدیہی ہے کہ واجبات میں خلل پڑنا اور حرام باتوں کا ارتکاب مکلفین سے ہر زمانے میں

بعد از رحلت حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم و
واضح است کہ وجود امام زاجر و رادع و مانع از وقوع انست
و مکلفین را بطاعات مقرب است و از محرمات مبعد است
پس وجود امام زمان و نصب او از جانب خدائے تعالے
لطفے است در تکالیف واجبہ در ہر زمانے از ازمنہ و از
مبادی مسلمہ و مثبوتہ در علم کلام است کہ ہر لطف ثابت
در واجبات و تکالیف لازمہ واجب است بر خدائے تعالے
زیرا کہ اگر آں لطف واجب نباشد قبیح میشود تکلیف مکلفین
بآنواجبات و تکالیف لازمہ۔ پس نصب امام واجب است
بر خدائے تعالے مادامیکہ تکلیف الٰہی بواجبات و محرمات
در عالم باقی است و نیز متقرر شدہ و ثابت است کہ حصول
مقصد الٰہی در حفظ دین اسلام و قرآن مجید از تبدیلات بوجود
امام منصوب و تحقق الطاف واجبہ در تکالیف الزامیہ و تقریب
عباد بطاعات و ابعاد ایشاں از معاصی متوقف است باتصاف
آن امام منصوب باوصافِ عصمت و شجاعت و اعلمیت در
جمیع ماتحتاج الیہ الامہ و افضلیت و اکملیت و اسخیٰ بودن و
اقرب بودن بخدائے تعالے و مستقل بودن در عصر خود و مبرا
بودنش از جمیع عیوب منفرۃ خلقاً و خلقاً و اصلاً و فرعاً و مخصوص
بودہ باشد بمعجزات و کرامات و از واضحات است کہ احدے جز از

بعد از رحلت حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جائز اور
ممکن ہے اور واضح ہے کہ زجر کرنے والے اور روکنے والے اور منع
کرنے والے امام کا وجود ان واقعات کے باعث سے ہوتا ہے اور
مکلفین کو طاعات کے قریب کرنے والا اور محرمات سے دور
کرنے والا ہے پس امام زمان کا وجود اور اس کا خدائے تعالےٰ
کی جانب سے نصب ہونا تکالیف واجبہ ہیں ہر زمانے میں ایک
لطف خداوندی ہے اور علم کلام کے مبادی مسلمہ ومشہورہ میں سے ہے
کہ ہر لطف ثابت واجبات میں اور تکالیف لازمہ میں خدائیتعالےٰ
پر واجب ہے۔ کیونکہ اگر وہ لطف، واجب نہ ہو تو تکلیف مکلفین
ان واجبات اور تکالیف لازمہ کے ساتھ قبیح ہو جاتی ہے پس نصب
امام واجب ہے خدائیتعالےٰ پر جب تک تکلیف الٰہی واجبات
اور محرمات عالم میں باقی ہے اور یہ بھی مقرر ہوا اور ثابت ہے کہ
حصول مقصد الٰہی یعنی بذریعہ امام منصوب کے وجود کے دین اسلام اور قرآن مجید
کا تبدیلیوں سے محفوظ رہنا اور لازمی تکالیف میں الطاف واجبہ کا متحقق ہونا
اور تقرب بندوں کا طاعات سے اور ان کا دور رہنا معاصی سے ایسے امام منصوب
کے وجود سے کامیاب ہو سکتا ہے جو کہ معصوم ہو شجاع ہو اعلم ہو جملہ امور
میں جنکی امت محتاج ہو افضل ہو اکمل ہو سب سے زیادہ سخی ہو اور خدا سے
اقرب ہو اور اپنے زمانہ میں مستقل ہو اور تمام عیوب منفرہ سے خلقاً وخُلقاً واصلاً وفرعاً
پاک ہو اور معجزات اور کرامات میں مخصوص ہو اور واضحات میں سے ہے کہ کوئی ایک شخص سوائے

خداوند تعالی مطلع بر سرائر طریقے بفہمیدن ایں اوصاف باطنیہ و مکنونات سرائر ندارند۔ لہذا ممکن نیست انتخاب امام متصف باوصاف مذکورہ ونصب او مگر از جانب خدا تعالے والا لطف واجب مذکور حاصل ومحقق نمی شود (وربک یعلم ما تکن صدورہم وما یعلنون قصص ۶۹) (وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لہم الخیرۃ سبحان اللہ وتعالی عما یشرکون قصص ۶۸) بلے انتخاب حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہفتاد نفر از اخیار وصلحاء بنی اسرائیل را برخلاف ظاہر شد تا چہ برسد بانتخاب سائر ناس پس ثابت ومعلوم شد کہ ہر زمانے از ازمنہ تکلیف خالے از وجود امام معصوم منصوب نمی شود خواہ مردم بایشاں تمکین نمایند خواہ تمکین نہ نمایند وعدم تمکین مردم بامام موجب سقوط وجوب نصب امام از خدا تعالے نمی شود۔ زیراکہ در علم کلام معلوم وثابت شدہ است کہ وجود امام ونصبش فعل خداوند تعالے است لیکن تمکین ناس بامام فعل مکلفین است بعلت اینکہ مدح بر تمکین وذم بعدم تمکین ہر دو بمکلفین راجع است پس عدم تحقق فعلی از جانب مکلفین موجب نمیشود کہ فعل خدائے تعالے حاصل نشود

خداوند تعالٰے کے جو مطلع بر سرائر ہے کوئی طریقہ ان اوصاف باطنیہ
اور چھپے ہوئے بھیدوں کے سمجھنے کا نہیں رکھتا۔ لہٰذا انتخاب
ایسے امام کا جو مذکورہ صفتوں سے متصف ہو اور اس کا نصب کرنا
سوائے خدائیتعالےٰ کے اور کسی سے ممکن نہیں ہے ورنہ لطف
واجب مذکور حاصل اور محقق نہیں ہوتا (وربک یعلم ماتکن صدورہم
ومایعلنون قصص ۶۹) (وربک یخلق مایشاء ویختار ماکان لہم
الخیرۃ سبحان اللہ تعالےٰ عما یشرکون قصص ۶۸) ہاں حضرت موسیٰ کلیم اللہ
کا ہفتاد نفر کو اخیار و صلحاء بنی اسرائیل میں سے انتخاب کرنا
برخلاف ظاہر ہوا پھر سائر ناس کے انتخاب کا کیا حشر ہوگا۔ پس
ثابت اور معلوم ہوگیا کہ ہر زمانہ تکلیفوں کے زمانوں میں سے
وجود امام معصوم کے نصب ہونے سے خالی نہ ہوگا۔
خواہ لوگ ان کی تمکین کریں یا نہ کریں اور لوگوں کا امام کی تمکین نہ کرنا
موجب سقوط وجوب نصب امام از طرف خدائیتعالےٰ نہیں ہوتا اسلئے
کہ علم کلام میں معلوم اور ثابت ہوچکا ہے کہ امام کا وجود اور اس کا نصب
خداوند تعالےٰ کا فعل ہے لیکن تمکین ناس امام کے ساتھ کرنا فعل مکلفین
کا ہے کیونکہ تمکین میں تعریف اور عدم تمکین میں مذمت دونوں جنہیں
مکلفین سے متعلق ہیں پس مکلفین کی طرف سے کسی فعل کا تحقق نہ ہونا

بلکہ برائے اتمام حجت بر آنہائیکہ تمکین ندارند ضرورت نصب امام و وجودش از جانب حق تعالےٰ متاکد میشود نظیر این کہ عصیان مامور و مکلف و علم خدائے تعالےٰ بر عصیان انہا در ازل موجب عدم توجیہ تکالیف بران مامور نمی شود بلکہ لزوم توجیہ بجہتہ اتمام حجت شدید میشود و چون این عالم عالم اختیار است لہذا ممکن نیست خداوند تعالےٰ مردم را مجبور بتمکین فرماید۔ والا بطلان ثواب و عقاب و جزاء اعمال لازم میآید ابتلائے انبیاء و اوصیاء باعداء الداء و معارضین برائے امتحانات الہیہ سنتہ اللہ است در امم ماضیہ و حاضرہ (ولن تجد لسنتہ اللہ تبدیلا۔)

دلیل دیگر برائے تنویر موضوع اینست کہ

از ضروریات بدیہیہ است بر حاکمے و ہر آمرے کہ عہدہ دار تنظیم مصالح جمعی بودہ باشد و جز از مصلحت آں جماعت منظور دیگرے نداشتہ باشد ہر گاہ حکمے را کہ مصلحت آں جماعت منوط بان بودہ باشد خودش مباشرت بتنفیذ او نتماید لازم است کسے را معین نماید برائے تنفیذ ان حکم والا مستحق مذمت و توبیخ از عقلاء و مرتکب قبیح میشود۔

اس بات کا موجب نہ ہوگا کہ فعل خدائے تعالےٰ
حاصل نہ ہو بلکہ اتمام حجت کے لئے اُن پر جو کہ تمکین
نہیں کرتے ضرورت نصب امام اور اس کا وجود خدائے تعالےٰ کی
طرف سے مؤکد ہو جاتا ہے۔ نظیر اس کی یہ ہے کہ ماموراور مکلف
کا گناہ اور خدائے تعالےٰ کا علم ان کے عصیان کے متعلق ازل میں
اُس ماموں کے مکلف ہونیکی وجہ موجود نہ ہونے کا موجب نہیں ہو سکتا بلکہ
توجیہ کا لازم ہونا اتمام حجت کے لئے شدید ہو جاتا ہے اور
چونکہ یہ عالم عالمِ اختیار ہے لہٰذا ممکن نہیں ہے کہ خداوند تعالےٰ
لوگوں کو تمکین پر مجبور کرے ورنہ ثواب اور عذاب اور جزاءِ اعمال کا
بطلان لازم ہوگا۔ فسادی دشمنوں اور معارضین سے انبیاء و اوصیاءُ
کا ابتلا گذشتہ اور حاضرہ امتوں میں امتحانات آلٰہیہ کیلئے سنت اللہ ہے
(ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا)

دلیل دیگر موضوع کی وضاحت کے لئے یہ ہے کہ

ضروریات بدیہیہ میں سے ہے کہ ہر حاکم اور ہر آمر جو کہ تنظیم مصالح
جماعت کا ذمہ دار ہے اور سوائے مصلحت اس جماعت کے
پیش نظر کچھ نہیں رکھتا ہے جس وقت کہ ایسا حکم ہو کہ مصلحتیں اس
جماعت کی اس سے وابستہ ہوں اور خود وہ اس کی تنفیذ میں مشغول
نہ ہو تو لازم ہے کہ کسی دوسرے کو معین کرے تاکہ تنفیذ اس
حکم کی کرے ورنہ مستحق مذمت و توبیخ عقلا کے نزدیک اور مرتکب قبیح ہوگا

ولہذا بروانی ولایتے ویا راعیِ قطیعہ اگر انہا غایب شوند بدون تعیین قائم مقام وحافظِ مصالح انہا البتہ مستحق توبیخ و ذم از عقلا خواہد بود۔

پس خدائے تعالےٰ کہ حاکم علے الاطلاق است بعموم مخلوقین وعلاقہ مند است کاملاً بمصالح واحکام مکلفین درجمیع ازمنہ پس واجب است برائے تنفیذان احکام ومصالح کہ قابل مباشرتش نیست امام لایقے در ہر عصرے نصب فرمودہ باشد واگر اخلال بمصالح عباد وترک واجب بفرماید قبیح است و صدور قبیح از حکیم متعال ممتنع ومحال است چنانچہ در علم کلام وحکمت بیان شدہ است۔ ثانیاً میگوئیم حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عموم مکلفین را امر وتحریص فرمودہ است بوصیت نسبت بامور طفیفہ۔ پس معقول نیست خود آنحضرتؐ دربارہ دین باعظمت وقرآن مجید مملو از اسرار الہیہ ومصالح اسلام ومسلمین کسے را وصی خود قرار ندادہ باشد ووصیت نفرمودہ باشد امت را متحیر در تنازع ازبرائے ریاست و امارت گذاشتہ باشد وایں امر عظیم را بخود مکلفین واگذار فرمودہ باشد با اینکہ حب ریاست ومیل بزخارف دنیا غریزی وطبیعی بشر است بشر انتخاب نمی کند مگر کسے را کہ باغراض شخصہ اش اصلح باشد وافسح است ایں چنیں منتخبین حافظ

لہذا ہر والی ولایت اور راعی گلہ اگر غائب ہو بدون تعیین قائم مقام و بدون حافظ مصالح رعایا تو ضرور عقلا کی توبیخ اور ذم کا مستحق ہوگا۔

پس خدا تعالے کہ حاکم مطلق عموم مخلوق کا ہے اور مصالح اور احکام مکلفین کے ساتھ تمام زمانوں میں کاملاً علاقہ مند ہے پس واجب ہے کہ واسطے تنفیذ ان احکام اور مصالح کے جو خود اُسکے حصول ہونے کے قابل نہیں ایک امام لائق ہر زمانہ میں مقرر کرے اور اگر مصالح عباد میں اخلال اور ترک واجب فرمائے تو قبیح ہے اور صدور قبیح حکیم تعال سے ممتنع اور محال ہے جیسا کہ علم کلام اور حکمت میں بیان ہوا ہے۔ تائیداً کہتا ہوں کہ حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عموم مکلفین کو حکم اور تحریص فرمائی ہے وصیت کرنے کے لئے واسطہ امور تمام کے پس معقول نہیں ہے کہ خود آنحضرتؐ نے اس دین باعظمت کے بارہ میں اور قرآن مجید کے بارہ میں جو کہ اسرار الٰہیہ اور مصالح اسلام اور مسلمین سے بھرا ہوا ہے کسی کو اپنا وصی قرار نہ دیا ہو۔ اور وصیت نہ فرمائی ہو۔ امت کو تحیر اور تنازع میں ریاست اور امارت کے لئے چھوڑ دیا ہو اور اس امر عظیم کو خود مکلفین پر واگذار کیا ہو باوجودیکہ حُب ریاست اور میل زخارف دنیا کی طرف بشر کیلئے جبلی اور طبعی ہے بشر انتخاب نہیں کرتا مگر اس شخص کا کہ اس کے اغراض شخصی کے لئے اصلح ہو۔ واضح ہے کہ ایسے منتخبین حافظ

دین و ناموس اکبر الٰہی نمی شود بلکہ مانند رؤسائے جمہوریات بعضے ممالک میشود کہ ملت یک شخصی را برائے ادارہ شئون سیاسی و انتظامات دنیوی یک مملکتے انتخاب می نمایند مخفی نماند آنکہ از کلام حضرت عمر در سقیفہ در حین انتخاب حضرت ابوبکر کہ خطاب بآنحضرت کردہ گفت (اَفَلَا نَرضَاکَ لِدُنیَانَا) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید حنفی معتزلی جلد ۲ صفحہ ۱۰ استفادہ می شود کہ آں انتخاب نیز برائے شئون دنیوی بود نہ بجہت دینؔ بایں سبب فتوحات در صدر اسلام ملوکانہ شد و مقصد دینی از بین رفت چنانچہ سابقاً اشارہ نمودیم بلکہ ایں قبائے امامت کہ بشر بریدہ است و بدون ضرورتِ اتصافِ امام بصفات سابقۃ الذکر و بدون معجزہ بقامت ہر فردے از افراد بشر رسا است و اینست سبب اینکہ ہر ناقصے و ہر دجالے یا مختل العقلے ادعائے امامت و مہدویت یا مجددیت نمودہ اند و ایں ہرج و مرج را دیدہ اند کم کم ترقی کردہ ادعائے نبوت بلکہ الوہیت نمودہ اند البتہ دست ملل و دول کفر نیز در کار بودہ است بعد از اشارہ بہ براہین عقلیہ و مبادی مسلمہ لازمہ در مطالب خمسہ مذکورہ بمقصد اصلی خود کہ تعیین امام بودہ باشد شروع نمائیم۔

در امامت میان مسلمین سہ قول ہست :—

دین اور ناموس اکبر الٰہی کے نہیں ہو سکتے بلکہ مانند روسائے
جمہوریات بعض ممالک کے ہوتے ہیں کہ ملت ایک شخص کو مہمات سیاسی
کے محکمہ کے لئے اور ایک مملکت کے انتظامات دنیوی کیلئے انتخاب کرتے ہیں
مخفی نہ رہے کہ کلام حضرت عمر سے جو انہوں نے سقیفہ میں وقت
انتخاب حضرت ابوبکر کو مخاطب کر کے کیا تھا (آیا ہم تمہاری ریاست پر
واسطہ امور دنیا کے راضی نہ ہوں) (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید حنفی معتزلی
جلد صفحہ) صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انتخاب بھی مہمات دنیا کے لئے
تھا نہ کہ دین کے لئے اور اس سبب سے فتوحات دین صدر اسلام
کے وقت ملوکانہ ہوئیں اور مقصد دینی درمیان سے مفقود ہو گیا
جیسا کہ سابقاً ہم نے اشارہ کیا ہے۔ بلکہ یہ قبا امامت کی کہ بشر
نے بونتی ہے۔ اور امام کے صفات مذکورہ سابق سے متصف ہونے کو
بغیر ضروری قرار دیئے ہوئے اور بلا معجزہ کے ہر فرد بشر کے قامت پر جا
پہنچتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر ناقص اور ہر دجال یا مختل العقل نے دعوئے
مہدویت یا مجددیت کا کیا ہے اور اس فتنہ و آشوب کو دیکھا ہے اور
کم کم ترقی کر کے دعوئے نبوت بلکہ الوہیت کا کیا ہے البتہ ملل اور دول
کفر کا ہاتھ بھی اس میں مصروف عمل رہا ہے۔ براہین عقلیہ اور مبادی مسلمہ
لازمہ مطالب خمسہ میں اشارہ کرنے کے بعد اپنے مقصد اصلی
کو کہ تعیین امام ہے شروع کرتے ہیں۔

امامت میں مسلمین کے درمیان تین قول ہیں :

اوّل ۔ قرآن مجید و شرایع کافی است اصلاً احتیاجے باامام نیست ۔

دوّم ۔ احتیاج باامام ہست لیکن تعیین امام بابندگان است نہ باخدا و رسولش ۔

سیّم ۔ احتیاج شدید باامام ہست و باید تعیین و نصب امام از جانب خدا و رسولش بشود و بغیر ایں ممکن نیست ۔

درمطالب خمسہ سابقہ از براہین عقلیہ و شواہد مؤیدات نقلیہ و بیانات واضحہ حسیہ کہ ماذکر نمودیم کاملاً معلوم شد بطلان قول اوّل و بطلان قول دوم واضح شد کہ فقط قول سیّم صحیح است کہ قول شیعہ باشد ۔ وچوں ادعاے امامت در صدر اسلام بعد از رحلت حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم درحق سہ نفر شدہ است لاغیر اوّل حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ۔ دوم حضرت ابی بکر بن ابی قحافہ سیّم حضرت عباس ابن عبد المطلب و معلوم است کہ حضرت ابی بکر بن ابی قحافہ وحضرت عباس واتباع ایشاں ہیچ وقت ادعانمودہ اند کہ نصب ایشاں از جانب خدا تعالےٰ و رسولش شدہ باشد بلکہ مستند نمودہ اند امامتِ حضرت ابی بکر را بانتخاب مسلمین وادعاے امامت حضرت عباس را بجہتہ وراثت ۔

اوّل۔ قرآن مجید اور شرایع کافی ہیں اور امام کی حاجت نہیں ہے۔

دوم۔ امام کی احتیاج ہے لیکن تعیین امام بندگان خدا کے اختیار میں ہے خدا اور اس کے رسولؐ کے ذمہ نہیں۔

سوم۔ امام کی احتیاج شدید ہے اور چاہیے کہ تعیین اور نصب امام کا خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ہو۔ اور بغیر اس کے ممکن نہیں ہے۔

مطالب خمسہ سابقہ میں براہین عقلیہ اور شواہد اور مؤیدات نقلیہ اور بیانات واضحہ حسیہ سے کہ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کا ملاً بطلان قول اوّل اور بطلان قول دوم کا واضح ہو گیا ہے تو فقط قول سیّم صحیح ہے جو کہ قول شیعہ ہے اور چونکہ دعوئی امامت کا صدر اسلام میں بعد رحلت حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تین نفر کے حق میں ہوا ہے اور کسی کے حق میں نہیں ہوا۔ اوّل حضرت علی بن ابی طالب علیہ السّلام دوم حضرت ابی بکر بن ابی قحافہ۔ سیّم حضرت عباس بن عبد المطلب اور معلوم ہے کہ حضرت ابی بکر بن ابی قحافہ اور حضرت عباس اور ان کے پیرو نے کسی وقت یہ دعوئی نہیں کیا کہ ان کا نصب خدا تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ہوا ہے بلکہ سند دی گئی ہے کہ امامت حضرت ابی بکر کی مسلمین کے انتخاب سے ہوئی ہے اور دعوئی امامت حضرت عباس کا بسبب وراثت کے کیا گیا

ادعائے تعیین الہی ونصب از جانب خدائے تعالے درسولش منحصر شدہ است درحق حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کہ ہم خودش ایں را اظہار فرمودہ است وہم شیعیانش (نہج البلاغہ طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۱۰۳) (وانما طلبتُ حقاً لی وانتم تحولون بینی وبینہ فلمّا قرعتہُ بالحجۃ فی الملاءِ الحاضرین ھبَّ کانّہ بُھِتَ لایدری مایجیبنی بہ

(شرح نہج البلاغہ تالیف ابن ابی الحدید حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۳۶) اینا احرص انا الذی طلبتُ حقی الذی جعلنی اللہ ورسولہ اولیٰ بہ ام انتم

(شرح نہج البلاغہ تالیف ابن ابی الحدید طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۶۱) انشدکم اللہ افیکم من اخیٰ رسول اللہ ؐ بینہ وبین نفسہ حیث اخیٰ بین بعض المسلمین وبعضٍ غیری قالوا لا

فقال افیکم احد قال لہ رسول اللہ ؐ من کنت مولاہ فھذا مولاہ غیری فقالوا لا

دعویٰ تعیین الٰہی اور نصب از جانب خدا تعالےٰ حق میں
حضرت علی بن ابی طالب کے منحصر ہو گیا جس کا اظہار آپ نے خود
بھی کیا اور انکے شیعوں نے بھی کیا (نہج البلاغۃ طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۲۴)
(یہ ہے کہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ میں نے اُس حق کو کہ جو میرے
واسطے ثابت ہوا ہے طلب کیا۔ پس جس وقت اپنے مقابل کو دلیل
اور برہان سے اپنی حقانیت پر جمعیت کے درمیان کو فتہ کیا۔
حاضرین گویا مبہوت ہو گئے وہ مقابل متحیر رہ گیا نہ جانا کہ کیا جواب مجھ
کو دے کیونکہ جواب کچھ نہ رکھتا تھا۔)

(شرح نہج البلاغہ تألیف ابن ابی الحدید حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲
صفحہ ۳۹) (کون ایک مجھ اور تم میں خلافت کے لئے حریص تر ہے۔
میں نے کہ امامت میں اپنا حق طلب کیا ہے کہ خدا اور رسولؐ نے
مجھ کو اس حق پر اولویت دی ہے یا تم کو کہ ناحق پر ہو)

(شرح نہج البلاغہ تالیف ابن ابی الحدید طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۶۱)
(تم سے خدا کی گواہی کے ساتھ سؤال کرتا ہوں کیا تم میں کوئی ہے
سوائے میرے کہ جس کو پیغمبر اکرمؐ نے بھائی قرار دیا ہے جس وقت
بعض مسلمانوں کو بعض دوسروں کے ساتھ برادر قرار دیا سب
نے کہا سوائے آپ کے کوئی نہیں ہے۔

فرمایا سوائے میرے تمہارے درمیان کوئی شخص ہے کہ پیغمبرؐ نے
کسی کے حق میں یہ فرمایا ہو کہ یہ اولیٰ بتصرف ہے ہر اس شخص کے

فقال انیکم احد قال ز رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلّم انت منی بمنزلۃ ہارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی غیری قالوا لا ۔

د شرح نہج البلاغہ تالیف ابن ابی الحدید حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۳۹۰) من کلام علیؑ لعثمان واما عتیق وابن الخطاب فان کانا اخذا ما جعلہ رسول اللہؐ لی فانت اعلم بذالک ۔

چوں از براہین عقلیہ مذکورہ استنتاج نمودیم کہ قطعاً از جانب خدا و رسولش امام متصف باوصاف سابقۃ الذکر تعیین و نصب و معرفی شدہ است و حضرت علی بن ابی طالب را در ایں صفت معارضی نیست زیرا کہ ہیچ کس غیر از آنحضرت مدعی نصب از جانب خدا و رسول نشدہ است اگر منصوب از جانب خدا غیر از آنحضرتؑ کسی دیگر می بود البتہ اظہار و ادعا میکرد چوں ہیچ ادعائے ہیچ وقت از ہیچ کس دیگر ظاہر نشد پس معین شد کہ امام

حق ہیں کہ ہیں پیغمبرؐ اُس کے ساتھ اولیٰ بتصرف ہوں سب نے
کہا سوائے آپ کے کوئی نہیں۔

فرمایا تمہارے درمیان سوائے میرے کوئی ہے کہ اُس کو پیغمبرؐ
نے فرمایا ہو کہ تجھ کو میرے ساتھ وہ منزلت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے ساتھ بجز سوائے
صفت پیغمبری کے کہ میرے بعد پیغمبر نہ ہوگا سب نے کہا کہ
سوائے آپ کے کوئی اس صفت کا نہیں ہے

(شرح نہج البلاغہ تالیف ابن ابی الحدید حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲
صفحہ ۳۹۸) (حضرت علیؑ کا کلام حضرت عثمان سے کہ فرمایا لیکن عتیق
اور ابن الخطاب نے اس حق کو کہ جو رسول خداؐ نے میرے لئے قرار
دیا تھا مجھ سے لے لیا پس اے عثمان تم سب آدمیوں سے زیادہ
اس مطلب کو جانتے ہو)۔

چوں کہ براہین عقلیہ مذکورہ سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قطعاً
خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے کوئی امام جو اوصاف حمیدہ
سابقۃ الذکر سے موصوف ہو اور جو نصب کیا گیا اور شناخت کرایا گیا
ہو نہیں ہوا اور حضرت علیؑ بن ابی طالب کا کوئی صفت میں مقابل
نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص سوائے آنحضرتؐ کے خدا اور اس کے
رسولؐ کی طرف سے نصب نہیں ہوا ہے اگر منصوب خدا کی طرف سے
سوائے اُن کے اور کوئی ہوا ہوتا تو البتہ اظہار اور دعوے کرتا چونکہ ایسا
دعوے کسی وقت کسی دوسرے کی طرف سے ظاہر نہیں ہوا ہے پس معین ہو گیا کہ امام

منصوب از خدا بتعالے حضرت علی بن ابی طالب می باشد واین تشخیص واثبات صغریٰ نیز عقلے است از طریق استقراء قطعی۔

بعبارۃ اخریٰ۔ چنانکہ پیغمبران اولوالعزم وصاحبان کتابہائے سماوی ہمہ بامر الٰہی برائے خود شان وصی و جانشین قرار دادہ اند حضرت آدمؑ جناب شیثؑ را حضرت نوحؑ جناب سامؑ را حضرت ابراہیمؑ جناب اسمٰعیلؑ را حضرت موسیٰ جناب یوشعؑ را حضرت عیسیٰؑ جناب شمعون را با اینکہ ادیان وشرائع آنہا موقتی ومنقطوع الآخر بود معلوم بود کہ بہ بعثت رسولِ لاحق نسخ خواہد شد ہمچنیں حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم برائے وصایت خودش نسبت بدین ابدی تربیت فرمود حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام را از عمر شش سالگی وتعلیم فرمود باو بامر خدا بتعالے جمیع اسرار رسالت واسرار کتاب اللہ وعلوم نبوت وکلیہ احکام ووقایع اولین وآخرین را بدرجۂ رسید کہ فرمودؐ انا مدینۃ العلم وعلے بابہا (بروایت فریقین) و وبامر خدا بتعالے اورا وصی وجانشین خود وامام برامت نصب فرمود وبہمہ معرفی وتبلیغ فرمود باین سبب اکمال دین حاصل شد (لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ انفال ۴۲)

منصوب من اللہ حضرت علیؑ بن ابی طالب ہوتے ہیں۔ اور یہ تشخیص اور اثبات صغری بھی عقلی ہے از روی استقراءِ قطعی۔

دوسرے طریق پر جیسا کہ پیغمبران اولوالعزم اور صاحبان کتاب ہائے سماوی سب نے خدا کے حکم سے اپنے لئے وصی اور جانشین قرار دئے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے جناب شیثؑ کو حضرت نوحؑ نے جناب سامؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے جناب اسمٰعیلؑ کو حضرت موسیٰؑ نے جناب یوشعؑ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جناب شمعون کو باوجودیکہ ان کے ادیان اور شرایع موقتی اور مقطوع الآخر تھے معلوم تھا کہ وہ بعثت رسولؐ کے ساتھ جو بعد کو ہونے والی تھی نسخ ہو جائینگے۔ اسی طرح پر حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وصی ہونے کے لئے دین ابدی کی غرض سے حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کو عمر شش سال سے تربیت کیا اور اُن کو بحکم خدا تعالےٰ جمیع اسرار رسالت اور اسرار کتاب اللہ اور علوم نبوت اور تمام احکام اور وقایع اولین اور آخرین تعلیم فرمائے اور اس درجہ تک پہنچے کہ فرمایا:

انا مدینۃ العلم وعلی بابہا (بروایت فریقین) اور امر حق تعالےٰ سے آپ کو اپنا وصی اور جانشین اور امام امّت پر نصب فرمایا اور سب کو معرفی اور تبلیغ فرمادی اور اس لئے اکمال دین حاصل ہوا (لیہلک من ہلک عن بینۃ ویحیی من حیّ عن بینۃ سورہ انفال ۴۲)

لہذا آن باب مدینۂ علوم نبویہ فرمود (سلونی قبل ان تفقدونی فلأنا بطرق السماء اعلم منی بطرق الارض نہج البلاغہ جز ۲ صفحہ ۱۵۳)

در شرح نہج البلاغہ تالیف ابن ابی الحدید طبع مصر جلد ۱ صفحہ ۲۵۵ روایت کردہ است از زید بن ارقم قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم الا ادلکم علے ما ان تساءلتم علیہ لم تہلکوا ان ولیکم اللہ وان اما مکم علی بن ابی طالب فناصحوہ وصدقوہ فان جبرئیل اخبرنی بذلک و در خصوص حق حضرت علی ابن ابی طالب بامامت و در حق آنحضرت نازل شدہ است آیہ مباہلہ و آیہ تطہیر و آیہ اکمال و آیہ تبلیغ وسورہ ہل اتیٰ وغیر ذلک من الآیات الکثیرہ و وارد شدہ است حدیث غدیر و حدیث کساء و حدیث منزلہ و حدیث باب العلم و حدیث خصف النعل و حدیث یعسوب الدین الی غیر ذلک من النصوص التی لا تحصیٰ عدداً در کتب فریقین موجود است ایضاً از جمع حدیث نبوی (ستفترق امتی من بعدی علی ثلث وسبعین فرقۃ فرقۃ منہا ناجیۃ والباقی فی النار) با حدیث نبوی مثل اہل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبہا نجی ومن تخلف عنہا ہلک

لہذا اس باب مدینۂ علوم نبویہ نے فرمایا (سلونی قبل ان تفقدونی فلأنا بطرق السماء اعلم منی بطرق الارض نہج البلاغہ جزء ۲ صفحہ ۱۵۳) شرح نہج البلاغہ تالیف ابن ابی الحدید طبع مصر جلد اوّل صفحہ ۲۵۵ میں روایت کی ہے زید ابن ارقم سے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم الاَ ادلّکم علےٰ ما ان تسالمتم علیہ لم تہلکوا ان ولیکم اللہ وان امامکم علی بن ابی طالب فناصحوہ وصدقوہ فان جبرئیل اخبرنی بذالک) اور بالخصوص معرفی حضرت علی بن ابی طالب کی امامت کے لئے اور آپ کے حق میں آیہ مباہلہ وآیہ تطہیر وآیہ اکمال و آیہ تبلیغ وسورہ ہل اتیٰ اور سوائے ان کی بہت سی آیات نازل ہوئی ہیں اور حدیث غدیر وحدیث کساء وحدیث منزلت وحدیث باب العلم و حدیث خصف النعل وحدیث یعسوب الدین وارد ہوئی ہیں علاوہ ان کے نصوص ہیں جن کا شمار نہیں ہے اور کتب فریقین میں موجود ہیں۔ اسی طرح منجملہ احادیث نبوی میں سے یہ ہے (جلد یہ کہ میری امت میرے انتقال کے بعد بہتر فرقوں میں متفرق ہو جائے گی۔ فقط ایک فرقہ ان میں سے نجات پانے والا ہے باقی بہتر فرقے سب آتش جہنم میں چلے جائینگے) یا حدیث نبوی (مثال میرے اہلبیت کی مثال کشتی نوح کی ہے جو کوئی میرے اہلبیت کی کشتی نجات میں سوار ہو اور بقول ان کے عمل کرے نجات پانیوالا ہے اور جو کوئی میرے اہلبیت کی کشتی نجات سے تخلف کرے اور ان کا مخالف ہو غرق اور ہلاک سے

که هردو حدیث در کتب فریقین باسانید صحیحه روایت شده است ۔ معلوم وواضح میشود اینکه فرقه ناجیه است شیعیان حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب واوصیاء معصومین آنحضرتؑ که اہل بیت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم می باشند ۔ چنانکه از ملاحظه حدیث اوّل منفرداً معلوم میشود اینکه فرقه ناجیه شیعیه امامیه اثنی عشریه است زیراکه اثنی عشریه باجمیع مذاهب فرق اسلامیه مباینت در عقاید دارند وجمیع ان مذاهب مشترک میباشند دراصول عقاید پس نمیشود یکے ازآنها را ناجیه دانست زیراکه فرقه ہائے دیگر نیز ہمان اصول عقاید انها را دارند حضرت علی بن ابی طالب متصف بود بجمیع اوصافیکه درامامت شرط است از عصمت واعلمیت واعدلیت وافضلیت ازجمیع بشر غیراز رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم وغیر ذلک ازاوصاف سابقة الذکر (بشرح نهج البلاغه تالیف ابن ابی الحدید حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحات ۱۲۰ - ۱۲۸ - ۱۳۱ - ۱۸۴ - ۱۸۵ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۸۹ رجوع شود اوصاف مذکوره آنحضرتؑ رامنکرے نیست حتی اینکه اعتراف نموده است حضرت ابوبکر بافضیلت حضرت علیؑ بن ابیطالب وہم چنین اعتراف نموده است حضرت عمر باولویت آنحضرتؑ

دونوں حدیثیں کتب فریقین میں اسانید صحیحہ سے روایت ہوئی ہیں۔ یہ معلوم اور واضح ہوتا ہے کہ شیعیان حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب اور اوصیاء معصومین آنحضرت کے جو اہلبیت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں فرقہ ناجیہ ہے چنانچہ ملاحظہ سے حدیث اوّل کے منفرداً معلوم ہوتا ہے۔ کہ فرقہ ناجیہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہے اس لئے کہ اثنی عشریہ تمام مذاہب فرق اسلامیہ سے مباینت عقاید میں رکھتے ہیں اور جمیع وُہ مذاہب اصول عقاید میں مشترک ہیں پس ان میں سے ایک کو بھی ناجی نہیں جان سکتے اس لئے کہ دوسرے فرقے بھی انہیں کے سے اصول وعقاید رکھتے ہیں۔ حضرت علی بن ابیطالب اُن تمام اوصاف سے جن کی امامت میں شرط ہے۔ یعنی عصمت واعلمیّت واعدلیّت وافضلیّت تمام بشر سے سوائے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور علاوہ اُن کے اوصاف مذکورۃ السابق سے متصف تھے (شرح نہج البلاغہ تالیف ابن الحدید حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحات ۱۲۰-۱۲۸-۱۳۱-۱۸۶-۱۸۵-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۵۶۲-۵۷۳-۵۸۹ کی طرف رجوع کرو۔ حضرتؑ کے اوصاف کا کوئی منکر نہیں ہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر نے افضلیت حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا اقرار کیا ہے۔ اور اسی طرح پر حضرت عمر نے اولویّت حضرت علی علیہ السلام کا

بامامت بعد از رسول خدا و باتصافش بجمیع اوصاف امامت واقرار نموده است بمظلومیت آنحضرت در امر امامت (شرح نہج البلاغہ حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحات ۱۸، ۲۰ - ۱۱۴ وہم چنیں اعتراف نموده است حضرت عثمانؓ باینکہ میداند امامت حق بنی ہاشم وحضرت علی علیہ السلام است وبایشان ظلم شده است (شرح نہج البلاغہ حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۳۹۵) ونیز مخصوص بود بمعجزات باہره مثل اخبار از غیب مراراً واستجابت دعا کراراً. ورد شمس واحیاء نفس ومکالمہ باثعبان وقدرت بر اکوان (بہ شرح نہج البلاغہ تالیف ابن ابی الحدید حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۱۷۵-۱۷۶ رجوع شود.

نتیجہ ما سبق اینست بعد از اینکہ بہ براہین عقلیہ ودلائل قطعیہ ثابت شد امامت حضرت امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام بعد از حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم میگوئیم مقتضاے ہماں براہین عقلیہ وادلہ قطعیہ اینست کہ باید یک شخص متصف باوصاف امامت نیز از جانب خدا تعالے ورسولش وصیّ براے امیرالمؤمنین علیہ السلام معیّن شده باشد وامیرالمؤمنین بامامت

لامت کیلئے بعداز رسول خدا اور جملہ اوصاف امامت سے متصف ہونے کا اعتراف کیا ہے اور مظلومیت آنحضرتؐ کا امر امامت میں اقرار کیا ہے (شرح نہج البلاغت حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۱۸ - ۲۰ - ۱۱۴) اور اسی طرح پر حضرت عثمان نے اعتراف کیا ہے یہ کہ میں جانتا ہوں کہ امامت حق بنی ہاشم اور حضرت علی علیہ السلام کا ہے اور ان پر ظلم ہوا ہے (شرح نہج البلاغۃ حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۳۹۵ اور نیز مخصوص تھے معجزات روشن کے ساتھ یعنے اخبار غیب کا بار بار بیان کرنا اور بار بار دعا کا قبول ہونا اور سورج کا لوٹنا اور نفس کا زندہ کرنا اور اژدہے سے کلام کرنا اور موجودات پر قدرت حاصل کرنا (شرح نہج البلاغۃ تالیف ابن ابی الحدید حنفی معتزلی طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ - ۱۷۶ رجوع کرو۔

نتیجہ ماسبق کا یہ ہے کہ بعد اس کے کہ براہین عقلیہ اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہوگئی امامت حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی بعد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم کہتے ہیں کہ ان براہین عقلیہ اور ادلۂ قطعیہ کا اقتضا یہ ہے کہ ایک شخص جو متصف ہو اوصاف امامت سے خدائے تعالےٰ اور اس کے رسول کی طرف سے بھی واسطے امیر المومنین علیہ السلام کے وصی معین ہو اور امیر المومنین نے اپنے بعد اُس کے امام

ووصایت ان وصی خود تنصیص فرموده باشد وہمہ ائمہ باید
متصف بوده باشند بعصمت و اعلمیت وسائر اوصاف
امامت بحکم براہین مذکوره وبہمین اشاره شده است۔
در آیات شریفہ (لکل قوم ہادٍ) (رعد ۷) و (ان من امّۃ الّا
خلا فیہا نذیر فاطر ۲۴) و (یوم نبعث من کلّ امّۃ شہیداً
من انفسہم نحل ۸۴) و در احادیث مستفیضہ نبویہ تعیین ائمہ
علیہم السلام شده است کہ مجموع انہا دوازده نفر است
از عترت نبویہ در شرح نہج البلاغۃ تالیف ابن ابی الحدید حنفی
معتزلی جلد ۲ صفحہ ۴۵۰ - ۴۵۲ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلّم من سَرَّہُ ان یحیٰی حیاتی ویموت مماتی ویسکن جنّۃ
عدنٍ التی غرسہا ربّی فیوالِ علیّاً من بعدی فلیوالِ ولیّہ
ولیقتد بالائمّۃِ من بعدی فانہم عترتی خلقوا من طینتی و
رُزِقوا فہماً وعلماً فویلٌ للمکذبین من امتی القاطعین فیہم
صِلَتی لا انالہم اللہ شفاعتی۔

اور وصی ہونے کو منصوص فرمایا ہو اور جملہ آئمہ
اسی طرح پر چاہئے کہ متصف ہوں عصمت و اعلمیت سے
اور تمام اوصاف امامت سے۔ بموجب حکم براہین مذکورہ اور
آیات شریفہ (ولکل قوم ھاد) (رعد ۷) و ان من امة الا خلا فیہا نذیر
فاطر ۲۴) و یوم نبعث من کل امة شہیداً من انفسہم نحل ۸۹) میں
اسی کی طرف اشارہ ہوا ہے اور احادیث میں جو نبی اکرمؐ سے پہنچی ہیں ائمہ
علیہم السلام کا تعیین ہوا ہے کہ مجموع ان کا بارہ نفر ہیں عترت
نبویہ میں سے چنانچہ شرح نہج البلاغہ تالیف ابن ابی الحدید حنفی معتزلی
جلد ۲ صفحہ ۴۵۰-۴۵۲ میں ہے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
جس کسی کو کہ مسرور کرے یہ کہ زندگی اُس کی مانند میری زندگی کے
ہو اور حال مرگ کہ اس کی مرگ کے بعد میرے حال کی مانند ہو
اور مسکن اُس کا بہشت عدن میں ہو کہ خدائے تعالےٰ نے اپنے
دست قدرت سے اس کو مہیا کیا ہے پس البتہ وہ علی علیہ السلام
کو میری موت کے بعد دوست رکھے۔ اور البتہ دوست علی کو
دوست رکھے اور ان اماموں کی جو میرے اہل بیت سے ہیں
اور میرے بعد امام ہونگے پیروی کرے کیونکہ البتہ وہ میری عترت
ہونگے اور میری مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کو علم و فہم کا رزق دیا
گیا ہے۔ پس میری امت میں سے ان کی تکذیب کرنے والوں کو
وائے ہو کہ میرا صلہ ان میرے خاص ارحام اور اہل بیت سے

ایضاً قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم فی کلّ خلفٍ من امتی عدلٌ من اہل بیتی ینفون عن الدّین تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاہلین ۔

ایضاً قال النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم اثنی عشر من اہل بیتی اعطٰی ہم اللہ فہمی وعلمی وحکمتی وخلقہم من طینتی فویل للمتکبّرین علیہم من بعدی القاطعین فیہم صلتی ما لہم لا اَنا لہم اللہ شفاعتی ۔

ایضاً قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم بعدی اثنی عشر اوّلہم انت یا علیؑ وآخرہم القائم الذی یفتح اللہ علے یدیہ مشارق الارض ومغاربہا

و در حدیث صحیح از جابر بن عبد اللہ انصاری رضوان علیہ کہ از اکابر اصحاب رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم بود روایت شدہ است قال لمّا نزلت ھذہ الآیۃ (یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الأمر منکم سورہ نساء ۵۹) قلتُ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم ،

قطع کرتے ہیں ان کو میری شفاعت خدا نصیب نہ کرے)۔

اسی طرح سے رسول اللہ نے فرمایا میری امت میں پیچھے آنے والوں میں سے ہر دور میں ایک امام عادل میرے اہلبیت میں سے ہو گا۔ تاکہ میرے اہلبیت میں کے وہ آئمہ دین میں سے تحریف اور زیادتی و کمی کو جو غالی پیدا کرتے ہیں اور دروغ بستوں کو جو اہل باطل دیتے ہیں اور بے حقیقت

اسی طرح سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ بارہ نفر میرے اہل بیت میں ہیں کہ جن کو میرا فہم میرا علم میری حکمت خدا تعالےٰ نے عطا کی ہے اور اُن کو میری طینت سے خلق کیا ہے پس میرے بعد ان کے ساتھ تکبر کرنے والوں پر وائے ہو اور وہ جو میرے صلہ کو میرے اُن اہلبیت کے حق میں قطع کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے کیا ہے۔ میری شفاعت خدا ان کو نہ پہنچائے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ بعد میرے بارہ نفر امام ہیں اول ان بارہ کے تم ہو اے علی۔ اور ان کا آخر قائم ہے اور وہ ایسا ہے کہ خدا تعالےٰ اس کے ہاتھ پہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو فتح کرے گا۔

اور حدیث صحیح جابر بن عبد اللہ انصاری رضوان علیہ سے کہ اکابر اصحاب رسول اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سے ہیں روایت ہے۔ حضرت جابرؓ نے کہا ہے جس زمانے میں کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا نے فرمایا اطاعت کرو خدا کی اور رسول خدا کی اور صاحبان امر کی اپنوں میں سے تو میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ

عَرَفْنَا اللہ و رسولہٗ فمَنْ اولی الأمر الذین قَرَنَ اللہ طاعتہم بطاعتک فقال صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ھُم خلفائی یا جابر و ائمۃ المسلمین من بعدی اولہم علےؑ بن ابیطالب ثم الحسن ثم الحسین ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی المعروف فی التوریۃ بالباقر وستدرکہ یا جابر فاذا لقیتہ فاقراء منی السلام ثم الصادق جعفر بن محمد ثم موسٰی بن جعفر ثم علی بن موسٰی ثم محمد بن علی ثم علی بن محمد ثم الحسن بن علی ثم سمیّی و کنیّی حجۃ اللہ فی ارضہ و بقیتہ فی عبادہ ابن الحسن بن علی ذاک الّذی یفتح اللہ تعالےٰ ذکرہٗ علے یدیہ مشارق الارض و مغاربھا ذاک الذی یغیب عن شیعتہ واولیائہ غیبۃً لایثبت فیھا علے القول بامامتہ الا من امتحن اللہ قلبہ للایمان۔

خدا کو ہم نے پہچانا ہے اور اس کے رسولؐ کو بھی پہچان لیا ہے اور صاحبان امر کون اشخاص ہیں کہ خدا نے ان کی اطاعت مانند آپ کی اطاعت کے اور آپ کی اطاعت کے درجہ پر قرار دی ہے۔ پس حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا اے جابر وہ صاحبان امر میرے جانشین ہیں اور بعد میرے امام اور پیشوا مسلمانوں کے ہیں اوّل ان میں سے علی ابن ابیطالب ہیں دوم حسن ہیں سیّم حسین ہیں چہارم علی بن حسین ہیں پنجم محمد بن علی ہیں کہ توریت میں ان کا لقب باقر ہے اور جلد ہے اے جابرؓ کہ تم اُنکو ملوگے اور دیکھو گے اور جس وقت تم ان کو دیکھو میرا اسلام پہنچانا۔ بعد ان کے جعفر بن محمد ہیں بعد ان کے موسیٰ بن جعفر ہیں بعد ان کے علی بن موسیٰ ہیں بعد ان کے محمد بن علی ہیں اور بعد ان کے علی بن محمد اور بعد ان کے حسن بن علی اور بعد ان کے میرے ہمنام اور ہم کنیت حجت خدا اس خدا کی زمین پر اور باقیۃ اللہ ہیں کے بندوں کے درمیان محمد بن حسن بن علی ہیں اور وہ ایسے امام ہیں کہ خدا تعالےٰ اُن کے ہاتھ پر مشرقوں اور مغربوں کی زمین کو فتح کریگا اور کھولیگا اور وہ ایسے امام ہیں کہ اپنے شیعوں اور دوستوں سے غایب ہونگے طولانی غیبت کے ساتھ کہ آپ کی امامت کے قائل ہونے پر کوئی ثابت نہیں رہتا مگر وہ شخص کہ خدا تعالےٰ نے جس کے قلب کا ایمان کے بارے میں امتحان کر لیا ہے۔

تنصیص ہر امام مسلم الامامۃ بر امامتِ وصی خودش کافی
است برائے تعیین او و تنصیصات ائمہ معصومین علیہم سلام
اللہ رب العالمین ہر سابقے بر لاحقش بروایات مستفیضہ و
احادیث صحیحہ از طرق شیعہ ثابت شدہ است و بحکم اصول
مناظرہ در ایں مقام اہل سنت وجماعت راہیچ وجہ حق اعتراض
نیست وملزوم میباشند بقبول ان احادیث مستفیضہ پس بحکم
براہین عقلیۂ مذکورہ و تاییدات نقلیہ معلوم و واضح شد کہ امام
دوزادہم نیز در ایں زمان موجود و منصوب است زیرا کہ اخلال
بر واجب از خدا تعالے ممتنع ومحال است وسبب غیبت آنحضرت
نہ از خدا تعالے است ونہ از خود آنحضرتست بلکہ عدم تمکین ناس
سبب غیبتش شدہ است ومیباشد چنانچہ سابقاً بیان نمودیم
پس ہر وقت سبب مذکور زایل شود ظہور آنحضرت واجب میشود
موعد ظہورِ آنحضرت بزوالِ سبب مذکور در علم اللہ تعالے معین
است لیکن برائے مکلفین تعیین نشدہ است مگر بعلامیکہ
در اخبار مستفیضہ رسیدہ است عمدۂ آں علائم خروج دجال
وخروج سفیانی است۔

شیخ طوسی قدس سرہ در کتاب غیبت ونیز در کتاب
بشارۃ الأسلام طبع بغداد صفحہ ۴۸ روایت کردہ اند از محمد بن حنفیہ
از محمد حنفیہ قال قلت لہ (یعنے اباہ علیاً علیہ السلام)

تنصیص ہر امام مسلّم الامامت کی اپنے وصی کی امامت پر اس کی تعیین کے لئے کافی ہے اور تنصیصات ائمہ معصومین علیہ سلام اللہ رب العالمین کی ہر سابق کی لاحق پر روایات مستفیضہ اور احادیث صحیحہ طُرق شیعہ سے ثابت ہیں اور اصول مناظرہ کی بنا پر اس مقام میں اہل سنت والجماعت کو کسی وجہ سے حق اعتراض کا نہیں ہے اور ان احادیث کے قبول کرنے کے لئے ملزم ہیں۔ پس براہین عقلیہ مذکورہ اور تائیدات نقلیہ کے مطابق معلوم اور واضح ہو گیا کہ امام دوازدہم بھی اس زمانہ میں موجود اور منصوب ہیں کیونکہ خلل ہونا واجب میں خدا تعالےٰ سے ممتنع اور محال ہے اور سبب غیبت اُن حضرت کا نہ خدائے تعالےٰ سے ہے اور نہ خود آنحضرت سے ہے بلکہ عدم تمکین ناس آپ کی غیبت کا سبب ہوا ہے اور رہے گا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا پس جس وقت سبب مذکور زائل ہو جائیگا ظہور اُن حضرت کا واجب ہو جائے گا۔ ظہور حضرت کا وقت موعود سبب مذکور کے زوال پر علم اللہ تعالےٰ میں معین ہے۔ لیکن مخلوقین کیلئے تعیین نہیں ہے۔ مگر وہ علامتیں جو کہ اخبار مستفیضہ سے پہنچی ہیں ان میں سے سب سے بڑی علامت خروج دجال اور خروج سفیانی ہے شیخ طوسی قدس سرہ نے کتاب غیبت میں اور نیز کتاب بشارت الاسلام طبع بغداد صفحہ ۴۸ میں روایت کی ہے محمد بن حنفیہ سے

محمد بن حنفیہ نے کہا ہے میں نے اُن حضرت (یعنی اپنے پدر محترم حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام) سے عرض کی اس

قد طال ہذا الأمر حتیٰ متی قال فحرّک رأسہ ثم قال أنّی یکون ذلک ولم یعض الزمان أنّی یکون ذلک ولم یجفوا الأخوان أنّی یکون ذلک ولم یظلم السلطان أنّی یکون ذلک ولم یقم الزندیق من قزوین فیہتک ستورہا ویکفر صدورہا ویغیّر سورہا ویذہب ببہجتہا من فرّ منہ أدرکہ ومن حاربہ قتلہ ومن اعتزل عنہ افتقر ومن تابعہ کفر حتیٰ یقوم باکیان باک یبکی علیٰ دینہ وباک یبکی علےٰ دنیاہ)۔

در طول عمر مبارکش معاندین راحق استبعاد نیست بعد از اینکہ نظیرش برائے حضرت خضرؑ وحضرت الیاس علیہما السلام ثابت شدہ است وقدرت مطلقہ خدا یتعالےٰ از مبادی مسلّمہ است در ایں مسئلہ چنانچہ در اوّلِ مطالب بیان نمودیم حتیٰ اینکہ بشیطان عمر ابدی دادہ است واگر در زمان غیبتش از اجراء حدود شرعیہ وسیاسات دینیہ بواسطۂ عدم تمکین ناس متمکن نیست: اکثر ائمہ اطہار علیہم السلام نیز مادام الحیوٰۃ متمکن از اجراء انہا نشدند لکن فوائد وجود مبارکش کالشمس المتغیبۃ وراء الغمام ثابت ومعلوم است واز اجماع و اجماع جمیع بشر برخطا مانع است واتمام حجت است از جانب خدا یتعالےٰ بر انہائیکہ تمکین نمی نمایند وسبب غیبتش شدہ اند چنانچہ سابقاً شرح دادیم۔

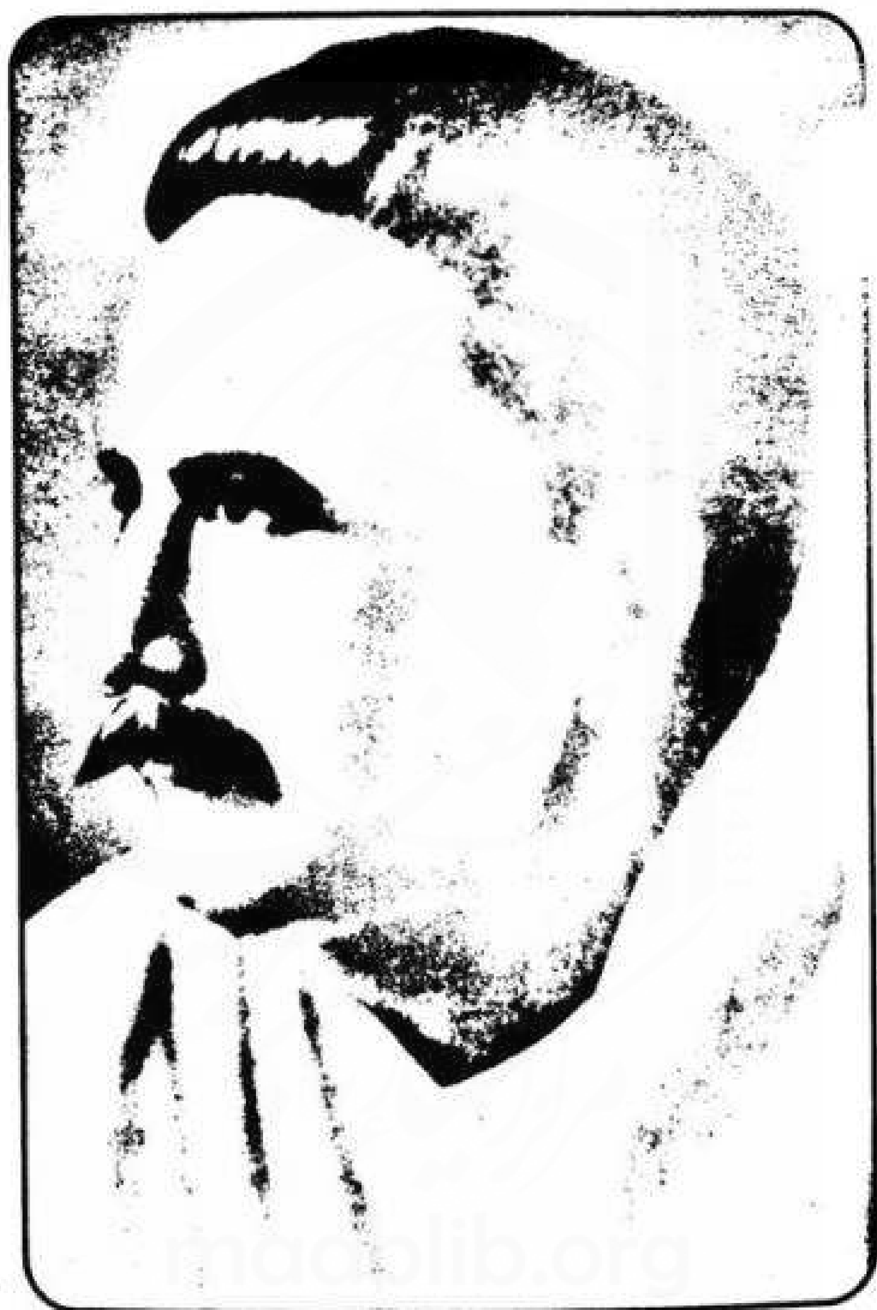
اور ظلم نے بہت طول کھینچا تا بہ کے محمد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے سر مبارک کو حرکت دی
فرمایا کہ یہ ظہور کیونکر واقع ہو حالانکہ ابھی زمانہ نے اپنے تیز دانتوں سے اپنے اہلکو نہیں کاٹا ہے کیونکر
یہ ظہور واقع ہو حالانکہ ابھی انہوں نے جفا نہیں کی ہے یہ ظہور کیونکر واقع ہو حالانکہ ابھی بادشاہ نے اپنے ظلم کو نہیں
کیا ہے یہ ظہور کیونکر واقع ہو حالانکہ شہر قزوین سے زندیق کھڑا نہیں ہوا جو ہتک عزت اسلام اور مسلمین کے پردوں کی
ہتک کریگا اور انکے سینوں اور دلوں کو بے عقیدہ اور کافر کردیگا اور حدود شریعت اسلام اور بلاد اسلام کے قلعوں کو
درہم برہم کر دیگا اور رونق اور شگفتگی شریعت اسلام اور مسلمین کو اور رونق معنوی و دینی بلاد اسلامی کی برباد کردیگا
اور جو اس سے بھاگے اسکو تلاش اور گرفتار کرلیگا اور جو اس سے جنگ کرے مارا جائیگا اور جو کوئی اس سے دوری اختیار کرے

طول عمر مبارک میں معاندین کو حق استبعاد نہیں ہے بعد اس کے کہ نظیر اس کی حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام کے لئے ثابت ہے اور اس مسئلہ میں قدرت مطلقہ حق تعالے مبادی مسلمہ میں سے ہے جیسا کہ اول مطلب میں بیان ہوا یہاں تک کہ شیطان کو عمر ابدی دی گئی ہے۔ اور اگر آپ کے زمان غیبت میں اجراء حدود شریعت اور سیاسات دینیہ عدم تمکین ناس کی وجہ سے ممکن نہیں ہے تو اکثر ائمہ اطہار علیہم السلام اپنے زمانہ میں عمر بھر ان کے اجراء پر متمکن نہ ہوئے لیکن آپ کے وجود مبارک کے فوائد کالشمس المتغیبۃ وراء الغمام ثابت اور معلوم ہیں اور جمیع بشر کے خطاء پر اجتماع و اجماع کے لئے مانع ہے اور اتمام حجت ہے خدا تعالے کی طرف سے ان لوگوں پر جو تمکین نہیں کرتے ہیں اور غیبت کا سبب ہوئے ہیں جیسا کہ سابقاً ہم نے شرح کی ہے۔

اما مسئلہ امکان تشرف بحضور مبارک حضرت امام غایب روحی فداہ در احادیث ائمہ اطہار علیہم السلام امر شدہ است بتکذیب مدعی رؤیت و مدعی تشرف و این مخصوص است بصورت ادعاے معرفت تفصیلے امام در حین تشرف و بجہت حفظ حمی نسبت بعامہ ناس است۔ نفی امکان نمی کند۔ چونکہ معلوم و محقق است کہ جماعتے از اعاظم علماے اعلام و اخیار و اوتاد از شیعہ در مسجد اعظم کوفہ و در مسجد سہلہ و در حرم مقدس نجف اشرف و در ناحیہ مقدسہ و در حائر مقدس بہ شرف ملاقات آں بزرگوار نائل و موفق شدہ اند بلے در تشرفات ما عداے علماے اعلام و نواب عام آنحضرت در حین تشرف نشناختہ اند بعد از مفارقت ملتفت شدہ اند رزقنا اللہ تعالے الاتصال بخدمتہ والتشرف لحضرتہ و ادراک ظہورہ والقیام بنصرتہ ۔

لیکن مسئلہ امکان تشرف بحضور مبارک حضرت امام غایب روحی فداہ کے بارے میں احادیث ائمہ اطہار علیہم السلام میں امر ہو چکا ہے کہ مدعی رویت اور مدعی تشرف کی تکذیب کی جائے اور یہ تکذیب مخصوص ہے اس صورت میں کہ کوئی ملاقات کے وقت کی تفصیلی معرفت امام کا دعوے کرے اور اس جہت سے کہ عامۃ الناس کی نارسائی کا حفظ قائم رہے لیکن یہ تکذیب امکانِ تشرف کی نفی نہیں کرتی چونکہ معلوم اور محقق ہے کہ ایک جماعت اعاظم علمائے اعلام میں سے اور اخیار اوز اوتاد شیعہ میں سے مسجد کوفہ میں اور مسجد سہلہ میں اور حرم مقدس نجف اشرف میں اور ناحیہ مقدسہ حائر مقدس میں اُن بزرگوار کے شرف ملاقات سے نائل اور موفق ہوئے ہیں ہاں تشرفات میں متعدد علمائے اعلام اور نواب عام آنحضرت کے وقت ملاقات نہ پہچان سکے بعد مفارقت کے سمجھے۔





حکیم الامت علامہ محمد اقبال